طرح وہاں بھی تھکا تھکا عملہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے موجود تھا۔

پورٹر کے اٹھانے کے لیے ہمارے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ میں نے اپنا تھیلا کندھے پر لٹکایا' اول خان نے بریف کیس اٹھایا اور ہم جلال کے ساتھ ہوٹل کی روشنیوں میں ڈوبی ہوئی پر شکوہ عمارت میں داخل ہوگئے۔ جلال نے کاؤنٹر پر ہمارے نام بتا کر چابیاں طلب کیں تو معلوم ہوا کہ پانچویں منزل پر دو متصل کمرے ہمارے لیے پہلے سے محفوظ کرا لیے گئے تھے۔

وہ عالی شان ہوٹل آج بھی اسی مقام پر موجود ہے لیکن نئے انتظامات کے تحت وہ ہوٹل میریٹ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس کی ہر شام بہت رنگین اور دلکش ہوتی ہے۔ شہر بھر کے آسودہ حال بے فکرے اپنی بیشتر شامتیں اسی کے مختلف حصوں میں گزارنا پسند کرتے ہیں۔"

اس وقت جلال پر ہماری احسان مندی اور مہمان داری کا بھوت سوار تھا۔ اول خان نے نیچے ہی فون بلوں والا لفافہ اس کے حوالے کرکے اسے رخصت کرنا چاہا لیکن وہ ہمیں ہمارے کمروں تک پہنچائے بغیر واپس جانے پر آمادہ نہ ہوا۔

سامان نہ ہونے کے باوجود ایک پورٹر سائے کی طرح ہمارے ساتھ تھا۔ اس کا کل بوجھ ہمارے کمروں کی دو چابیوں پر مشتمل تھا۔

پہلے کمرے میں داخل ہوتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ ایسے خوب صورت کمرے میں لمبی نیند لینے کے لیے کراچی سے وہاں تک کا سفر مہنگا نہیں تھا۔

"اب تم دونوں لمبی تان کر آرام کرو" جلال نے مشورہ دیا "تمہارے دروازوں پر نو ڈسٹربنس کے ٹیگ لگا دیے جائیں گے۔ اب بارہ بجے رحمان تمہارے پاس آئے گا۔"

اس یقین دہانی کے بعد جلال فوری طور پر واپس ہوگیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اس نے ہمیں ہوٹل کے کمروں تک پہنچا دیا تھا لیکن اس کے لیے بہت سا کام باقی تھا۔

کشادہ اور بے داغ بستر دیکھ کر میری پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔ اول خان پہلا کمرا مجھے سونپ کر اپنے بریف کیس سمیت برابر والے کمرے میں چلا گیا۔

میں نے اپنے ٹرول بیگ میں سے شب خوابی کا لباس نکال کر کپڑے تبدیل کیے اور نائٹ لیمپ کے سوا تمام روشنیاں گل کرکے بستر پر ڈھیر ہوگیا۔

اپنی نیند پوری کرکے میں خود ہی بیدار ہوا تھا۔ عقبی کھڑکی پر کھنچے ہوئے دبیز پردے کی وجہ سے کمرے میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں تھا۔ رات بلکہ صبح سویرے والا سماں جوں کا توں برقرار تھا لیکن میرے سرہانے رکھی ہوئی رسٹ واچ دس بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔

نہایت اطمینان سے تر و تازہ ہونے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے اول خان عرف اظہر خان کے بارے میں سوچا۔ اگر دس بجے تک میری نیند پوری ہو چکی تھی تو اسے بھی بیدار ہونا چاہیے تھا۔ میں نے انٹر کام پر اس کے کمرے کا نمبر ملایا تو وہ مصروف تھا۔

اپنا کرا منقض کرکے میں نے پڑوس والے دروازے پر دستک دی اور اندر سے اول خان کی آواز سن کر دروازہ کھول لیا۔ وہ مجھ سے پہلے تیار بیٹھا تھا اور فون پر اپنے کسی آدمی بات کر رہا تھا۔

میں سگریٹ سلگا کر سنگل صوفے میں دھنس گیا۔ شاید میری وجہ سے اس نے جلد ہی گفتگو ختم کردی اور میری طرف متوجہ ہو کر بولا "رات کو میرے آدمیوں نے ان تینوں میں سے ایک کو پکڑ لیا تھا اور اس کو بری طرح مارا ہے۔ پٹنے کے بعد اس نے بتایا ہے کہ وہ تینوں اپنے استاد داؤد کے ساتھ ائرپورٹ پہنچے تھے۔ داؤد ان سے الگ تھلگ رہ کر اشاروں کنایوں سے ان کو ہدایات دے رہا تھا۔ اسی کے ایما پر وہ میرے آدمیوں کے پیچھے ریستوران میں گئے تھے۔ وہ آخر تک وہیں تھا۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ تعاقب کے بعد انہیں کیا کرنا تھا" میں نے پوچھا۔

"یہ سب کراچی پہنچنے کے بعد معلوم ہوگا۔ فی الحال میں نے انہیں داؤد کے پیچھے لگا دیا ہے۔ ہماری واپسی تک اسے بھی اسٹیشن فورپر موجود ہونا چاہیے۔"

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک جا رہا ہے مگر اس وقت کا اہم ترین مسئلہ ناشتے کا ہے۔"

وہ مسکرا دیا "میں معلوم کر چکا ہوں۔ ناشتے کے لیے ڈائننگ ہال بند ہو چکا ہے۔ ہمیں روم سروس سے رجوع کرنا ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا لینا پسند کرو گے۔"

"جو چاہو منگوا لو اور جلال کو بھی اطلاع دے دو کہ ہم مقررہ وقت سے پہلے بیدار ہو چکے ہیں۔"

اول خان نے روم سروس والوں کو آرڈر دیا اور پھر خود ہی جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

جلال اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ "ان تک اطلاع پہنچا دو کہ ہوٹل سے اظہر خان کا فون آیا تھا۔ یہ بہت اہم اور ضروری معاملہ ہے" پیغام دے کر اس نے فون بند کردیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ناشتے سے پہلے ہی رحمان ہمارے پاس آپہنچا۔ ائرپورٹ پر اس سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے بہت تپاک اور بے تکلفی سے ہمیں اپنے شہر میں خوش آمدید کہا اور بتایا کہ جلال اچانک بہت زیادہ مصروف ہو گیا ہے۔ اس نے اظہر خان اور مظہر خان کے بارے میں اپنے اسٹاف کو بریف کیا ہوا تھا۔ اس کے پی اے نے اول خان کا پیغام فوراً ہی رحمان تک پہنچادیا۔ اس کا دفتر ہوٹل سے بہت قریب تھا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جانے کے ارادے سے ہوٹل پہنچ گیا۔

اول خان کے بے تکے آرڈر کی وجہ سے دو آدمیوں کے لیے آنے والا ناشتا ضرورت سے بہت زیادہ تھا۔ صرف ایک پیالی کے اضافے سے رحمان بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ صبح چھ بجے سے دفتر پہنچا ہوا تھا۔ اسے بھاگ دوڑ کی وجہ سے چائے کی ایک پیالی تک پینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"آخر اس طرح ہلکان ہونے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟" اول خان نے ناشتے کے دوران میں رحمان سے پوچھا "مجرم تمہارے قبضے میں ہے' تعاون پر آمادہ ہو چکا ہے پھر تم کیوں بھاگتے پھر رہے ہو۔"

"کسی کو امید نہیں تھی کہ پنڈت منوہر لال آسانی سے زبان کھولنے پر آمادہ ہو سکے گا۔ مایوسی کی وجہ سے بہت سی ضروری کارروائیاں ادھوری چھوڑ دی گئی تھیں" رحمان نے بتایا "تمہارے پہنچنے کے بعد ایک دم پانسہ پلٹ گیا ہے۔ سات بجے ہمارے ڈی جی نے خود پنڈت سے ملاقات کی ہے۔ کسی پوچھ گچھ کے ارادے کے بغیر وہ صرف یہ دیکھنے گئے تھے کہ پنڈت اب کس موڈ میں ہے۔"

"میں نے تو سنا تھا کہ تمہارے ڈی جی کو اس کے اعترافات سننے کی فکر ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ بات پرانی ہو گئی۔ حکومت کی ایک ذمے دار شخصیت کے سامنے اس کا بیان لیا جائے گا۔ سب کی متفقہ رائے ہے کہ پنڈت کو بار بار چھیڑا گیا تو وہ بدک جائے گا۔"

"سب کچھ ایک مرتبہ ہو جانا چاہیے" میں نے اس سے اتفاق کیا "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ رستم اور پنڈت کے معاملے کو اس قدر طول کیوں دیا جا رہا ہے۔ دو اور دو چار کی طرح بربات بالکل سامنے ہے۔ فیصلہ کر کے ذرا سی دیر میں کسی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔"

"بڑے فیصلوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ہمارے روٹین کا حصہ ہیں۔"

"شام کی کسی پرواز سے ہماری روانگی کا بندوبست کر دو"

کچھ توقف کے بعد میں نے کہا "اس سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ رستم کے انسانی حقوق کا قضیہ کس نے اٹھایا تھا؟"

"کوئی اکرم الٰہی ہے۔ وہ کراچی میں ہی رہتا ہے لیکن اس کا باقاعدہ دفتر خیابانِ قائداعظم پر بلیو ایریا کی ایک عمارت میں ہے" رحمان نے بتایا۔

"تو وہ کوئی پاکستانی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا "جلال نے تو کسی بین الاقوامی ادارے کا ذکر کیا تھا۔"

"اس کا دفتر انسانی حقوق کی ایک بین الاقوامی تنظیم کا مقامی حصہ ہی ہے۔"

"اکرم الٰہی فریڈم انٹرنیشنل کی پاکستانی شاخ کا چیئرمین ہے۔ فریڈم انٹرنیشنل یہاں این جی او کے طور پر کام کر رہی ہے۔"

"غیر سرکاری تنظیمیں کسی نہ کسی کی امداد سے چلتی ہیں۔ اسے کہاں سے فنڈز ملتے ہیں؟"

"ایسے اداروں کو برائے نام سرکاری امداد ملتی ہے۔ بڑی بڑی رقمیں بیرونی امداد کی صورت میں آتی ہیں۔ اصولی طور پر یہ سرکاری ذرائع سے تقسیم ہونی چاہئیں لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ ہو سکتا ہے کہ اکرم الٰہی کو بھی کہیں سے رقم مل رہی ہو۔"

"شاید تمہیں اس طرف توجہ دینے کا وقت نہیں مل سکا۔ اگر وہ کراچی میں ہے تو پھر ہم اسے وہیں دیکھیں گے۔ رستم جیسے غدار اور سازشی کے حق میں آواز اٹھانے والا نیک نیت نہیں ہو سکتا۔"

"ایسے لوگ مضبوط پشت پناہی کے بغیر زبان نہیں کھولتے۔ احتیاط سے دیکھنا ہو گا کہ اس کے پیچھے کون لوگ ہیں۔ ان کے کیا مقاصد ہیں اور وہ کس سمت میں جا رہے ہیں؟"

"وہ جو کچھ بھی ہو' رستم اور رابن مائر سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو سکتا۔ جب ان دونوں کے گریبان پر ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے تو اکرم کس گنتی میں ہے؟" مجھے ہلکا سا تاؤ آگیا۔

"رستم اور رابن بے شک مار دیے گئے بلکہ رستم نے تو کھلی خودکشی کی ہے مگر ان واقعات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی پیچیدگیاں فیصلوں میں تاخیر کا سبب بن رہی ہیں۔ ایک وقت میں کئی محاذوں پر لڑنا دانش مندی نہیں ہے۔ موجودہ گرد دب جائے تو اکرم کو ہر وقت دیکھا جا سکتا ہے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے' کیا ان لوگوں پر غلط ہاتھ ڈالا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ بہترین فیصلے تھے" رحمان نے جلدی سے کہا "اسی لیے ہر شخص حالات سنبھالنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ ہم لوگ کسی حکومت کی مجبوریوں کو نظرانداز کر کے من مانے فیصلے نہیں کر سکتے۔"

اول خان نے مجھے اشارہ کر کے کہا "قانونی اداروں کی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ سرد جنگ کے زمانے میں امریکا اور روس کی حکومتیں سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اپنی سرزمین پر دشمن کے ایجنٹوں کو نظرانداز کرنے پر مجبور تھیں۔ ایسی برداشت کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو دو طرفہ خونریزیوں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ چل پڑتا ہے۔"

اول خان کی وضاحت سے رحمان کو سہارا مل گیا "میرا نکتہ بالکل یہی تھا۔ رابن مائر کی حرکتوں کے باوجود یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ وہ ایک سفارتی مہمان بن کر یہاں آیا تھا اور اس کی حفاظت ہماری ذمے داری تھی۔ اس کے جرائم اور بے اعتدالیوں کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کے انجام پر رسمی طور پر اظہارِ افسوس کرنا پڑے گا۔ قانون سے ماورا خوں ریزی پر مذمت کا اظہار بین الاقوامی اخلاقیات کا حصہ ہے۔"

"رابن کے خلاف تمہارے مہیا کیے ہوئے ثبوت جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے، تعزیتی بیان اسی قدر ہلکا اور نرم ہوتا چلا جائے گا" میں نے جواب دیا۔

"ہم ان ہی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ سب کی بھاگ دوڑ ان مربوط کوششوں کا ایک حصہ ہے" رحمان نے کہا "ہم اپنی ذمے داری کم سے کم رکھنی چاہتے ہیں۔"

"میں تمہیں کیوبا کے فیڈل کاسترو کی مثال دیتا ہوں۔" اول خان نے کہا "وہ شاید روئے زمین پر امریکیوں کا سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص ہے۔ سی آئی اے اس پر متعدد قاتلانہ حملے کروا چکی ہے جو سب کے سب ناکام رہے۔ اگر وہ آج کسی دہشت گردی کا نشانہ بن جاتا ہے تو میری بات لکھ لو کہ غیر سرکاری طور پر امریکا میں جشن منایا جائے گا مگر امریکی صدر اس کے لیے تعزیتی بیان جاری کرے گا جس میں دہشت گردی کی مذمت پر زور ہوگا۔"

اول خان میری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ اسی کے ساتھ اسے یہ فکر بھی تھی کہ میں کہیں رحمان سے الجھ نہ پڑوں۔ ایسی کسی صورت کو ٹالنے کے لیے اس نے نہایت بھونڈے انداز میں کیوبا کے صدر کا ذکر چھیڑا تھا جو میں نے خاموشی سے سن لیا۔ اس پر میرا کوئی تبصرہ لاحاصل تھا۔

اس ہلکی سی تکرار کے بعد ہم نے خاموشی سے ناشتا ختم کر لیا۔

"آؤ! اب دفتر چلتے ہیں" ناشتا کر کے رحمان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"دفتر میں ہمارا کیا کام ہے؟" میں نے پوری سنجیدگی سے سوال کیا۔

"کام ہے بھی اور نہیں بھی" رحمان مسکرایا "تم ہمارے مہمان بن کر اسلام آباد آہی گئے ہو تو ہمارے ڈی جی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"جلال نے ہمیں بارہ بجے تک سونے کی آزادی دی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ متوقع ملاقات ایک بجے کے لگ بھگ ہی ہو سکے گی" میں نے متفسرانہ لہجے میں کہا۔

"شاید اتنا وقت ہو جائے گا" رحمان نے میری تائید کی "گپ شپ میں یہ وقت آرام سے گزر جائے گا۔"

"ہمیں ساتھ لے جا کر تم بندھ جاؤ گے۔ آج تم لوگ ویسے ہی کام کی زیادتی کے شکار ہو۔ ہم ہوٹل میں رہیں گے۔ ڈی جی آجائیں تو تم آ کر ہمیں دفتر لے جانا۔"

"یہ نہیں ہوگا" رحمان اڑ گیا "کام روز ہوتا رہتا ہے۔ تم روز یہاں نہیں آؤ گے۔ تمہیں میرے ساتھ دفتر چلنا ہوگا۔ بور ہونے لگو گے تو ہوٹل واپس لے آؤں گا۔"

مزید انکار اس کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا کر سکتا تھا۔ میں بھی اٹھ گیا۔

ہوٹل کی پارکنگ لاٹ میں رحمان کی گاڑی موجود تھی۔ ہم آغا خان روڈ سے کانسٹی ٹیوشن ایونیو پر مڑے اور ذرا سی دیر میں کیبنٹ بلاک کے بند آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گئے۔ دربان نے رحمان کو دیکھ کر سلاخ دار گیٹ کھول دیا اور ایک قریبی حصے میں گاڑی پارک کر دی۔

کیبنٹ بلاک کے ابتدائی حصے میں چند کمرے آئی بی کے لیے مخصوص تھے۔ رحمان نے عمارت میں داخل ہوتے ہوئے اشارے سے اپنے سربراہ کے دفتر کی نشان دہی کی اور پھر ایک کمرے میں گھس گیا۔

اس کا کمرا سادہ اور پروقار تھا۔ اس نے بتایا کہ اس بلاک میں آئی بی کے ڈی جی اور چند افسران ہی بیٹھے تھے۔ دوسرے دفاتر کسی اور بلاک میں واقع تھے۔

رحمان نے اپنی میز سنبھالی ہی تھی کہ اس کے اسٹینو فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے اپنے ماتحت سے کچھ پیغامات سنے، چند نمبر ملانے کی ہدایت کی اور پھر اپنی میز پر رکھا ہوا کمپیوٹر آن کر دیا۔

"اس بلاک میں شاید ملک کے حسّاس ترین دفاتر سمٹے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے ہیں" اول خان نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"ہاں.... اسے تم حکومت کا اعصابی مرکز بھی کہہ سکتے ہو۔ صدر اور وزیراعظم کی طرف سے تقرریوں اور تبادلوں کے سارے احکام اسی بلاک کے ایک حصے سے جاری ہوتے ہیں۔ ہم لوگ یہاں بیٹھتے ہیں اس لیے تم ہمیں بھی تھوڑی بہت اہمیت دے سکتے ہو۔"

"شاید جلال بھی دفتر میں نہیں ہے" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"جلال اور ڈی جی دونوں غائب ہیں۔ جب تک ان میں سے کوئی واپس نہیں آجاتا' مجھے دفتر میں رہنا ہے۔" رحمان نے مجھے بتایا "دفتر میں ایک نہ ایک ذمے دار آدمی ہر وقت موجود رہتا ہے۔"

"تم ہوٹل میں ہمارے پاس تھے تو یہاں کوئی نہیں تھا جب کہ آج کا دن بہت اہم ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی اور وہ ہنستے ہوئے بولا "پیغام نوٹ کرلیے گئے تھے۔ اب میں نے وہ کالز لوٹانے کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔"

وہی ہوا۔ وہ ریسیور رکھتا تھا اور اس کا ماتحت فوراً ہی دوسرا نمبر ملادیتا تھا۔ فون پر گفتگو کے دوران میں رحمان نے کئی مرتبہ کی بورڈ کو چھیڑ کر مانیٹر کی اسکرین پڑھ کر کسی کو کچھ بتایا اور اسکرین کو دوبارہ اس کی ابتدائی حالت میں لوٹادیا۔

ڈیڑھ بجے تک وقفے وقفے سے فون آتے رہے۔ اس دوران میں ہماری باتیں بھی چلتی رہیں۔ رحمان کو باتیں کرنے کا فن آتا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بھی ہمیں بور نہیں ہونے دیا۔

ہم اس کے دفتر میں چائے کی دوسری پیالی پی رہے تھے کہ جلال وہیں آپہنچا۔

"وہ مرحلہ بہت خوبی سے نمٹ گیا" جلال نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "اس وقت پنڈت منوہر لال موم کی ناک بنا ہوا ہے۔ وہ تم دونوں کو یاد کررہا تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ہماری یہاں تک کی دوڑ رائیگاں نہیں گئی" اول خان نے مسرت سے کہا "شام کو یہاں سے واپس جاتے ہوئے ہمارے دل بڑھے ہوئے ہوں گے۔"

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ وہ دونوں آپس میں بہت بے تکلف تھے مگر جلال ان میں سینئر تھا۔ رحمان اسے دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"تو کیا تم شام کو واپس جانے کا فیصلہ کرچکے ہو؟" جلال نے حیرت سے پوچھا۔

"جانا بہت ضروری ہے۔ وہاں میرے کچھ ضروری کام ادھورے ہیں جن کی دیکھ بھال کے لیے کراچی میں میری موجودگی ضروری ہے" اول خان نے کہا۔

اسی وقت رحمان کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور اٹھاکر اس نے بہت مؤدب لہجے میں وقفے سے تین چار بار یس سر' یس سر کہا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔

جلال کی نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں "ڈی جی صاحب ان دونوں کو تمہارے ساتھ بلا رہے ہیں۔" رحمان نے کہا "انہیں پتا چل گیا ہے کہ یہ میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"آؤ! اچھا ہے کہ یہ ملاقات اسی وقت ہوجائے۔ تین بجے امریکی سفارت کاروں کے ساتھ اجلاس شروع ہوجائے گا۔ پتا نہیں وہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔"

ڈی جی کا دفتر دو کمروں پر مشتمل تھا۔ بیرونی کمرے میں اس کا پی اے اور گن مین بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے گزر کر جلال نے اندھے شیشوں والے پارٹیشن میں موجود دروازے پر انگلی سے دستک دی اور دروازہ کھول دیا۔ اس کے پیچھے ہم نے پیش قدمی کی تھی کہ بڑی سی چوبی میز کے پیچھے سے بھاری جسم اور پختہ عمر کا ایک وجیہہ شخص نکل کر ہمارے استقبال کے لیے آگیا۔

جلال نے ہم تینوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔ اس نے اپنے رتبے کو بھلا کر بہت فراخ دلی سے ہمارے لیے توصیفی کلمات ادا کرتے ہوئے تپاک سے ہاتھ ملائے اور ہمیں کرسیاں پیش کرکے دوبارہ اپنی جگہ پر لوٹ گیا۔ اس کی کرسی کے پیچھے' دیوار پر قائداعظم کی بڑی تصویر آویزاں تھی۔

"میں نے کئی میٹنگز میں تم دونوں کا ذکر سنا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ پاکستان میں آج بھی ایسے بے لوث اور فرض شناس شہری موجود ہیں جو ملک کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ جلال نے مجھے جو بریفنگ دی ہے وہ حیران کردینے والی ہے۔ مگر ریکارڈ میں تمہارا کوئی ذکر نہیں ہے" اس نے کہا۔

"میں اس عزت افزائی کے لیے آپ کا ممنون ہوں" خواہش کے باوجود میں عقابی آنکھوں اور سفید وسیاہ بالوں والے شخص کے لیے تم کا صیغہ استعمال نہیں کرسکا "آج شام ہم واپس جارہے ہیں۔"

"کیوں؟" ڈائریکٹر جنرل نے جلال سے سوال کیا "انہیں آج ڈنر پر مدعو کیوں نہیں کرتے؟"

"سر! ان کی کچھ مجبوریاں ہیں۔ کراچی میں اپنے کام

Downloaded from https://paksociety.com

ادھورے چھوڑ کر آئے ہیں" جلال نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "آج کے اجلاس کے بعد میرا ڈنر کا ہی پروگرام تھا۔"

اس دوران میں' میں تیزی سے اس دفتر کا جائزہ لے چکا تھا۔ ڈی جی کے پاس بھی کمپیوٹر موجود تھا۔ ایک الماری میں فلاپیز قطار در قطار لگی ہوئی تھیں مگر اسی کے ساتھ فائلوں سے مفر نہیں تھا۔ قالین پر ایک طرف فائلوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ پارٹیشن میں لگا ہوا اندھا شیشہ یک رخ تھا۔ باہر سے اندر کا منظر دیکھنا ممکن نہیں تھا لیکن ڈی جی کے کمرے میں سے باہر کی ہر تفصیل نظر آرہی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ رابن مائر کے ساتھ کرسٹوفر نامی میرین گارڈ بھی پنڈت کے گھر رہ گیا" اس نے قتل اور موت جیسے الفاظ سے پرہیز کرتے ہوئے کہا "کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ رابن کو اس کی مرضی کے خلاف اغوا کر کے وہاں لے جایا گیا تھا۔"

میں سرہلا کر رہ گیا۔ ڈی جی کے ان فقروں میں ویرا کی کارروائی کا ذکر تھا کیونکہ پورچ میں پہرہ دینے والے گارڈ کو اسی نے اپنے بے آواز ریوالور کا نشانہ بنایا تھا۔

"ہم لوگ آج صبح سے مصروف رہے ہیں" ڈی جی قدرے توقف کے بعد معذرت کررہا تھا "تمہارا کام ختم ہوتے ہی ہمارا کام شروع ہوگیا تھا جو اب تک جاری ہے۔ میری خواہش تھی کہ کام کے اس دباؤ سے نکل کر ہم کو ایک ساتھ بیٹھنے کا موقع ملے اور ہم ایک دوسرے سے قریب آسکیں۔

"زندگی رہی تو یہ موقع ضرور آئے گا... ہاں' اگر آج کے اجلاس میں ہماری شرکت کی کوئی گنجائش ہو تو اس کے لیے دوسرے کام نظرانداز کیے جاسکتے ہیں۔"

ڈی جی کے بھرے بھرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی "تمہاری شرط سے ظاہر ہورہا ہے کہ روانگی ملتوی ہوسکتی ہے' ہمیں مل بیٹھنے کی فرصت میسر آسکتی ہے۔"

"نو سر!" اول خان اضطراری انداز میں بول پڑا "پتا نہیں ڈینی نے یہ بات کیوں کہی ہے۔ ہماری واپسی ضروری ہے۔ ڈینی مناسب سمجھتا ہے تو رک جائے۔ میں اجازت چاہوں گا۔"

مسکراہٹ معدوم ہوگئی۔ ڈی جی کے چہرے پر دوبارہ سنگلاخ سنجیدگی طاری ہوگئی "ہمارے اجلاس خفیہ ہوتے ہیں۔ پچھلے نقصانات کی روشنی میں' میں نے یہ اصول وضع کیا ہے کہ ہمارے کسی باضابطہ اجلاس میں باہر کا کوئی آدمی شریک نہیں ہوگا۔ آئی ایم سوری مائی ڈیر ڈینی! میں تمہارے جذبات سے واقف ہوں۔ تم اپنی محنت کا آخری ثمر دیکھنا چاہتے ہو۔ ان کی جھکی ہوئی نظریں' عرق آلود پیشانیاں اور بوکھلائے ہوئے چہرے دیکھنا چاہتے ہو' بے ربط دلیلیں اور بے مغز حیلے سننے چاہتے ہو مگر یہ ممکن نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم تھا۔ اسی لیے میں نے یہ شرط تجویز کی تھی۔ میری واپسی بھی ضروری ہے۔"

دفتر کا باوردی اردلی چائے اور اس سے متعلقہ لوازم سے لدی ہوئی ٹرے لے آیا۔ شاید ڈی جی نے پر تکلف چائے کے لیے پہلے ہی کوئی ہدایت جاری کردی تھی۔

"اس تکلف کی ضرورت نہیں تھی سر! ہم نے تھوڑی دیر پہلے ہی ناشتا کیا ہے۔" اول خان نے سیر چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا حالانکہ ہمیں ناشتا کیے کافی دیر ہوچکی تھی۔

"یہ لنچ کا وقت ہے۔" وہ وال کلاک پر نظریں دوڑا کر بولا "مگر مجبوری ہے کہ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ تین بجے مجھے دفتر خارجہ پہنچنا ہے۔ اجلاس کی اہمیت کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتے ہو کہ ان کی ٹیم کی سربراہی قائم مقام سفیر کررہا ہوگا۔ اجلاس کی میزبانی دفتر خارجہ کے ایڈیشنل سکریٹری کریں گے۔"

"مجھے پہلی بار صحیح اندازہ ہورہا ہے کہ ایسے واقعات کے نتیجے میں متعلقہ محکموں پر کتنا کڑا وقت آجاتا ہے۔ ایک آدمی کی موت نہ جانے کتنے افراد کے اعصاب ہلا کر رکھ دیتی ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر اولی اور رستم کی باہمی چپقلش کی کہانی درست ہے تو خدا کا شکر ادا کرو کہ اولی کے ساتھ وہ حادثہ نئی دہلی میں پیش آیا۔ وہ واقعہ بالکل اسی طرح یہاں رونما ہوجاتا تو نہ جانے کیا کچھ ہوسکتا تھا... دشمنوں کے بارے میں ہم بھی بہت کچھ منصوبہ بندیاں کرتے رہتے ہیں لیکن جب اپنے کسی اقدام کے دور رس نتائج کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں پسپائی اختیار کرنی پڑتی ہے۔" ڈی جی نے کہا۔

"اگر یہ ہمارے لیے کوئی ڈھکی چھپی ہدایت ہے تو میں اس بارے میں کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کررہا تھا۔ میرے الفاظ میں تمہارے لیے کوئی پیغام نہیں تھا۔ تم فری لانسر ہو۔ اپنی مرضی سے فیصلے اور کام کرتے ہو۔ تم نے ہمیشہ پوری احتیاط اور ذمے داری سے کام کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ سراب گوٹھ کے نواح میں اپنے جنگی ہیلی کاپٹر اور متعدد تجربے کار کمانڈوز کی مکمل بربادی پر بھی وہ زیادہ واویلا نہیں کرسکے تھے۔ انہیں مدافعانہ لب ولہجہ اختیار کرنا پڑگیا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"ان کے سی ون تھرٹی کے اغوا کا کیس بھی ایسا ہی تھا۔" جلال نے لقمہ دیا "وہ یہاں سے لاشیں لے کر گئے تھے۔ کیسے الزام لگاتے کہ ان کے جہاز کو ایک پاکستانی نے اغوا کیا ہے۔ وہ تو خود ایک تابوت میں اس پاکستانی کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ یہ ان کے نصیب کی خرابی تھی کہ وہ پاکستانی تابوت سے نکل کر جہاز پر قابض ہو گیا۔"

"تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔" میں نے جلال سے کہا "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس واقعے کی اتنی باریکیاں تم لوگوں کے علم میں آ سکی ہوں گی۔"

"وہ کون تھا جسے انہوں نے برفانی تابوتوں میں بند کر لیا تھا؟" ڈی جی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میرا دست راست سلطان شاہ تھا۔" میں نے کہا "وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکے۔ میں بیرونِ ملک تھا۔ انہوں نے سلطان شاہ کو گھر سے اٹھا لیا۔"

"میرے دل میں تم لوگوں کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہے۔" اس نے خلوص سے کہا "تمہاری ذات سے بہت سے واقعات منسوب ہیں مگر ان میں اہم ترین قصہ گیپ کے اصل کاغذات امریکا سے نکال کر یہاں پہنچانے کا تھا۔ وہ امریکا کے صدر اور مجرموں کے درمیان ایک تحریری معاہدہ تھا جس میں بیج کنی کے لیے پاکستان، ایران اور افغانستان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ان کاغذوں نے ہمیشہ کے لیے امریکی عزائم بے نقاب کر دیے ہیں۔"

میرے دل کا زخم تازہ ہو گیا "ان کاغذوں کے لیے میں نے امریکا میں بہت صعوبتیں جھیلی تھیں۔ کچھ روز غلغلہ رہا۔ پھر پتا ہی نہیں چل سکا کہ گیپ کا قصہ کہاں تحلیل ہو گیا۔"

"ان کاغذوں کی نقل ہمارے پاس موجود ہے۔ امریکیوں نے ان کاغذوں کی اصلیت سے انکار کر دیا تھا۔ وہ تجزیے کے بہانے اصل کاغذ حاصل کر کے تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ ایک پاکستانی وفد وہ کاغذ لے کر تہران گیا تھا۔ ایرانیوں نے ان کاغذوں کو اہمیت نہیں دی۔ ان کا کہنا تھا کہ جب امریکی اس دستاویز کو اپنانے سے منکر ہیں تو کس بنیاد پر کوئی احتجاج کیا جائے۔ وہ معاملہ سرد خانے کی نذر ہو گیا۔"

"ہماری ساری محنت برباد ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ گیپ کی تشہیر سے دنیا بھر میں امریکا کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑ جائے گی۔ وہ خوف زدہ ہو کر اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں گے لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"دنیا بھر میں کہیں سے مثبت جواب نہیں ملا۔ گیپ کے کاغذوں سے پہلے دنیا بھر میں خفیہ امریکی مراسلے پھیل چکے تھے کہ کچھ ناپسندیدہ پاکستانی جعلی کاغذات کے ذریعے امریکا اور اس کے صدر کو بدنام کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ ہر حکومت نے ان نقول کو شبہے کی نظر سے دیکھا اور ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔"

وہ واقعہ بہت پرانا ہو چکا تھا اور ایک خلش بن کر مجھے ستاتا رہتا تھا۔ اس نے چند فقروں میں اس کا انجام سنا دیا۔ امریکیوں نے پروپیگنڈے کے صیہونی فلسفے کے ذریعے سچ کو جھوٹ میں بدل ڈالا تھا۔

"جھوٹ شدت اور تواتر کے ساتھ بولا جائے تو کچھ عرصے بعد، بولنے والے کو بھی وہ سچ محسوس ہونے لگتا ہے۔" میں نے تلخی سے کہا "آج کے دور میں ایسے جھوٹ کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔"

"یہ نہ سمجھو کہ تم ناکام ہو گئے۔" ڈی جی نے پر زور لہجے میں کہا "ہمیں کسی سے کچھ نہیں لینا تھا۔ وہ فائل حاصل کر کے تم نے امریکا میں گیپ کا نفاذ روک دیا۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے والی قوتوں کا گٹھ جوڑ ختم ہو چکا ہے۔ وہ ہمارے مفادات کے لیے بہت خطرناک تھا۔"

ڈی جی کے لیے اس گفتگو میں پیشہ ورانہ دلچسپی کے تمام عناصر موجود تھے۔ چائے ختم ہو گئی مگر وہ از خود گفتگو کو آگے بڑھاتا رہا۔ اچانک میری نظر اپنی رسٹ واچ پر پڑی۔ سوئیاں دو سے آگے نکل چکی تھیں۔

میں نے اپنی کرسی چھوڑ دی "دو بج چکے ہیں۔ آپ کی میٹنگ کا وقت قریب ہے۔ ہم چلتے ہیں۔"

اس مرتبہ وہ ہمارے ساتھ بیرونی کمرے کے دروازے تک آیا اور ہمیں گرم جوشی سے رخصت کر دیا۔

میں نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا۔ جلال سے جہاز کی نشستوں کے بارے میں کہا تو اس نے جواب دیا "تم بے فکر ہو کر ہوٹل میں آرام کرو۔ تمہیں سات بجے والی پرواز سے واپسی کے ٹکٹ مل جائیں گے۔"

"کوئی ضرورت پڑ گئی تو تم سے کہاں رابطہ ہو سکے گا۔" میں نے پوچھا۔

"ابھی میں ڈی جی کے ساتھ اجلاس میں چلا جاؤں گا۔ پتا نہیں وہاں سے کب واپسی ہوتی ہے۔ پانچ بجے دفتری عملہ بھی چلا جائے گا۔ رحمان میرے ساتھ ہو گا... خیر میں کسی نہ کسی سے کہہ دوں گا۔ وہ ہوٹل میں تم سے خود ہی رابطہ کر لے گا۔"

رحمان ہمیں لے کر کیبنٹ بلاک سے نکلا اور ہوٹل پہنچا دیا۔ اس بار مجھے یا اول خان کو کچھ نہیں کہنا پڑا۔ وہ خود ہی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوٹل کے پورچ میں ہم سے مل کر واپس چلا گیا۔

پے در پے چائے کی کئی پیالیاں پینے کی وجہ سے عارضی طور پر اشتہا باقی نہیں رہی تھی لیکن وہ اسلام آباد کی صحت مند فضا کا اثر تھا کہ کمرے میں باتیں کرتے کرتے ہم دونوں کو بھوک کا احساس ستانے لگا۔

روم سروس کو انٹر کام پر کھانے کے لیے ہدایت دے کر میں نے آپریٹر سے کراچی میں اپنے گھر کا نمبر ملوالیا مجھے یقین تھا کہ فون کوئی بھی اٹھائے' جب یہ پتا چلے کہ کال اسلام آباد سے آئی ہے تو ریسیور ویرا لے لے گی۔ آپریٹر نے نمبر ملانے کے بعد کال مجھے منتقل کی تو لائن پر ویرا ہی موجود تھی۔

"غنیمت ہے کہ تمہیں کراچی کا خیال تو آگیا۔" میری آواز سن کر ویرا فون پر چہکی "یہ بتاؤ کہ وہاں کچھ کام ہوا ہے یا ابھی تک ہوٹل میں پڑے اینڈ رہے ہو۔"

"اس سے پہلے کہ آپریٹر کی کسی غلطی سے لائن ڈراپ ہو' ہاتھ بڑھا کر سی ایس ڈی آف کردو۔"

"وہ میں نے آپریٹر کی آواز سنتے ہی آف کردی تھی ورنہ لائن اسی وقت ڈراپ ہوجاتی جب آپریٹر بورڈ سے یہ لائن تم کو منتقل کررہی تھی۔"

"تو کیا تم نے آپریٹر کی آواز سے اندازہ لگایا کہ ہم لوگ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"آپریٹر دفتر کے بورڈ کی بھی ہوسکتی تھی۔ اس نے نمبر پوچھنے کے بعد خود بتایا تھا کہ مظہر خان ہالیڈے ان اسلام آباد سے بات کرنی چاہ رہے ہیں۔۔۔ تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ہم نے یہاں پہنچتے ہی اپنا کام کرلیا تھا۔ اب دوسرے کام ہورہے ہیں۔"

"پھر واپسی کب تک ہورہی ہے۔" ویرا نے عقل مندی کی کہ سی ایس ڈی بند کرنے کے بعد بینڈ کا نام لینے یا اس کے بارے میں زیادہ تفصیل کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"ہوسکتا ہے کہ آج ہی کی کسی پرواز سے لوٹ آئیں۔ واپسی کا انحصار نشستوں کی دستیابی پر ہے۔"

"ایسی بھی کیا عجلت ہے۔ اگر مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے تو دو چار دن وہیں رکے رہو۔ اسلام آباد کا موسم کراچی سے ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔"

"ہماری روانگی سے پہلے کراچی میں کچھ کام نکل آیا تھا۔ اسے نمٹانا ضروری ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم جہاں بھی جاتے ہو' کام تمہارے پیچھے پیچھے ہولیتا ہے۔"

"فون پر یہ خرافات نہ بکو۔۔۔ دوسروں کو بھی میرے متوقع پروگرام سے آگاہ کردینا۔"

"میرے ساتھیوں کو کسی مظہر خان کے پروگرام سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟"

"دلچسپی ہو یا نہ ہو' تم اپنا فرض پورا کردینا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوہ۔۔۔!" میری بات کے جواب میں فون پر اس کی تحیر زدہ سی آواز ابھری "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ فرضی کام کے بہانے تم اپنی مادہ سے ملنے کے لیے کراچی آرہے ہو۔۔۔ اگر ایسا ہے تو میں تمہاری دل جوئی کے لیے اسے آج ہی اسلام آباد بھیج سکتی ہوں۔ اس کی بھی آب وہوا تبدیل ہوجائے گی۔"

"اس بارے میں واپسی پر ہی بات ہوگی۔ تم ہمیں فون کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"میں تمہارے ساتھی کا نام بھول رہی ہوں۔ اسے تم کیا کہتے ہو۔" ویرا نے اول خان کے بدلے ہوئے نام کے بارے میں جاننے کی کوشش میں سوال کیا۔

"اظہر خان!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"خوب۔ وہ بھی تمہارا ہم قافیہ ہے۔ اظہر خان اور مظہر خان کی جوڑی قوالی میں نام پیدا کرسکتی ہے۔"

"تم ڈفر ہو۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔ اس کی زبان میں خارش شروع ہونے کی صورت میں وہ ایسی ہی بے سروپا باتوں میں گھنٹوں مصروف رہ سکتی تھی۔

"شاید تم نے غزالہ سے بات ہونے کی امید میں فون کیا تھا!" اول خان مسکرا کر بولا۔

"ویرا کی موجودگی میں ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔ فون ملوانے سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ کال وہی ریسیو کرے گی۔ ایسے معاملات میں اس کی چھٹی حس بہت تیز ہے۔"

دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے دستک دینے والے کو اندر بلالیا۔

کھانا لذیذ اور تازہ تھا۔ روم سروس کے ویٹر نے میز پر قابیں لگائیں تو کمرا اشتہا انگیز خوشبوؤں سے بھر گیا۔ اس کے جاتے ہی ہم نے اشیائے خورونوش سے پورا پورا انصاف کرنا شروع کردیا۔

شکم سیر ہونے کے بعد اول خان ستانے کے ارادے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں سگریٹ سلگا کر باہر نکل گیا۔ میں نے صبح رحمان کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ ہوٹل

Downloaded from https://paksociety.com

میں غیر ملکیوں کی خاصی آمد و رفت تھی۔ ان میں مردوں کے ساتھ خواتین کی بھی کافی تعداد تھی۔ کمرے میں پڑے رہ کر وقت گزارنے سے بہتر تھا کہ ہوٹل کی لابی میں کسی مناسب جگہ پر قبضہ جما کر روز مرہ زندگی کے ان زندہ کرداروں کا مشاہدہ کیا جائے۔

فیشن، دست کاری کے نازک نمونوں اور اشیائے ضرورت سے لدی ہوئی، شاپنگ آرکیڈ کی دکانوں کی سیر کے بعد میں لابی میں بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ میں سگریٹ دیکھ کر فوراً ہی ایک ویٹر چمکتی ہوئی صاف ستھری ایش ٹرے لے کر آیا اور اسے میرے سامنے رکھی ہوئی استعمال شدہ ایش ٹرے سے تبدیل کر کے جانے لگا تو میں نے اسے چائے کا آرڈر دے دیا۔

میں نے اپنے لیے جو گوشہ منتخب کیا۔ وہاں میز کے گرد پانچ آدمیوں کا گروپ بہت آرام سے سما سکتا تھا۔ چار نشستیں خالی تھیں جو زیادہ دیر تک خالی نہیں رہ سکیں۔

میں اپنے لیے چائے بنانے میں مصروف تھا کہ تیز خوشبو کے ایک جھونکے نے مجھے چونکا دیا۔ ایک بنی سنوری اور دلکش لڑکی دوسری خالی جگہوں کو نظر انداز کر کے میرے سامنے آ بیٹھی تھی۔

گورے رنگ کی اس دراز قامت لڑکی کی عمر پچیس چھبیس سال رہی ہوگی۔ اس کے چہرے پر پختگی کے بجائے معصومیت رچی ہوئی تھی۔ وہ پرس اپنی گود میں لیے یوں الگ تھلگ بیٹھی ہوئی تھی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔

جب اس نے مجھ سے نگاہیں چار کرنے کی کوشش نہیں کی تو میں نے پوری توجہ اپنی چائے پر مرکوز کر دی۔ چائے گرم اور عمدہ بنی ہوئی ہو تو شکم پری کے بعد عجیب ہی مزہ دیتی ہے۔ ذائقے اور لذت میں وہ چائے ہر اعتبار سے بہترین تھی۔

میں چائے پیتے ہوئے بے مقصد اور آوارہ نظروں سے آنے جانے والوں کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اس لڑکی کی دھیمی اور مخمور سی آواز نے مجھے دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

"سنیے! آپ کی گھڑی میں کیا وقت ہوا ہے؟" اس نے پلکیں جھپکا کر خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ساڑھے تین۔" اسے وقت بتاتے ہوئے مجھے بے ساختہ خیال آیا کہ جلال کے باس کے اہم ترین اجلاس کا پہلا نصف گھنٹا گزر چکا تھا۔

"شکریہ!" اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ ذرا گہری ہوگئی "کیا آپ اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

سب رننگ ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہونے والا سلسلہ

اقابلا

مکمل دو حصوں میں

تاریک براعظم کے پُراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کالے جادو اور شعبدے کے مقابلے برملا ہوتے تھے۔ وحشی قبائل اور اُن کے وحشیانہ رسم و رواج کی ایک ناقابل یقین سرگزشت —— ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی —— جہاں تہذیب کا کوئی دخل نہیں تھا —— شگون کی خاطر معصوم اور شیر خوار بچوں کو نیزوں پر اچھالا جاتا تھا عجیب و خلقت اور خوفناک دیوتاؤں کے مجسموں کو تازہ خون سے غسل دیا جاتا تھا —— نوخیز حسیناؤں کی بھینٹ پیش کیجاتی تھی

اقابلا

وحشی قبیلوں کی ایک سرکش حسینہ جس کا حُسن لازوال تھا جس کے حصول کے لئے موت کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا —— خون کی ہولی کھیلی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اُٹھا کر اقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا ——

کتابی شکل میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے

قیمت فی حصہ -/۵۰ روپے، علاوہ محصول ڈاک

پتہ ذیل پر رجوع کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۲۳ ○ کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com

"جی ہاں!" اسے جواب دیتے ہوئے مجھے اپنی حماقت پر غصہ آگیا۔ لمبے اور بے تکے ٹیگ والی کمرے کی چابی کو کسی بھی جیب میں رکھنا ممکن نہیں تھا۔ ممتاز ہوٹلوں میں یہ اہتمام اس لیے کیا جاتا ہے کہ مہمان باہر جاتے ہوئے اپنے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر جمع کرانا نہ بھولیں۔ میں ہوٹل کی حدود سے باہر نہیں گیا تھا اس لیے چابی میرے ساتھ تھی اور میں نے اپنی اقامت کے اس اشتہار کو میز پر رکھا ہوا تھا۔

"اسی ہوٹل میں کوئی دلاور نان جی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ساڑھے تین بجے مجھے یہاں بلایا تھا۔" چند منٹ کے توقف کے بعد لڑکی دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوئی تو میرے کان کھڑے ہوگئے۔

میں بڑے ہوٹلوں کی راہ داریوں اور طعام گاہوں میں بھٹکنے والی ان شکاری لڑکیوں سے بارہا ٹکرا چکا تھا جو پیشہ ور ہونے کے باوجود اتفاقی ملاقات کے بہانے' اپنی پسند کی کسی بھی اسامی سے مل بیٹھتی ہیں اور جاتے ہوئے اسے اچھی خاصی رقم سے محروم کرجاتی ہیں۔

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ پلکیں جھپکا کر میری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ میں نے آگے جھک کر دھیمی آواز میں پوچھا "تم دلاور نان جی کو پہلے سے جانتی ہو یا آج پہلی ملاقات ہے؟"

"تم کیسی باتیں کررہے ہو۔" وہ تنک کر بولی "کیا کوئی شریف لڑکی کسی اجنبی کے ایک فون پر یوں دوڑی ہوئی ہوٹل آسکتی ہے؟"

"بہت سی شریف لڑکیاں تو جاننے والوں کے فون پر بھی نہیں آئیں گی۔" میں نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"وہ میرے دوست ہیں۔ میں ان سے کمرے کا نمبر پوچھنا بھول گئی تھی۔"

"تم یہاں بیٹھی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں اسی بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہو۔"

"اوہ... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ مضطرب نظر آنے لگی "اب میں کیا کروں۔"

میں دلچسپی سے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر کہا "یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر اس ہوٹل میں دلاور نان جی کا کوئی وجود ہے تو استقبالیہ والے ذرا سی دیر میں تمہیں اس کے کمرے کا نمبر بتا دیں۔ اس کے لیے تمہیں مجھ جیسے اجنبیوں سے مشورے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میرے جواب پر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ وہ حقارت سے میری طرف دیکھتے ہوئے اٹھی اور پھر چمک دار فرش پر ایڑیاں بجاتی شاپنگ آرکیڈ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے میری طرف سے کوئی متبادل پیشکش نہ ہونے پر اس کا موڈ تباہ ہوگیا تھا۔

چائے کا بل ادا کرکے میں لفٹ کی طرف ہولیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ جب تک میں وہاں بیٹھا رہوں گا' وہ لڑکی اپنی کسی دوسری کوشش کے لیے ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔

ساڑھے پانچ بجے میں نے اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر بیگ میں ڈال لیا۔ مجھے تشویش ہونے لگی تھی کہ جلال کے کسی آدمی نے ہم سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ انٹر کام پر کاؤنٹر سے رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ میری غیر حاضری میں بھی میرے لیے کوئی کال نہیں آئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اول خان بھی دستک دے کر میرے کمرے میں آگیا۔

"سیٹ اور ٹکٹ کا کیا بنا؟" اس نے آتے ہی سوال کرکے میری تشویش میں اضافہ کردیا۔

"ابھی تک کوئی خبر نہیں ہے۔" میں نے مایوسی سے کہا "پانچ بج چکے ہیں۔ ان کا دفتر بھی بند ہوچکا ہوگا۔"

"جلال نے کہا تھا کہ وہ اپنے کسی آدمی کو ہم سے رابطہ کرنے کی ہدایت کردے گا۔"

"آدمی نہیں آیا۔ لابی میں ایک لڑکی نے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام ہوگئی۔" میں نے کھسیائی ہوئی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "میرا خیال ہے کہ جلال اپنا وعدہ بھول گیا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ وہ اتنا غیر ذمے دار نہیں ہوسکتا۔" اول خان نے وثوق سے کہا۔

"میں بھی جانتا ہوں کہ وہ غیر ذمے دار نہیں ہے لیکن آج اس کے سر پر اجلاس کا بھوت سوار تھا۔ افراتفری میں اسے ہمارا پروگرام یاد ہی نہیں رہا ہوگا۔"

"اس سے تو یہ بہتر ہوتا کہ ہم خود ائرپورٹ پہنچ جاتے اور ٹکٹ خرید کر روانہ ہوجاتے۔ اب تو اس کا بھی وقت نہیں رہا۔ آج کی رات یہاں گزارنی پڑی تو مجھے سخت کوفت ہوگی۔"

ہم دونوں بے بسی سے گھڑی کی سوئیوں کو آگے بڑھتے دیکھ کر کڑھتے رہے۔ جب سوا چھ بج گئے تو میں نے روانگی کی آس چھوڑ دی۔

چند لمحوں بعد میرے فون کی گھنٹی بجی تو میں نے بے تابی سے ریسیور اٹھالیا۔

"سر! آپ کے بورڈنگ کارڈز آگئے ہیں۔ میں نیچے آپ

Downloaded from https://paksociety.com

کا انتظار کر رہا ہوں۔" انٹر کام پر ایک سخت اور سپاٹ آواز سنائی دی۔

وہ پیغام اتنا عمدہ تھا کہ میں نے اسے کچھ سنانے کا ارادہ ترک کر کے ریسیور رکھ دیا۔

"جلدی نکلو۔ ٹکٹ کے بجائے بورڈنگ کارڈز ہی آگئے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ مہمان نوازی کبھی کبھی اسی طرح تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔" میں نے اول خان کو دھکیل کر کہا۔

گراؤنڈ فلور پر ہم لفٹ سے اترے تو قمیص شلوار میں ملبوس ایک منحنی سا ترش رو شخص وہیں ہمارا منتظر تھا اور ہمیں پہچانتا تھا۔ سلام کر کے اس نے ہمارے ہاتھوں سے بیگ اور بریف کیس لے لیے۔

ہوٹل میں شام کی چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔ اس بھیڑ میں' میں خاموش ہی رہا لیکن جب پورچ میں ایک کنارے سے کھڑی ہوئی گاڑی میں ہمارے سفر کا آغاز ہوا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

"تم کہاں رہ گئے تھے؟" میں نے تیزی سے پوچھا "ہم چار بجے سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"سر! ٹکٹ تو میں نے تین بجے بنوا لیے تھے۔ سوچا کہ آپ آرام کر رہے ہوں گے۔ ائرپورٹ سے بورڈنگ کارڈز لے کر ہی چلوں گا تاکہ آپ کا زیادہ وقت برباد نہ ہو۔"

"ہمارے آرام کے چکر میں یہ پرواز نکل جاتی تو کیا ہوتا؟" اول خان غرایا۔

"سر! ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔" اس کی آواز میں معصومانہ بے چارگی سمٹ آئی "بورڈنگ کارڈز میرے پاس ہیں۔ جب تک آپ سوار نہیں ہوں گے' جہاز نہیں اڑے گا۔" اس نے بائیں ہاتھ سے اسٹیئرنگ چھوڑ کر اپنی رسٹ واچ دیکھی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا "چھ بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔ پندرہ منٹ میں ہم ائرپورٹ پر ہوں گے۔ پھر بھی بیس منٹ بعد جہاز چلے گا۔"

ہمارے تفکرات اپنی جگہ تھے' اس کا حساب اپنی جگہ تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے وہ حساب پہلے نہیں کیا تھا ورنہ ہمارے پاس پہنچنے میں مزید بیس منٹ کی دیر کر دیتا۔

اسلام آباد ائرپورٹ پر اس نے سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی وی آئی پی لاؤنج کے قریب روکی تو اسی کے محکمے کا کوئی آدمی لپک کر ہماری طرف آیا' دروازے کھول کر پورے احترام سے ہمیں اتارا گیا اور نووارد نے سلام کر کے ہمارے دونوں عدد اٹھا لیے۔ ہمیں..... لانے والا پیشانی پر کوئی شکن لائے بغیر سلام کر کے اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ جانے سے پہلے اس نے ہمارے ٹکٹوں کے خالی کور اور بورڈنگ کارڈز نووارد کو دے دیے تھے۔

نچلی چھت والے ایرکنڈیشنڈ وی آئی پی لاؤنج میں متعدد اخباری نامہ نگار اور فوٹو گرافر ادھر ادھر بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ ہم ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے شیشے کی عقبی دیوار کی طرف گئے۔ باہر ایک کار ہماری منتظر تھی۔ نووارد زمینی میزبان سے کارڈز کے بقیہ حصے لے کر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہم دونوں اس سے پہلے ہی عقبی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔

وہ سیڑھیاں طے کر کے ہمیں جہاز کے دروازے تک

وہ حد سے زیادہ ہی تخیل پرست ہے۔ اکیلا ہی سنیما ہال میں جا بیٹھتا اور فرض کر لیتا کہ اپنی محبوبہ کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ اپنے آپ سے سرگوشیاں کرتا رہتا اور خود ہی جواب بھی دیتا ہے۔ اپنا ہی ہاتھ پکڑ کر سہلاتا رہتا ہے... حتیٰ کہ کبھی حد سے بڑھنے لگے تو خود ہی اپنے منہ پر تھپڑ بھی مار لیتا ہے۔

○☆○

پہلا سیلز مین:۔ تمہیں یقیناً سیلز مین کے طور پر کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔

دوسرا سیلز مین:۔ آپ نے کیسے اندازہ لگایا؟

پہلا سیلز مین:۔ قیمتیں بتاتے وقت تمہارے ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔

○☆○

بٹ صاحب کی بیگم نے ایک روز بٹ صاحب سے شکوہ کیا "آپ مجھے گھمانے پھرانے نہیں لے جاتے۔"

"میں شادی شدہ عورتوں کو گھمانے پھرانے کا قائل نہیں ہوں۔" بٹ صاحب نے جواب دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

چھوڑنے آیا۔ ہم جہاز میں سوار ہونے والے آخری مسافر تھے۔ ہمارے انتظار میں جہاز کا عملہ بہت مضطرب تھا۔ ہمارے پہنچنے پر فضائی میزبانوں کے چہروں پر اطمینان نظر آنے لگا۔

ٹریفک کی وجہ سے ہمیں ائرپورٹ پہنچنے میں کچھ زیادہ وقت لگا تھا۔ ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تھے کہ جہاز کے انجن چل پڑے۔

مجھے اس روز پہلی بار تجربہ ہوا کہ وی آئی پی مسافر کیا ہوتا ہے اور اسے سفر سے پہلے کیا کیا رعایتیں حاصل ہوتی ہیں۔ میرے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہماری وجہ سے پرواز کی روانگی میں تاخیر نہیں ہوئی تھی۔

طیارہ جب تک رن وے پر موجود رہا' میرا ذہن اسلام آباد کے معاملات میں الجھا رہا۔ آئی بی والے ذہین' مستعد اور معاملہ فہم لوگ تھے۔ انہیں پیچیدہ ترین معاملات کو نمٹانے کا گہرا تجربہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ رابن مائر کی موت سے جنم لینے والے پہلو دار مسائل آخر کار پُرعزت انداز میں حل ہو جائیں گے۔

طیارہ رن وے چھوڑ کر فضا میں بلند ہوا تو میرا ذہن خود بہ خود کراچی کی طرف بھٹک گیا۔

"خاموش بیٹھے کیا سوچ رہے ہو؟" طویل خاموشی کے بعد اول خان نے مجھے چھیڑا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ دفترِ خارجہ میں امریکیوں کے ساتھ ہونے والا اجلاس ختم ہو چکا ہوگا۔ نئے شواہد کی روشنی میں امریکی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے ہوں گے۔"

"میں کراچی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تمہارے آدمی ایک قیدی پر قناعت کیے بیٹھے ہوں گے یا انہوں نے داؤد پر ہاتھ ڈال دیا ہوگا؟"

"ان کے لیے داؤد پر ہاتھ ڈالنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ انہیں اس کا کوئی سراغ مل گیا تو وہ اسے قبر میں سے بھی نکال لائیں گے۔"

"ایسی صورت میں' میں ائرپورٹ سے اسٹیشن فور ہی جاؤں گا۔ ایک مرتبہ گھر چلا گیا تو وہاں سے واپس کمبی دوڑ لگانے کا موڈ نہیں بنے گا۔"

اول خان ہنس دیا "میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اپنے دفتر سے ہوتا ہوا گھر جاؤں گا۔ آج پشاور سے میرے بیوی بچے واپس آنے والے تھے۔ ان میں گھرنے کے بعد دفتر کل پر چلا جائے گا۔"

"تمہارے بچے آرہے تھے اور تم اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے تھے" میں نے حیرت سے کہا "تم اسلام آباد کا پروگرام ایک دن کے لیے ملتوی کر سکتے تھے۔"

"میں آج کا کام کل پر ٹالنے کا قائل نہیں ہوں۔ ہمارے اس سفر کے نتائج دور رس ہو سکتے تھے۔ اسی لیے میں نے التوا مناسب نہیں سمجھا لیکن تم نے دیکھ لیا کہ میں نے اسلام آباد میں مزید قیام کے لیے جلال کے باس کی ہر پیشکش کو رد کر دیا۔"

"اب میں سمجھا کہ تم آج ہی کراچی واپسی پر کیوں زور دے رہے تھے۔"

"میری بیوی سمجھ دار ہے۔ ٹیکسی لے کر گھر آگئی ہوگی۔ میری اس سے زیادہ غیر حاضری ان سب کو گراں گزرتی۔ اب میں دونوں جانب سے سرخ روئی محسوس کر رہا ہوں۔"

وہ فرض کو عبادت کا درجہ دینے والوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے گھر بار کو کبھی اپنے کاموں پر ترجیح نہیں دی تھی۔ میں اس کے اس عظیم جذبے کو صرف خراجِ تحسین ہی پیش کر سکتا تھا۔

کراچی میں لینڈنگ سے پہلے میں نے ایک عرصے کے بعد اس روشن شہر کا فضائی نظارہ کیا۔ جہاز جوں ہی بادلوں کے پردے چیر کر نیچے آیا' تاحدِ نظر روشنیوں اور روشن غبار کا ایک جال سا بکھرا ہوا نظر آنے لگا۔

ہمارے پاس دستی سامان کے سوا کچھ نہیں تھا۔ طیارہ اترنے کے بعد ہم رکے بغیر باہر نکلتے چلے گئے۔ چند منٹ بعد ایک ٹیکسی ہمیں اسٹیشن فور لیے جا رہی تھی۔

رات کے اندھیرے میں اسٹیشن فور کی چیک پوسٹ والے اول خان کو نہ دیکھ سکے۔ ٹیکسی رکنے پر جوں ہی ایک گارڈ قریب آیا' اول خان نے اونچی آواز میں اس سے کچھ کہا۔

گارڈ نے مستعد ہو کر اسی ناقابلِ فہم لہجے میں کوئی مختصر سی بات کی اور رکاوٹ ہٹانے چلا گیا۔

"داؤد آچکا ہے!" اول خان نے سرگوشیانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا اور مجھے بے اختیار ویرا کا ایک تازہ فقرہ یاد آگیا۔

اس نے کہا تھا کہ کام میرے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔

اسلام آباد کے بعد کراچی میں بھی بالکل وہی صورتِ حال تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ ..... ایئرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو ہیرا ئنبائٹ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو اسٹیشن نور پہنچایا جا چکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایئرپورٹ کی تلاشی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے پھر ذریا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈ سے مائیکرو آئوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آئوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کارروائی کا فیصلہ کیا گیا۔ منصوبے کے مطابق ہم سب ڈیفنس پہنچے تو اس علاقے میں دھوئیں اور شعلوں کے بادل دور سے نظر آ رہے تھے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

گاڑی آگے بڑھنے کے ساتھ وہاں کی صورتِ حال قدرے واضح ہوگئی۔ بجلی کے تاروں میں کسی خرابی کے باعث کھمبوں پر نصب ایک ٹرانسفارمر جل رہا تھا۔ اس میں بھرے ہوئے تیل کے اخراج کے سبب فضا میں کثیف دھوئیں کے بادل بھرے ہوئے تھے۔ اس خرابی کی بنا پر آس پاس کا علاقہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا جس کی وجہ سے منظر کچھ زیادہ ہی گمبھیر نظر آ رہا تھا۔

دور سے وہ سب دیکھتے ہی میرے ذہن میں سب سے پہلے اس اندیشے نے سر ابھارا تھا کہ کہیں ہماری مطلوبہ عمارت آگ کی زد میں نہ آگئی ہو مگر قدرے قریب پہنچتے ہی وہ اندیشہ رفع ہوگیا۔

بجلی کے کھمبوں پر آہنی سلاخوں پر رکے ہوئے ٹرانسفارمر میں جلنے کے لیے تیل اور موٹے موٹے تاروں پر چڑھے ہوئے پی وی سی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ سب لوہے' المونیم اور تانبے کا ڈھیر تھا۔ وہ برقی آلات کی آگ تھی اس لیے خوف کی وجہ سے کسی نے اسے بجھانے کی کوشش نہیں کی' بس تماشائی دور کھڑے خوف اور حیرت سے سارا منظر دیکھتے رہے اور چند لمحوں بعد ہی شارٹ سرکٹ سے پیدا ہونے والے شعلے' چنگاریوں میں بدل کر معدوم ہوتے چلے گئے۔ فضا میں دھوئیں کے ساتھ جلے ہوئے تاروں کی تیز بدبو باقی رہ گئی۔

سڑک سے جو راستہ سیدھا مائیکرو آئوز کی طرف جاتا تھا۔ وہ بھیڑ کی وجہ سے مسدود تھا۔ حامد نے بھی تماشا دیکھنے کے انداز میں ٹویوٹا ایک کنارے سے لگا کر روک لی۔

"کیا ارادہ ہے؟" اندھیرے میں اول خان کا سرگوشیانہ سوال گونجا اور میں چونک پڑا۔ اوور لوڈنگ یا شارٹ سرکٹ کے نتیجے میں رونما ہونے والے واقعے کے نظارے میں محو ہو کر زرا سی دیر کے لیے میں بالکل بھول بیٹھا تھا کہ ہم لوگ اس وقت اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔

"ادھر بھیڑ ہے..... گاڑی آگے لے جاؤ۔ اندر کی گلیوں سے ہو کر ہم اس عمارت تک پہنچ سکتے ہیں۔" میں نے عقابی نظروں سے قرب و جوار کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"اندھیرے کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔" ویرا نے مجھے یاد دلایا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ میں اس اندھیرے کو غیبی تائید سمجھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

حامد اس دوران میں گاڑی آگے بڑھا چکا تھا۔ چند میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے جگہ نظر آگئی اور اس نے اپنی گاڑی بائیں طرف موڑ کر' مین روڈ سے توحید کمرشل کی حدود میں داخل کر دی۔

گاڑی مڑتے ہوئے میں نے گردن گھما کر دیکھا تو سلطان شاہ کی گاڑی کچھ فاصلے سے ہمارے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

چند موڑ کاٹنے کے بعد ہم اندرونی تنگ سڑکوں سے گزرتے ہوئے مائیکرو آئوز کے قریب پہنچ گئے۔ اس رخ پر پہنچنے کے بعد مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جلا ہوا پول مائیکرو آئوز ٹرانسفارمر یا پی ایم ٹی مائیکرو آئوز والی عمارت سے قدرے دور تھا۔ چنگاریاں وغیرہ گرنے کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد بھیڑ ان کھمبوں کے قریب سمٹ چکی تھی۔

حامد نے ایک خالی جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کی اور انجن بند کر دیا۔

اس وقت رات کے بارہ بجنے میں کچھ دیر باقی تھی۔ علاقے کی بیشتر دکانیں اور دفاتر وغیرہ بند ہو چکے تھے۔ فاسٹ فوڈ کی دکانوں میں جنریٹروں کے ذریعے روشنی بحال کی جا رہی تھی۔ وہاں جتنی بھی بھیڑ تھی' وہ خورد و نوش کی دکانوں کے گاہکوں یا کمرشل ایریا کی اوپری منزلوں پر رہنے والوں کی تھی۔ کچھ لوگ شاید اس حصے سے بھی دوڑے چلے آئے تھے جہاں برقی رو کی فراہمی کسی خلل کے بغیر جاری تھی۔

ہمارے درمیان پورا پروگرام پہلے سے طے تھا' چاروں نے بہ یک وقت اپنی نشستیں چھوڑ دیں۔ اول خان ہم سب سے آگے مائیکرو آئوز کی عقبی گلی کی طرف ہو لیا۔

میں دانستہ اس عمارت کے قریب سے ہو کر گزرا۔ بند دروازے میں لگے ہوئے شفاف شیشے کے پیچھے ایک ٹارچ کی روشنی متحرک تھی۔ شاید اس عمارت کا محافظ جنریٹر چلانے کی فکر میں تھا۔

اول خان اندھیرے میں مجیر عباسی والی بلڈنگ کے بند دروازے کے سامنے رک گیا۔ اس وقت بجلی کی فراہمی موقوف ہونے کے سبب پہلا مسئلہ سامنے آیا۔ کال بیل یا انٹر کام ناکام ہو چکا تھا۔ اول خان کو مجبوراً آہنی دروازے کا کنڈا بجانا پڑا۔ اندر سے فوری طور پر ایک بھاری اور تحکم آمیز آواز ابھری "کون ہے؟"

[illegible] اول خان نے [illegible] انے سے گریز کرتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے کہا۔

زینوں پر اترتے ہوئے قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ ساتھ ساتھ اندر کوئی روشن ہالا بھی متحرک تھا۔ اس گھور اندھیرے میں ٹارچ وغیرہ کے استعمال کے بغیر میجر عباسی اپنے مہمانوں کے استقبال کے لیے خیریت سے نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ وہ ایک زمے دار آدمی تھا اور اول خان سے پروگرام طے کرلینے کے بعد برقی تعطل کی پروا کیے بغیر' اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے متعارف نہیں تھے لیکن فون پر ایک دوسرے کی آوازیں سن چکے تھے۔ اول خان نے آواز سن کر اسے اور اس نے اول خان کو پہچان لیا تھا۔

میں نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی کہ دروازہ کھولنے کے بعد میجر عباسی نے ہم میں سے کسی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے کی غلطی نہیں کی تھی۔ شاید اول خان نے اسے اپنے مشن کی اہمیت سے کسی حد تک آگاہ کردیا تھا۔ اس نے روشنی کا دائرہ پختہ فرش پر مرکوز کرکے کہا "چاروں اندر آجاؤ۔"

چاروں کے اندر پہنچتے ہی اس نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا اور سرگوشیانہ آواز میں پوچھا "کیا اپنے کام کے لیے تمہیں پورے علاقے کو تاریکی میں ڈبونے کی ضرورت تھی؟"

واضح طور پر اس کا وہ سوال اول خان کے لیے تھا۔ اس نے جواب میں ویسی ہی دھیمی آواز میں کہا "یہ ہماری ضرورت نہیں تھی۔ بس ایک اتفاق ہے کہ تمہارا پی ایم ٹی جل گیا۔ اس علاقے کی بجلی کل رات تک بھی بحال ہوجائے تو خدا کا شکر اور کے ای ایس سی کا شکریہ ادا کرنا۔"

میجر عباسی کی بلڈنگ میں ہر فلور پر دو فلیٹ تھے۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے ان گھروں کے مکینوں میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ہم چاروں کو خاموشی سے ساری منازل سے گزار کر کھلی چھت پر لے گیا۔

"چھت کا دروازہ اندر سے بولٹ کرلو۔ کام پورا ہوجائے تو دروازہ کھول کر نکل جانا۔ میں یہاں موجود رہ کر خود کو کسی واقعے کا عینی شاہد نہیں بنانا چاہتا۔" یہ کہہ کر میجر عباسی فوراً ہی واپس چلا گیا۔

اس اثنا میں میری توجہ پڑوس والی چھت کی طرف مبذول ہوچکی تھی۔ دیواروں پر لگی ہوئی اونچی آہنی باڑھ کے پیچھے' کھلی ہوئی چھت پر بھیڑیوں جیسے جسیم کتوں کا ایک جوڑا زبانیں باہر لٹکائے اور دُمیں گرائے موجود تھا۔ ہماری آہٹوں پر وہ کتے چوکنے ضرور تھے مگر انہوں نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

چھت کے ایک گوشے میں لفٹ کے لیے اونچا سا پختہ کمرا بنا ہوا تھا۔ اسی سے ملحق دوسرا کمرا شاید کتوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ ان دونوں کمروں کے سامنے والے کونے میں ایک اور بند کمرا تھا۔

مجھے عمارت کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا تھا' اس کی روشنی میں وہ گردشی زینوں والا راستہ ہی ہوسکتا تھا۔

ہم چاروں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کیا۔ ہر ایک ضروری سامان اور ہتھیاروں سے لیس' اپنی جگہ تیار تھا۔

میں ڈارٹ گن لوڈ کرکے آہنی جنگلے والی اس دیوار کی طرف بڑھ گیا جو دونوں چھتوں کے درمیان حائل تھی۔

تاروں بھرے آسمان اور نیم روشن چاند کی روشنی میں دونوں کتوں کے کان کھڑے ہوگئے۔ میری پیش قدمی جاری رہی تو وہ دونوں سر ہلا کر ہلکی ہلکی غراہٹوں کے ساتھ آگے لپکے۔

اندھیرے میں ان کے کھلے ہوئے جبڑوں میں چمکتے ہوئے سفید دانت اور باہر لٹکتی ہوئی سرخ زبانیں بہت بھیانک نظر آنے لگی تھیں۔ درمیان میں مضبوط رکاوٹ ہونے کے باوجود' میں لمحے بھر کے لیے پھریری لے کر رہ گیا۔

میرے اور ان کتوں کے درمیان مشکل سے دو تین قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا تو میں ٹھٹھک گیا۔ وہ جوڑی دانت نکوسے' خوں خوار نظروں سے مجھے گھور کر ہلکی مگر غضب ناک آواز میں غرا رہی تھی۔

میں نے آہنی جنگلے کے درمیان سے ایک کتے کے کھلے ہوئے جبڑے کا نشانہ لے کر ڈارٹ گن چلا دی۔ ڈارٹ ٹھیک اپنے نشانے پر لگا اور ایک کتے کے حلق یا دہانے کے کسی حصے میں غائب ہوگیا۔ کھوکھلی سوئی پیوست ہوتے ہی ڈارٹ میں سے سریع الاثر زہر میرے پہلے شکار کے جسم میں داخل ہوا اور وہ اسی لمحے لڑکھڑا کر چھت پر ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے کتے نے بس ایک مرتبہ اسے دیکھا اور پھر اس کے انجام کی پروا کیے بغیر دوبارہ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوگیا۔

اس بار وہ اگلے پنجوں پر بار بار لپک کر' اپنی تھوتھنی جنگلے سے گزار کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے صرف اتنی مہلت ملی کہ میں نے جلدی سے دوبارہ ڈارٹ گن لوڈ کی۔ اشتعال کے عالم میں اس کا جبڑا زیادہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بھی آسانی سے میرا ہدف بن گیا۔

ادھر میں نے دوسرا ڈارٹ چلایا اور ادھر وہ فوراً ہی اچھل کر دیوار کے کنارے پر چڑھی اور بہت پھرتی کے ساتھ جنگلے پر سے ہوتے ہوئے' پنجوں کے بل برابر والی عمارت کی چھت پر اتر گئی۔ دونوں کتوں کے جہنم واصل ہوجانے کے بارے میں وہ اس قدر پُریقین تھی کہ اس نے ان پر ایک نگاہ ڈالنی بھی گوارا نہیں کی۔

ہم تینوں نے ایک ساتھ ویرا کی تقلید کی۔ آہنی سلاخیں تھام کر دیوار پر پنجے جمائے اور پھر کئی فٹ اونچے خاردار جنگلے کو عبور کرکے فریڈم انٹرنیشنل کی چھت پر پہنچ گئے۔

ویرا بڑھ کر وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی جو بادی النظر میں گردشی زینوں کو چھت سے ملاتا تھا۔ وہ ایک پٹ والا فلش

Downloaded from https://paksociety.com

ڈور تھا۔ اس وقت ویرا کی ماہرانہ حرکتیں قابلِ تحسین تھیں۔ اس نے پٹ کے اوپری اور نچلے حصے پر باری باری دباؤ ڈال کر اندازہ لگایا کہ دوسری طرف سے دروازہ بولٹ نہیں کیا گیا تھا۔ صرف ہمنی قفل کے ذریعے بند پٹ اپنی جگہ رکا ہوا تھا۔

ایسی کسی متوقع رکاوٹ کا سدِباب کرنے کے لیے ویرا کی جیب میں قفل شکنی کے نازک اور پیچیدہ اوزاروں کا ایک ہلکا سا گچھا موجود تھا۔ ہم تینوں کے پہنچنے تک وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

دروازہ کھلنے سے پہلے بھی میں عمارت کے زیریں حصے میں کسی وزنی انجن کے چلنے کا شور اور ارتعاش محسوس کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کے بعد وہ آواز نمایاں ہو گئی۔

میں نے دروازے کے عقب میں نمودار ہونے والے تاریک خلا میں ٹارچ کی روشنی ڈالی ہی تھی کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے چہرے پر سرچ لائٹ مرکوز کر دی ہو۔ ہم چاروں ہی بھڑک کر پسپا ہوئے تھے مگر اگلے ہی لمحے ہمیں اصل حقیقت کا اندازہ ہو گیا۔

گراؤنڈ فلور پر مامور گن مین جنریٹر چلا چکا تھا۔ اس نے متبادل سوئچ آن کر کے پوری عمارت کی برقی رو بحال کر دی تھی۔ جس کے نتیجے میں زینے کی چھت میں لگا ہوا بلب یکایک روشن ہو گیا تھا۔

پروگرام کے مطابق اول خان اپنے ماتحت' حامد کے ساتھ چھت پر ہی رک گیا۔ عقبی دروازے کی نگرانی کے لیے سلطان شاہ' غزالہ کے ساتھ موجود تھا۔ تینوں پارٹیوں کے پاس لاسلکی مواصلاتی آلات موجود تھے مگر اس ابتدائی مرحلے پر ہم سلطان شاہ سے رابطہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ میں نے پنجوں کے بل پیش قدمی کر کے زینے پر قدم رکھ دیا۔ اس بار ویرا میرے پیچھے تھی۔

تاریکی میں ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا تھا کہ ہم خود کو پوشیدہ رکھ کر محض آہٹوں وغیرہ کے سہارے عمارت میں اپنے حریف کی پوزیشن کا اندازہ لگا کر اسے گھیرنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ روشنی بحال ہو جانے کے بعد ہم وہ سہولت کھو چکے تھے۔ اور کسی بھی لمحے ہمارا دشمن سے سامنا ہو سکتا تھا۔

اول خان نے مائیکرو آٹوز میں خفیہ کیمروں کی مدد سے دیکھ بھال یا نگرانی کے بارے میں جو اظہارِ خیال کیا تھا' وہ میرے ذہن میں جم کر رہ گیا تھا۔ زینے طے کرتے ہوئے میں نے محتاط نظروں سے ہر طرف کا جائزہ لے ڈالا لیکن مجھے چھت پر یا دیواروں میں کہیں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی اور ہم دونوں بے آواز قدموں سے زینے طے کرتے ہوئے عمارت کی تیسری منزل پر پہنچ گئے۔ ایک بند دروازے نے اس فلور کو زینوں سے الگ کیا ہوا تھا۔ لفٹ والا راستہ' دروازے کے پیچھے اور مرکزی عمارت میں واقع تھا جو ہماری نظروں سے اوجھل تھا۔

میں نے سنی سنائی تفصیلات کو اپنے ذہن میں تازہ کیا۔ تیسری منزل مقبول چوہدری کے رہائشی تصرف میں تھی۔ اس سے نیچے والے فلور میں مقبول چوہدری کے ماموں اور فریڈم انٹرنیشنل کے بانی کی رہائش گاہ تھی۔

ویرا نے بہت احتیاط سے دروازے پر مقدر آزمائی کی اور خلافِ توقع دروازے نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔

سامنے روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن ماحول پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سامنے ہی لفٹ کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ دروازے کی داہنی جانب' لفٹ بلانے والا بٹن روشن تھا لیکن دروازے کے اوپر لفٹ کی پوزیشن والا مستطیل خانہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ پتا نہیں چل رہا تھا کہ اس وقت لفٹ کہاں تھی۔

روشن کال بٹن سے اتنا ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ وہاں موجود جنریٹر لفٹ کا برقی بوجھ اٹھانے کی استطاعت رکھتا تھا۔ عمارت کی خصوصی تعمیر کی وجہ سے وہ بندوبست بڑی حد تک ناگزیر تھا۔

ہم دونوں نے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی تیزی سے

♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦

چوہدری صاحب اپنی پجیرو میں موٹروے پر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا' ان کا مزارع دینو اپنے گدھے کی رسی پکڑے پیدل چلا جا رہا تھا۔ انہوں نے ترس کھا کر گاڑی ایک طرف کر کے روکی اور دینو کو بٹھا لیا۔ گدھا دوڑتا ہوا پیچھے پیچھے آنے لگا۔ پجیرو کی رفتار پہلے پچاس ساٹھ کلومیٹر فی گھنٹا ہوئی پھر سو کلومیٹر سے تجاوز کر گئی۔ گدھا بدستور بھاگتا ہوا پیچھے آ رہا تھا۔

آخر رفتار سوا سو کلومیٹر ہوئی تو چوہدری صاحب بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے بولے "دینوا مجھے تمہارے گدھے کے بارے میں فکر ہو رہی ہے... اس کی زبان باہر لٹکی ہوئی ہے۔"

"کس طرف، کو لٹکی ہوئی ہے صاحب جی؟" دینو نے پوچھا۔

"دائیں طرف۔ کو۔"

"بس تو پھر آپ اسی لین میں رکھیں... وہ آپ کو اوور ٹیک کرنے والا ہے" دینو نے پیچھے دیکھے بغیر اطمینان سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

دو مختلف جگہیں سنبھال لیں۔ ویرا کو وہیں رک کر لفٹ کی نگرانی کرنے کی ہدایت دے کر میں محتاط انداز میں اندر بڑھنے لگا۔

ضرورت نہ ہونے کے باوجود فیشن کے مطابق پورا فرش دبیز قالین سے ڈھکا ہوا تھا۔ پورے فلور کی مکانیت دو کشادہ بیڈ رومز' ڈرائنگ' ڈائننگ روم اور لابی پر مشتمل تھی۔ ہر جگہ بیش قیمت فرنیچر اور دیگر آرائشی اشیا سجی ہوئی تھیں لیکن کہیں بھی کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔

دونوں خواب گاہوں کے بستروں کی بے شکن چادریں بتا رہی تھیں کہ ان دنوں وہ کمرے کسی کے زیر استعمال نہیں تھے۔ فلور ویران ہونے کی وجہ سے میں نے پورے اطمینان اور باریک بینی سے ہر حصے کا جائزہ لے ڈالا لیکن کہیں بھی کسی کی موجودگی کے آثار ملے اور نہ ہی کوئی اور کار آمد چیز مل سکی۔

اس مہم میں ساری اہمیت ہماری دو نفری ٹیم کی تھی اس لیے کسی نے بھی ٹرانس ہمزا استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے ویرا کے پاس واپس پہنچنے کے بعد بہت دھیمی آواز میں اول خان کو تازہ ترین پوزیشن سے آگاہ کردیا۔ یہ بات واضح تھی کہ میری وہ رپورٹ غزالہ اور سلطان شاہ نے بھی سن لی ہوگی۔

"اگر وہ فلور خالی ہے تو ہم نیچے آرہے ہیں۔" میری بات پوری ہونے پر اول خان نے کہا "ہمارے پہنچنے کے بعد تم نیچے اتر جانا۔ اس طرح ہمارے درمیان کم سے کم فاصلہ رہے گا۔"

اس کی تجویز معقول تھی۔ وہ ذرا سی دیر میں ہم سے آملے۔ میں اس دوران میں پُرتشویش نگاہوں سے لفٹ کا جائزہ لیتا رہا۔ ویرا مجھے بتا چکی تھی کہ وہ لفٹ کے دروازے پر طبع آزمائی کرچکی تھی۔ دروازہ مقفل تھا جس کا مطلب تھا کہ لفٹ اس فلور پر موجود نہیں تھی۔ میں اس وقت لفٹ کے ساتھ زیادہ چھیڑ چھاڑ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کال بٹن دبانے پر جوں ہی لفٹ اپنی جگہ چھوڑ کر تیسری منزل کی طرف روانہ ہوتی' عمارت میں موجود ہمارے حریفوں کو اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کا اندازہ ہو سکتا تھا۔

میں نے تلاشی مکمل ہونے تک لفٹ کو بھولے رہنے کا فیصلہ کرلیا۔

اول خان اور حامد کو وہاں چھوڑ کر ہم دونوں زینوں کے ذریعے نچلی منزل کی طرف چل دیے۔

مجھے یقین تھا کہ چھت سے تیسری منزل پر پہنچنے کے بعد وہ دونوں چین سے نہیں بیٹھیں گے' اس فلور کے چپے چپے کی تلاشی لے ڈالیں گے۔ مکمل ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے ہم اس طرح کم از کم وقت میں اپنا کام مکمل کرسکتے تھے۔

چھت پر خوں خوار کتوں کی رکھوالی اور گراؤنڈ فلور پر گن مین کی موجودگی کی وجہ سے اس عمارت کے اندرونی دروازے مقفل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ دوسرے فلور میں ہمیں آسانی سے رسائی مل گئی۔ تعمیر کے اعتبار سے وہ منزل اوپر والے حصے سے مختلف نہیں تھی لیکن اس کی آرائش میں بہتر اور شستہ ذوق کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

اس فلور کے رکھ رکھاؤ سے مکین کے ذوق کی نفاست اور پختگی کا اظہار ہو رہا تھا جس سے اس امر کی تصدیق ہو رہی تھی کہ وہ منزل مقبول چوہدری کے ماموں کے تصرف میں رہی ہوگی۔

لفٹ اس منزل پر بھی موجود نہیں تھی لیکن ایک خواب گاہ کو شکن آلود اور بے ترتیب بستر اعلان کر رہا تھا کہ وہاں کوئی نہ کوئی رہ رہا تھا۔ سائڈ ٹیبل پر ہاتھی دانت کا بیش قیمت اور منقش لائٹر' سگریٹ کے پیکٹ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ ایش ٹرے میں خاصی راکھ کے ساتھ سگریٹوں کے مسلے ہوئے ٹوٹے موجود تھے۔

کمرے کی بند فضا میں دھوئیں کی تازہ بُو رچی ہوئی تھی۔ میں نے راکھ اڑائے بغیر ایش ٹرے کو سونگھا اور اندازہ لگالیا کہ وہ سب زیادہ پرانا نہیں تھا۔ اوپر سے وہاں تک' سب خواب گاہیں ہوا بند اور ایر کنڈیشنڈ تھیں لیکن موسم کی ہلکی سی خنکی کے سبب کہیں بھی ایر کنڈیشنر نہیں چل رہے تھے اور ہر بو اپنی اصل سمیت برقرار تھی۔

اسی سائڈ ٹیبل کے نچلے خانے میں متعدد دوائیں نظر آئیں۔ وہ سب زخموں وغیرہ کی مرہم پٹی سے متعلق تھیں۔ ان کی موجودگی اس امر کی غماز تھی کہ مقبول چوہدری اپنا فلور چھوڑ کر اپنے ماموں کی خواب گاہ پر قابض تھا۔ ایک خفیہ ایجنسی کے سادہ پوش' احتجاجی مظاہرین کے ہاتھوں تشدد کا شکار ہونے کے بعد وہ اسی کمرے میں پڑا اپنے زخموں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس کے ملازمین کی طرف سے اس کے بیرونِ شہر جانے کی کہانی سراسر بے بنیاد اور لغو تھی۔ وہ یقینی طور پر اسی عمارت میں چھپا ہوا تھا۔

مقبول چوہدری کی موجودگی کی وہ روشن شہادتیں سامنے آتے ہی میرا دورانِ خون تیز ہوگیا۔ ہم اپنے مجروح شکار کے ساتھ ایک ہی عمارت میں موجود تھے لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ وہ عمارت کے کس گوشے میں گھسا ہوا تھا۔

لمحے بھر کے لیے مجھے خیال آیا کہ وہ اندھیرا ہونے پر نیچے نہ گیا ہو۔ ایسا ہوا تھا تو جنریٹر کے ذریعے برقی رو کی فراہمی بحال ہونے کے بعد اسے اوپر آجانا چاہیے تھا۔ وہ کسی بھی لمحے' کہیں سے نمودار ہو سکتا تھا۔

دو سو گز کے کمرشل پلاٹوں پر بنی ہوئی دوسری عمارات کی طرح' اکرم الٰہی کی وہ بلڈنگ زیادہ پیچیدہ نہیں تھی۔ میں چند منٹ میں تلاشی سے فارغ ہو کر اپنے فیصلے اخذ کرچکا تھا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر ایریئس پر اول خان سے رابطہ کیا اور اسے اپنے مشاہدوں سے آگاہ کیا۔ وہ بات کرتا ہوا' تیزی سے ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"اب صرف فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر باقی رہ جاتا ہے۔" اول

Downloaded from https://paksociety.com

خان پُرتشویش آواز میں بڑبڑایا "زخمی حالت میں وہ وہاں کیا کر رہا ہوگا؟"

"نہ صرف وہ زخمی ہے بلکہ کچھ دیر پہلے یہاں گھور اندھیرا بھی تھا۔" ویرا الجھن آمیز لہجے میں بولی "فریڈم کے دفتر کے بعد نکاس کا عقبی راستہ ہے جہاں پہنچتے ہی ہمارا گن مین سے تصادم ہو سکتا ہے۔"

"قیاس آرائیوں میں وقت خراب مت کرو۔" میں نے اضطراری لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "اور میرے ساتھ آؤ۔ عمارت میں اس کی موجودگی کا سراغ مل جانے کے بعد ہمیں تلاشی کا عمل جلد از جلد مکمل کر لینا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خطرہ بھانپ کر یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔"

فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر پوری منزل پر محیط تھا۔ قانونی کتب، ریکارڈ کی فائلوں اور کمپیوٹرز سے آراستہ وہ دفتر بھی ویران پڑا ہوا تھا۔ وہاں ایجنسی کے سادہ پوش اہلکاروں کی طرف سے کی جانے والی توڑ پھوڑ کے سارے شواہد جوں کے توں موجود تھے۔ مقبول چوہدری کا وہاں بھی کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

اکرم الٰہی کی خواب گاہ میں مقبول چوہدری کے مقیم ہونے کا ثبوت مل جانے کے بعد یہ بات پریشان کن تھی کہ عمارت کی تینوں منزلوں پر اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اگر مائیکرو آٹوز کسی خفیہ راستے کے ذریعے بقیہ عمارت سے منسلک تھا تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ اتنی رات گئے وہاں کیا کرنے گیا ہوگا۔

وہ تنہا مقبول کا گن مین ہی سنبھال سکتا تھا لیکن بھڑکے ہوئے اس بھیڑیے کا سامنا کرنا، خودکشی سے کم نہیں تھا۔ عمارت کی حدود میں کسی بھی اجنبی کا سایہ دیکھ کر وہ اندھا دھند فائرنگ شروع کر سکتا تھا۔

پوری عمارت کی چھان بین کے بعد ہم پہلی منزل پر لفٹ کے سامنے جمع ہو چکے تھے۔

"اگر مقبول اس وقت بھی عمارت کے کسی حصے میں موجود ہے تو چوکی دار کو بھڑکانے سے ہمارا کھیل بگڑ جائے گا۔" ویرا نے فکر مندانہ لہجے میں رائے دی۔

"ہم ایک بند گلی کے سرے پر پہنچ چکے ہیں۔" میں نے کہا "اس سے نکلنے کا راستہ وہی بتا سکتا ہے۔ ہمیں خطرہ مول لے کر اس پر قابو پانا پڑے گا ورنہ ہماری یہ مہم ناکام ہو جائے گی۔"

"تم اس کے جسم کے کسی حصے پر بیم گن فائر کر کے خاموشی سے اسے معذور کر سکتے ہو۔"

ویرا کی اس تجویز پر میں نے سختی سے کہا "بیم گن کے استعمال سے میں بچنا چاہ رہا ہوں۔ یہ ہر موقع پر ہماری موجودگی کا اشتہار بنتی رہی ہے...."

"ویسے بھی بیم گن ضرور بے آواز ہے مگر زخمی ہونے کے بعد گن مین آسمان سر پر اٹھا لے گا۔" میری بات پوری ہونے سے

جاسوسی ڈائجسٹ کا دلچسپ ترین سلسلہ

انسان کی ترقی و تہذیب کے حیات افروز واقعات صدیوں سے زندہ ایک پُراسرار شخص کی آپ بیتی، ھَوا جس کی دوست تھی، سمندر جس کے لیے آغوش مادر تھا، آگ اس کے بدن کو نمو دیتی تھی۔

وہ کہانی جس نے اپنے وقت میں مقبولیت کے سارے ریکارڈ توڑ دیے

صدیوں کا بیٹا

پانچ حصّوں میں مکمّل

قیمت فی حصہ ۵۰ روپے * ڈاک خرچ فی حصہ ۱۶ روپے

مکمل سیٹ منگانے پر قیمت صرف ۲۰۰ روپے، ڈاک خرچ معاف۔ صرف ۲۰۰ روپے کا منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ یہ رعایت صرف منی آرڈر ارسال کرنے پر ہی مل سکے گی۔

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳
سعید منشن، میکلوڈ روڈ، کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com

پہلے اول خان بول پڑا "ہیم گن کی زد پر لینے کے لیے ہم میں سے کسی کو اس کے سامنے جانا ہوگا۔ اس نے پہلے گولی چلا دی تو تم سمجھ سکتی ہو کہ کیا ہوگا۔"

حامد سعادت مندی کے ساتھ خاموش کھڑا ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اول خان کے ادب کی وجہ سے خاموش ہے۔ میں نے فوراً ہی اس کا حوصلہ بڑھایا "کہو..... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس وقت تم بھی ہمارے مشوروں میں برابر کے شریک ہو۔"

"سر! میرے پاس بلیو ڈارٹس ہیں۔" اس نے اول خان کی طرف متوجہ ہو کر جھجکتے ہوئے زبان کھولی "میں کوئی کھٹکا کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کرلوں تو وہ نشانے پر آتے ہی بے ہوش کیا جاسکتا ہے۔"

"یہ بہترین ترکیب ہے۔" اول خان بے ساختہ بول پڑا "دو گھنٹے بعد وہ ہوش میں آجائے گا اور ہم اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

مجھے یاد آیا کہ کتوں کو ہلاک کرنے کے لیے میں نے جو ڈارٹ شائس استعمال کیے تھے' ان کا رنگ سرخ تھا۔ وہ ڈسپوزیبل سرنج کی طرح شفاف تھیلیوں میں پوری احتیاط سے پیک تھے۔ ان کے برعکس نیلے ڈارٹ شائس شاید کسی بھی انسان یا حیوان کو ایک معینہ مدت کے لیے بے ہوش کرنے کے لیے استعمال کیے جاسکتے تھے۔

"یہ کام میں کروں گی۔" ویرا نے رضاکارانہ پیشکش کی "خوں خوار ترین مرد بھی اپنے نشانے پر کسی عورت کو پاتا ہے تو لمحہ بھر کے لیے ہچکچا کر رہ جاتا ہے اور میرے لیے وہی ایک لمحہ کافی ہوگا۔"

میں نے ویرا کی اس پیشکش پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ڈارٹ گن میرے پاس تھی' حامد نے بلیو ڈارٹ شاٹ دیا اور ویرا گن لوڈ کر کے دبے قدموں زینوں کی طرف بڑھ گئی۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک بات چبھ رہی تھی۔ عمارت کی اوپری تینوں منزلیں بالکل خالی تھیں مگر ہر فلور پر کم از کم اتنی روشنی موجود تھی کہ مزید روشنی کیے بغیر ہر چھوٹی بڑی چیز آسانی سے دیکھی جاسکتی تھی۔ تمام سوئچ پہلے سے آن تھے اور جنریٹر کا سوئچ آن ہوتے ہی ساری روشنیاں جل اٹھی تھیں۔

وہ حقیقت صرف ایک سب کی نشان دہی کر رہی تھی کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے مقبول وہاں کہیں موجود تھا۔ وہ کسی کام یا ضرورت کے تحت عمارت کے کسی نامعلوم حصے میں گیا تو اس نے روشنیاں کھلی چھوڑ دیں۔ بجلی گئی اور جنریٹر کے ذریعے بحال ہوگئی' عمارت تاریکی سے دوبارہ اُجالے میں آگئی لیکن مقبول واپس نہیں آیا۔

زینوں کی طرف سے ایک بلّی کی بھرائی ہوئی میاؤں سن کر میں چونک پڑا۔ عمارت میں داخلے کا ہر راستہ مسدود تھا۔ ہم نے کہیں کوئی بلّی نہیں دیکھی تھی' وہ یقیناً ویرا کی حرکت تھی۔

"شش..... اوئے' گدھے کا بچہ..... تم اور کیسے آگیا۔" نیچے سے گن مین کی غصیلی آواز ابھری۔

دوسری بار ویرا کی میاؤں زیادہ رسیلی تھی۔ اس مرتبہ اس نے ایک حیرت ناک حرکت کی' پہلی آواز دیتے ہی ایک غراتی ہوئی' جارحانہ میاؤں کی۔ کوئی بھی ناواقف شخص ان دونوں آوازوں کو سن کر یہی سمجھ سکتا تھا کہ سیڑھیوں کے کسی حصے میں بلیوں کا کوئی جوڑا اپنے ازدواجی معاملات پر تبادلہ خیال میں مصروف ہے۔

ایک کی جگہ دو آوازیں سن کر گن مین کی کھوپڑی سنک گئی۔

"خدائی خوار' گھر کو پلید کرے گا..... پتا نہیں کدر سے آگیا..... صاب امارا بوٹی کھا جائے گا۔" اس کی قریب آتی ہوئی آواز میں حیرت اور غصے کا ملا جُلا امتزاج تھا۔

گن مین کے وہم و گمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ بلیوں کے دو طرفہ مکالموں کی خالق کوئی لڑکی ہو سکتی ہے۔ وہ غالباً اپنی گن اٹھا لے بغیر بھنا کر زینوں کی طرف بڑھا تھا تاکہ لات مار کر مفروضہ بلیوں کو کسی طرف سے باہر نکال سکے۔

"گڈ! تم بہت اچھے اور بے ضرر پالے ہو۔" ویرا کی طنزیہ سی سرگوشی گونجی۔ شاید اس فقرے کے ذریعے اس نے مقبول کے گن مین کو اپنے نشانے پر لانے کی کوشش کی تھی۔ جنریٹر کے شور میں بھی اس کی آواز واضح تھی۔

زینے میں ڈارٹ گن فائر ہوتے ہی شپ کی ہلکی سی آواز ابھری اور ویرا الٹے پیر لوٹ آئی۔ گن مین کے گرنے سے پہلے اس کی ایک سسکی سنائی دی تھی جو جنریٹر کی آواز میں بھی نہیں دب سکی تھی۔

"گن بہت طاقت ور ہے۔ ڈارٹ گردن پر لگتے ہی اس کے بدن میں اتنا خلول سرایت کرگیا کہ وہ کوئی آواز نکالے بغیر قالین پر ڈھیر ہوگیا۔" ویرا نے آتے ہی اطلاع دی۔

عمارت کی تینوں منزلیں خالی تھیں' گراؤنڈ فلور سے بھی خطرہ دور ہو چکا تھا۔ ہم چاروں تیزی سے مگر احتیاط کے ساتھ نیچے پہنچ گئے۔

نیچے پہنچتے ہی میری نگاہ دروازے کے شفاف شیشے پر پڑی اور میں اپنے ساتھیوں کو بائیں بازو سے دھکیلتا ہوا' دیوار سے جا لگا۔ اس وقت پورا علاقہ تاریک تھا جب کہ ہم روشنی میں تھے۔ باہر سے گزرنے والا کوئی بھی شخص ہماری بے خبری میں شیشے میں سے ہماری مشتبہ نقل و حرکت کا جائزہ لے سکتا تھا۔

ہم نے وہیں کھڑے کھڑے بہت پھرتی سے اس مختصر سے مستطیل کمرے کا جائزہ لے ڈالا۔ ایک طرف نفٹ تھی' دوسری طرف چکر دار وہ زینہ تھا جس کے ذریعے ہم چھت سے گراؤنڈ فلور تک پہنچے تھے۔ ان دونوں کے درمیان' قالین پر' گن مین کی صاف ستھری سنگل مسہری اور کرسی تھی۔ شاید وہ اپنے کھانے پینے کا

Downloaded from https://paksociety.com

بندوبست فرینڈم انٹرنیشنل کے دفتری کچن میں کیا کرتا تھا کیونکہ گراؤنڈ فلور پر ایسی کوئی سہولت نظر نہیں آرہی تھی۔

وہاں جو کچھ تھا' نظروں کے سامنے تھا۔ اس میں کوئی خفیہ چیز نہیں تھی۔

گراؤنڈ فلور پر جنریٹر کا بہت زیادہ شور تھا پھر ہم وہاں محفوظ بھی نہیں تھے۔ میں نے جائزہ لیا تو گن مین کے بدن پر ہولسٹریا چابیوں کا گچھا موجود نہیں تھا۔ بستر پر اس کی وہ دونوں چیزیں' پستول سمیت' سرہانے رکھی ہوئی تھیں۔

"بستر پر سے وہ چیزیں اٹھاؤ اور گن مین کو بھی زینوں سے اوپر لے جاؤ۔" میں نے اول خان کے کان کے قریب منہ لاکر کہا "میں اس کارروائی کے لیے دو شنبلیاں گل کیے دیتا ہوں۔"

اندھیرے میں پیش آنے والی دقتوں کا مجھے اندازہ تھا مگر اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ بیرونی دروازے میں لگے ہوئے شفاف اور بلٹ پروف شیشے کی وجہ سے' اُجالے میں خود کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں تھا۔

میں زینوں کے نیچے جنریٹر تک پہنچا تو مطلوبہ سوئچ آسانی سے نظر آگیا۔ میں نے سوئچ بند کیا تو جنریٹر کی آواز تبدیل ہوئی اور پوری عمارت اندھیرے میں ڈوب گئی۔

میرے کان آہٹوں وغیرہ پر جمے ہوئے تھے' میں نے بس اتنا وقت لیا کہ وہ بے ہوش گن مین کو اٹھا کر چند زینے عبور کرسکیں۔ اسی وقت اوپر سے ایک سخت اور اشتعال انگیز..... آواز گونجی۔

"ابے' طور خان! بجلی کے ساتھ کیا آنکھ مچولی کررہا ہے؟" وہ آواز مردانہ تھی اور میرے اندازے کے مطابق دوسرے فلور سے آئی تھی۔

لمحے بھر کے لیے میرے اوسان خطا ہوگئے۔ ہم خود اعتمادی کے چکر میں ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوچکے تھے۔ ہمارا حریف یا اس کا کوئی معاون ہماری بے خبری میں اوپر پہنچ چکا تھا۔ میرے آدمی بے ہوش گن مین کے ساتھ تاریک زینوں پر تھے۔ اگر میں فوری طور پر روشنی نہ کرتا تو وہ نامعلوم شخص حالات کا جائزہ لینے کے لیے زینوں پر آسکتا تھا۔ شاید میں اس کے نشانے سے بچا رہتا مگر میرے ساتھی پوری طرح اس کی زد میں آسکتے تھے۔

وہ کوئی محفوظ حل نہیں تھا مگر میں نے ذرا سی مہلت لینے کے لیے سوئچ آن کردیا۔ مجھے توقع تھی کہ روشنی بحال ہونے پر وہ شخص عارضی طور پر مطمئن ہوجائے گا اور اس دوران میں وہ تینوں بے ہوش گن مین کو لے کر پہلی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ زینوں کو چھوڑ دینے کے بعد وہ بہت بہتر پوزیشن میں اپنے حریف کا مقابلہ کرسکتے تھے۔

روشنی ہوتے ہی میری نگاہ لفٹ کی طرف گئی۔ اس بار روشن مستطیل میں دو کا انگریزی ہندسہ روشن تھا۔ یعنی میرا اندازہ درست تھا۔ وہ جو بھی تھا' دوسری منزل پر ہی تھا۔

میں سانس روکے اپنی جگہ پر جما رہا۔ وہاں شور کے ساتھ انجن کی حرارت بھی ناقابلِ برداشت تھی مگر ہمارے لیے دو جگہوں پر بٹنا ضروری ہوگیا تھا۔

اوپر سے ابھرنے والی اجنبی آواز اول خان وغیرہ نے بھی سنی تھی۔ شاید انہوں نے اپنی رفتار بڑھالی تھی کیونکہ چند ہی لمحوں بعد زینے پر کوئی سایہ تک باقی نہیں رہا۔

میں اپنی جگہ سے نکلا اور بہت تیزی کے ساتھ' پنجوں کے بل سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔

وہ تینوں بے ہوش گن مین کو دروازے سے اندر لے جانے کے بعد فرش پر ڈال چکے تھے اور کسی تیز کارروائی کے خطرناک عزم کے ساتھ دوبارہ باہر نکلنے کی تیاری کررہے تھے۔

"وہ دوسری منزل پر ہے۔" ویرا نے لفٹ کی طرف اشارہ کرکے اضطراری لہجے میں کہا۔

"پتا نہیں لفٹ کہاں تھی اور وہ اچانک کہاں سے نمودار ہوا ہے.... تیاری کے ساتھ میرے پیچھے چلے آؤ۔" میرے ان الفاظ پر اول خان نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر میں اس کی بات سنے بغیر پلٹ کر دوسری منزل کی طرف ہولیا۔

ہم چاروں نے اس بار بھی پوری احتیاط سے کام لیا تھا لیکن ہمارے حریف کی چھٹی حس نے اسے کسی خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ ہم سے بڑی بے احتیاطی سرزد ہوئی تھی کہ ہم نے چھت کا دروازہ بند کردیا تھا لیکن نچلی منزلوں سے گراؤنڈ فلور کی طرف جاتے ہوئے ہم نے زینوں کے دروازے بند نہیں کیے تھے۔ اگر وہ دروازے بند رکھنے کا عادی تھا تو دوسری منزل پر لفٹ سے نکلتے ہی اس نے خطرہ بھانپ لیا ہوگا۔

وہ اندر جاکر بستر پر آرام کرنے یا باہر زینوں پر نکل کر حالات کا اندازہ لگانے کے بجائے اسی مختصر سی مشترکہ راہداری میں جما رہا جہاں لفٹ اور زینے کے دروازے آمنے سامنے کھلتے تھے۔

میں جوں ہی زینے سے کھلے ہوئے دروازے میں گھسا' اس نے اعشاریہ تین آٹھ بور کا مہیب' بے آواز ریوالور میرے اوپر تان لیا۔ اس کے مضروب چہرے اور بائیں کلائی پر بندھی ہوئی پٹی کی بنا پر میں نے فوری طور پر اندازہ لگالیا کہ وہی مقبول چوہدری تھا جو کچھ نام نہاد احتجاجی مظاہرین کے تشدد کا نشانہ بنا تھا۔

وہ دراز قد' وجیہہ اور خوش رو نوجوان تھا مگر اس کی چمکتی ہوئی عقابی آنکھوں اور خم دار پتلے پتلے ہونٹوں سے اس کی رنگین مزاجی جھلک رہی تھی۔

"وہیں رک جاؤ اور ہتھیار پھینک کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو!" اس نے لفٹ کے دروازے کے قریب سے سفاکانہ لہجے میں حکم دیا "ورنہ تمہیں گولی مار کر میں تمہاری لاش کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔"

میرے پاس اس کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

تھی۔ میں نے اپنے ہاتھ میں موجود پستول نیچے' قالین پر گرا کر دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے "یہ اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے رحم و کرم پر ہوں ورنہ میرے ساتھیوں نے تمہارے فرار کے دونوں راستے مسدود کیے ہوئے ہیں۔"

"تم کون ہو اور میرے گھر میں کیا لینے آئے ہو؟" اس نے اپنی نظریں میرے چہرے پر گاڑ کر پوچھا۔

"بہت سے لوگوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی تم بیرون شہر ہونے کے بجائے اپنے گھر میں ہی روپوش ہو۔ ہم بائیس افراد اسی شبے کی تصدیق کے لیے یہاں آئے تھے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ مقبول کا سامنا ہونے پر میرا ردِعمل دیکھتے ہی میرے تینوں ساتھی زینوں پر رک گئے تھے۔

"بائیس افراد....!" اس نے دہرایا پھر قدرے توقف کے بعد پوچھا "شاید اس علاقے میں اندھیرا تم ہی لوگوں نے کیا ہے۔ تمہارے آدمی کہاں کہاں موجود ہیں؟"

"کچھ نیچے طور خان کے ساتھ ہیں' کچھ چھت پر تمہارے خوں خوار کتوں کی رکھوالی کررہے ہیں۔" میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے قدرے وضاحت سے جواب دیا "ہوسکتا ہے کہ دو چار آدمی فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر کی تلاشی لے رہے ہوں۔ آج تمہارا وقت پورا ہونے والا ہے۔"

اس نے سرکتے ہوئے اپنی جگہ بدلی اور پھر میرے اوپر فائر کرتے ہوئے لفٹ کا دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ اس نے عجلت میں نشانہ لیے بغیر گولی چلائی تھی اس لیے وہ چھت میں پیوست ہوگئی۔

بے آواز ریوالور سے پیدا ہونے والے سخت کھٹکے کی آواز نے سب کو مضطرب کردیا۔ میں تیزی سے لفٹ کی طرف لپکا تو بقیہ تینوں افراد بھی اندر گھس آئے مگر ہمارے پہنچنے سے پہلے لفٹ وہ فلور چھوڑ چکی تھی۔

مستطیل چند لمحوں کے لیے تاریک ہوچکا تھا۔ کال بٹن کے نیچے روشن ہوجانے والے تیر سے معلوم ہوا کہ لفٹ نیچے جارہی تھی۔ دیوار اچھل کر زینوں کی طرف دوڑ پڑی مگر میں وہیں رکا رہا۔ میں نے لفٹ کے کال بٹن پر انگلی رکھ کر اسے مسلسل دبالیا تھا تاکہ مقبول چوہدری کو اتارتے ہی لفٹ اوپر آسکے۔

مستطیل میں دو سے ایک کا ہندسہ روشن ہوا اور بجھ گیا۔ لفٹ رکے بغیر نیچے جارہی تھی۔ ایک کے بعد انگریزی کا حرف جی بھی روشن ہو کر بجھ گیا۔ لفٹ گراؤنڈ فلور سے بھی رکے بغیر گزر گئی تھی۔

میرے ذہن میں ایک جھماکا ہوا۔ اگر لفٹ گراؤنڈ فلور سے بھی نیچے گئی تھی تو اس عمارت میں کوئی خفیہ تہ خانہ بھی تھا۔ کچھ دیر صبر آزما انتظار میں گزری۔ اس دوران میں مستطیل سے کچھ پتا نہ چل سکا کہ لفٹ کہاں رکی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ لفٹ کی آمد ظاہر کرنے والا تیر روشن ہوچکا تھا۔ اسی وقت دیرا ہانپتی ہوئی واپس آگئی۔

اس عمارت کے مکینوں کے سوا' دوسروں کو تہ خانے کے وجود سے بے خبر رکھنے کے لیے لفٹ کی موجودگی کی منازل کی نشان دہی کرنے والے برقی نظام سے تہ خانے یا "بی" کا حرف دانستہ حذف کردیا گیا تھا۔ جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو شاید مقبول تہ خانے میں ہی تھا اور لفٹ بھی وہیں رکی ہوئی تھی۔ جنریٹر چل جانے کے بعد وہ کسی وقت لفٹ سے دوسری منزل پر پہنچا اور مجھ سے ٹکراؤ کے بعد دوبارہ وہیں فرار ہوگیا۔

"تمہارا یہ مجرم ذرا بھی ذہین نہیں ہے۔" لفٹ کی آمد کا اشارہ روشن ہونے پر دیرا نے کہا۔

"تم نے اس سے ملے بغیر یہ اندازہ کیسے لگالیا؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"وہ بوکھلایا ہوا ہے۔ ذرا سی بھی ذہانت استعمال کرتا تو تہ خانے میں لفٹ کے دروازے میں کوئی رکاوٹ اڑا دیتا۔ وہاں کا دروازہ بند نہ ہوتا تو لفٹ قیامت تک اوپر نہیں آسکتی تھی۔"

"یہ بات وہ بھی جانتا ہوگا مگر چور کے پاؤں نہیں ہوتے۔" اول خان بولا "اپنے بھاگنے کی فکر میں اسے یہ یاد ہی نہیں رہا کہ ہمیں روک کر بھی وہ اپنا مقصد حاصل کرسکتا تھا۔"

مجھے باہر والی پارٹی کا خیال آیا اور میں نے فوراً پریس پر بات شروع کردی "باہر ہوشیار رہو۔ ہمارا مطلوبہ آدمی کسی بھی لمحے باہر نکلنے کی کوشش کرسکتا ہے۔"

"تم بے فکر رہو۔ ہم پوری طرح تیار ہیں۔ وہ اندر سے نکلتے ہی پکڑا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو ہم اس کے خلاف طاقت بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔" سلطان شاہ کی طرف سے جواب آیا۔

لفٹ آکر رکی اور ہم چاروں دروازہ کھول کر اندر گھس گئے۔ اندر پینل پر لفٹ کی منازل کے تعین کے چھ بٹن تھے۔ گراؤنڈ اور چھت سمیت اوپر کی منازل کے پش بٹنوں پر نمبر یا حروف موجود تھے گراؤنڈ یا جی سے نیچے والا بٹن سادہ تھا۔ دروازہ بند ہونے پر میں نے وہی بٹن دبادیا۔ لفٹ خفیف سے جھٹکے سے نیچے روانہ ہوگئی۔

مقبول چوہدری سے سامنا ہونے کے بعد پورا کھیل کھل کر سامنے آگیا تھا اس لیے ہم نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وہ مجھ پر فائر کرکے بھاگا تھا' دوبارہ نظر آجاتا تو میں بھی اسے گولی کا نشانہ بنانے کا پورا حق رکھتا تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ اپنے ماموں کے قائم کیے ہوئے اداروں کو اس قدر پُراسرار بلکہ مجرمانہ انداز میں کیوں چلا رہا تھا اور اس کی پشت پر کون لوگ تھے۔

لفٹ رکنے پر ہم دروازہ کھول کر باہر نکلے تو خود کو ایک تنگ سی جگہ میں پایا۔ اوپر کے مقابلے میں یہ تہ خانے کی تعمیر کا انداز بہت مختلف تھا۔ ہم چاروں وہاں سے آگے بڑھے تو ایک کمرا نظر آیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں مقبول چوہدری کے تیور دیکھ چکا تھا اس لیے ٹھٹک کر رک گیا۔

"تم لوگ جو بھی ہو' بے خوف و خطر اندر چلے آؤ۔" کمرے میں سے ایک بھاری مردانہ آواز ابھری "مجھے معلوم ہے کہ مقبول تم سے خوف زدہ ہو کر بھاگا ہے۔ اس نے مجھے مہینوں سے یہاں قید کیا ہوا ہے۔"

اس شخص کے آخری الفاظ معنی خیز تھے۔ میں اپنی پارٹی کا قائد تھا اس لیے سب سے پہلے آگے بڑھ گیا۔

وہ کمرا کسی وقت بہت صاف ستھرا رہا ہوگا مگر اس وقت شدید بے توجہی کا شکار تھا۔ نہ خانے میں ریت کا گزر نہیں تھا مگر ہر چیز میلی نظر آرہی تھی۔ سامان بے ترتیبی سے قالین پر بکھرا ہوا تھا۔ اکلوتی مسہری کی چادر شکن آلود اور اتنی میلی تھی جیسے اسے مہینوں سے نہ بدلا گیا ہو۔

بستر کے قریب ایک وحشت زدہ' ادھیڑ عمر شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے بہت میلے تھے۔ سر اور داڑھی کے کھچڑی جیسے بال بہت بے ترتیبی سے بڑھے اور بکھرے ہوئے تھے۔ بظاہر وہ آزاد تھا لیکن میں اس کی داہنی پنڈلی میں پڑا ہوا وہ آہنی حلقہ دیکھ چکا تھا جو ایک موٹی زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ زنجیر کا دوسرا سرا ایک مضبوط اور دیوار گیر کنڈے کے ساتھ مقفل تھا۔ زنجیر کی کل لمبائی چھ یا سات فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔ مقبول کا وہ قیدی بس اتنی ہی دور تک آزادی سے نقل و حرکت کر سکتا تھا۔

کمرے کی چھت پر کسی انجن کے بیدار ہونے کا ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا تو ادھیڑ عمر قیدی ہذیانی انداز میں بول پڑا "وہ بزدل نکل گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ چور زینے سے بھاگ جائے گا....."

"مجھے راستہ بتاؤ.... وہ کدھر سے فرار ہوا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"اس دروازے کے پیچھے چور زینہ ہے جو گیراج کے دفتر میں نکلتا ہے..... وہ گیراج سے کوئی گاڑی لے گیا۔" وہ دونوں ہاتھ ملتے ہوئے غصے اور بے بسی کے ساتھ بولا۔

وہ مکالے اس قدر بے ضرر بلکہ حوصلہ افزا تھے کہ بقیہ تینوں بھی اندر گھس آئے اور اول خان نے دروازے کی طرف دوڑ لگا دی کہ شاید وہ مقبول کو روکنے میں کامیاب ہو سکے۔

میری دانست میں وہ کوشش بے سود تھی۔ میں اس وحشت زدہ قیدی کی طرف متوجہ ہوا جس کے بالوں کی سیاہی میں جا بجا سفیدی جھلک رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" میں نے اپنے قیاس کو بھلا کر اس سے پوچھا "مقبول چوہدری سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"دشمنی نہیں' اس سے میری قریبی رشتے داری ہے۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر چیخا "وہ حرام زادہ میرا بھانجا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اس قدر لالچی اور بدفطرت ہے۔"

"تم اکرم الٰہی ہو۔" ویرا نے حیرت سے پوچھا "لوگ تو کہتے ہیں کہ تم ملک سے باہر گئے ہوئے ہو۔"

"وہ کتے کا بچہ جو چاہے کہہ سکتا ہے... میں مہینوں سے یہاں سسک سسک کر جی رہا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" اکرم الٰہی کی مظلومیت کے انکشاف نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"میرا جرم یہ ہے کہ وہ بے روزگار تھا' میں نے اسے اپنا گیراج سونپ دیا۔ کراچی میں وہ بے گھر تھا' میں نے بہت شوق سے بنائے ہوئے گھر کی پوری ایک منزل اسے دے دی... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں اپنی آستین میں سانپ پال رہا ہوں۔ میرے ٹکڑوں پر پلنے والا میرا سب کچھ چھین لینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔"

اول خان عقبی دروازے سے واپس آپہنچا۔ ناکامی اس کے بشرے پر کندہ تھی۔ "وہ ایک اکارڈ لے کر نکل گیا۔" اس نے آتے ہی متاسفانہ لہجے میں اعلان کیا۔

"وہ نکل گیا لیکن بچ کر کہاں جائے گا۔" اکرم الٰہی نے مسہری پر بیٹھ کر منتقمانہ انداز میں کہا "تم لوگ مجھے اس قید سے نجات دلا دو تو میں اسے چیونٹی کی طرح پیس کر رکھ دوں گا۔"

"تمہارے کام پر قابض ہو کر اس نے بہت بدنامیاں کمائی ہیں۔" میں نے جواب دیا "اور یہ سارے برے کام تمہارے کھاتے میں جمع ہوتے رہے ہیں۔ ہم کیسے مان لیں کہ تمہارا دامن صاف ہے؟"

"میری حالت میری بے گناہی کا ثبوت ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد سے کہا "میں اس کے کالے کرتوتوں میں شریک ہوتا تو اس حال کو نہ پہنچا ہوتا۔"

اول خان نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے کہا "میرا خیال ہے کہ اکرم کو زنجیر کی قید سے آزاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ ہمارے...."

"غور سے میری طرف دیکھو!" اکرم الٰہی نے زہریلی آواز میں دخل اندازی کی "مہینوں سے اُسترا اور قینچی تو دور کی بات ہے' میں نے صابن اور ٹوتھ پیسٹ کی صورت نہیں دیکھی۔ کمرا اور یہ باتھ روم میرا مقدر بنا ہوا ہے۔ میرے کتوں کو عزت سے راتب کھلایا جاتا ہے' مجھے دو وقت کی روٹی بھی بہت ذلت سے دی جاتی ہے۔"

"تمہاری ہر بات درست ہے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مقبول نے تمہیں زندہ کیوں رکھا ہوا ہے۔" ویرا نے اعتراض کیا "وہ تمہارے کاموں پر قابض ہے' اس عمارت کا مالک بنا ہوا ہے' سب کو معلوم ہے کہ تم باہر گئے ہوئے ہو۔ تمہیں مار کر وہ کہہ سکتا ہے کہ تم امریکا یا آسٹریلیا میں بس گئے ہو۔"

اکرم الٰہی کا ہذیانی قہقہہ بہت خوف ناک تھا۔ ہنسی کا دورہ تھما تو اس نے کہا "یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ مجھے زندہ رکھنا اس کی مجبوری ہے۔ مجھ سے براہِ راست بات کیے بغیر فورڈ فاؤنڈیشن والے

Downloaded from https://paksociety.com

اسے ایک پیسے کی گرانٹ نہیں دیں گے۔ اندھیرا ہونے سے پہلے وہ مجھے اسی کام پر مجبور کررہا تھا.... ہر بار یہی ہوتا ہے۔ میں انکار کرتا ہوں' وہ مجھ پر تشدد کرتا ہے' مجھے بھوکا رکھتا ہے اور زندہ رہنے کی خاطر میں جھک جاتا ہوں۔ اس نے میری یہ کمزوری پکڑلی ہے کہ اچھے دنوں کی آس میں' میں ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

فورڈ فاؤنڈیشن ایک بڑا نام تھا جس کی پوری دنیا میں شہرت تھی۔ انسانیت کی فلاح اور تعلیم کے فروغ کے لیے بیش بہا خدمات کے ساتھ لوگ بعض مشتبہ معاملات میں بھی اس کا نام لیتے تھے لیکن امریکا میں قائم اس عالمی فلاحی ادارے کے خلاف کسی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔

"فورڈ فاؤنڈیشن کے لیے تمہاری کیا اہمیت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پاکستان میں' میں نے ان کے مالی تعاون سے اس وقت فریڈم انٹرنیشنل کی داغ بیل ڈالی جب یہاں کے لوگوں کو شعور تک نہیں تھا کہ این جی اوز معاشرتی بہبود کے لیے کیا کرسکتے ہیں۔ میرے مقاصد نیک تھے۔ وہ میری ہر ضرورت پوری کرتے تھے مگر صرف میرے ذاتی مطالبے پر۔ میری آواز ان کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ کوئی اور اکرم الٰہی بن کر ان سے کوئی مدد نہیں اینٹھ سکتا۔ یہ مقبول کی مجبوری ہے۔ اسی وجہ سے میں زندہ ہوں۔"

"تھوڑی دیر پہلے وہ تم پر کیوں دباؤ ڈال رہا تھا؟" میرے لیے اکرم الٰہی کی گفتگو اچانک دلچسپ ہوگئی تھی۔

"یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ فاؤنڈیشن کے وسیع مالی وسائل کے غلط استعمال کے لیے سی آئی اے کے بہت سے ایجنٹ اس میں گھس گئے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ مقبول چوہدری نے میری فریڈم انٹرنیشنل کے عظیم مقاصد کو پس پشت ڈال کر ان ایجنٹوں سے گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ وہ سی آئی اے کے ایجنڈے پر کام کررہا ہے اور میرے ذریعے فاؤنڈیشن سے بڑی بڑی رقمیں لوٹ رہا ہے۔"

"میرا سوال تازہ ترین معاملے کے بارے میں تھا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

"وہ رُستم ایرانی نامی کسی ایرانی مہاجر کے حقوق کا مسئلہ ہے۔" اکرم الٰہی اس معاملے کی سنگینی سے بے خبر تھا۔ وہ روا روی کے انداز میں بولنے لگا "وہ بہائی ہے اور اسے دباؤ ڈال کر مارا گیا ہے۔ اس کیس پر آواز اٹھانے کے لیے مجھے فاؤنڈیشن سے ایک لاکھ ڈالر طلب کرنے ہیں۔"

"اس بارے میں فریڈم انٹرنیشنل ایک بیان جاری کرچکی ہے۔" میں نے اپنی بات آگے بڑھائی "اگر فاؤنڈیشن والے تمہارا مطالبہ پورا نہ کریں تو وہ کیا کرے گا؟"

"وہاں میری شہرت بہت اچھی ہے' اب تک ایسا نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ سی آئی اے والے بہت چالاک ہیں۔ مقبول سے جو کام بھی لیتے ہیں' اس کے دہرے مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ مجھے اپنے کاموں کے اچھے پہلو بتاتا ہے۔ مذموم خفیہ مقاصد اس کے اور اس کے آقاؤں کے علم میں ہوتے ہیں۔"

"تمہیں قیدی بنانے کے بعد وہ فاؤنڈیشن سے کتنی رقم بٹور چکا ہے؟" اڈل خان نے پوچھا۔

"اس سا ؤنڈ پروف تہ خانے میں سورج کی روشنی کا گزر نہیں ہے۔ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ اس نے یہاں سے سب گھڑیاں ہٹادی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ پچھلی بار میں نے پانچ لاکھ ڈالر مانگے تھے۔" اس نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"اس کے لیے کیا بہانہ تراشا گیا تھا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ایک پاکستانی بن کر سوچو تو بہت ذلیل اور گھٹیا مقصد تھا۔ گھروں سے آشناؤں کے ساتھ بھاگنے والی لڑکیاں اپنے ماں' باپ اور خاندان کی رو سیاہی کا باعث بنتی ہیں' خاندان اور معاشرے میں ہولناک ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے لیکن مقبول' عورت اور مرد کی انفرادی آزادیوں کے نام پر ایسے بھگوڑے جوڑوں کو قانونی مدد فراہم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا... یہ سب ہمارے ملک اور مذہب کے خلاف سی آئی اے کے منصوبے ہیں۔"

"اور تم نے اسے رقم دلوادی تھی!" میں نے ہلکی سی تلخی کے ساتھ سوال کیا۔

"میں مجبور تھا۔ فاؤنڈیشن کا وائس چیئرمین امریکی ہے۔ امریکا میں یہ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ شادی کے بغیر لاکھوں جوڑے اکٹھے رہتے ہیں' بچے پیدا کرتے ہیں اور پھر اپنی اپنی راہ پر ہولیتے ہیں۔ وہ ہماری طرح عورت اور مرد کے آزادانہ میل جول کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ وائس چیئرمین میرا پروگرام سن کر خوش ہوا تھا کہ پس ماندہ اور جاہل قوموں میں بھی ایسے اعلیٰ مقاصد کے بارے میں سوچا جانے لگا ہے۔"

"ابھی تک تم خود کو کسی فرشتے کی طرح 'معصوم اور بے گناہ ثابت کرتے رہے ہو!" ویرا بولی۔

"فرشتوں کے پاس پیٹ کا جہنم نہیں پھٹکتا۔" اس نے ویرا کے طنز کا جواب اسی لہجے میں دیا "مجھے زندہ رہنے کے لیے اس جہنم کو بھرنا پڑتا ہے۔ اس جہنم کی خوراک مقبول فراہم کرتا ہے۔ میں اپنی برداشت کی آخری حد تک مزاحمت کرتا ہوں۔ جب موت کا خوف بیڑیوں کی صورت میں اپنے اردگرد نظر آنے لگتا ہے تو میں فرشتہ نہیں رہتا' آدمی بن جاتا ہوں۔" اس نے رک رک کر ایک گہرا سانس لیا پھر کہا "میرے پاس وقت کا حساب نہیں ہے' میں ایک نیند لیتا ہوں تو سمجھو کہ ایک رات گزر جاتی ہے۔ اس حساب سے چار دن ہوچکے ہیں' میں بھوکا ہوں۔ صرف نل کے پانی پر گزارہ کررہا ہوں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اس کا حساب واقعی بگڑا ہوا تھا۔ شاید وہ اپنا زیادہ وقت بیداری کے عالم میں گزار رہا تھا پھر بھی ویرا اسے ٹوکے بغیر نہ رہ سکی "چار دن کے بھوکے ہو اور بڑی روانی سے بول رہے ہو۔"

ایک لمبی مدت کے بعد کسی ہمدرد کو اپنے سامنے دیکھا ہے..... میری قوتِ برداشت جواب دے چکی ہوتی تو اب تک میں نے کمینے مقبول کے سامنے سر جھکا دیا ہوتا...."

ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "تم نے ہمیں اپنا ہمدرد کیسے سمجھ لیا؟"

"وہ تم لوگوں سے ڈر کر یہاں سے بھاگا ہے' اس کے چہرے پر خوف کی نحوست ناچ رہی تھی۔ اس کے ہر دشمن کو اب میں اپنا دوست اور ہمدرد سمجھتا ہوں..... تم میری بیڑی نہیں کھولو گی؟"

ویرا نے استفسار طلب نگاہوں سے میری اور اول خان کی طرف دیکھا اور ہماری نظروں میں رضامندی کے اشارے پا کر وہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

ویرا کے پاس قفل شکنی کے جملہ لوازم موجود تھے۔ اس نے بہت آسانی سے اکرم الٰہی کی داہنی پنڈلی کو تنگ آہنی کڑے سے نجات دلا دی۔ اکرم الٰہی نے اٹھ کر دیوانہ وار کمرے میں دوڑنا شروع کر دیا۔

اکرم الٰہی کی وہ حرکت اس قدر اچانک تھی کہ ہم سب ہی بوکھلا گئے۔ حامد نے اسے پکڑنے کے لیے دوڑ لگا دی۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔" اکرم الٰہی دوڑتے دوڑتے بولا "میں کہیں نہیں جا رہا۔ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنی مرضی سے دوڑ کر خوش ہو لینے دو۔ مجھے ایک مدت کے بعد یہ آزادی ملی ہے۔"

سب نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا مگر میں ترحم آمیز لہجے میں بولے بغیر نہ رہ سکا "اپنا یہ شوق اس بدبودار کمرے سے باہر نکل کر بھی پورا کر سکتے ہو۔"

بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ ہانپتے ہوئے ہمارے قریب رک گیا۔ اس کے بدن اور کپڑوں تک سے تیز بساند آ رہی تھی جو نتھنوں سے دماغ میں گھسی جا رہی تھی۔

تہ خانے سے نکلنے کے صرف دو راستے تھے۔ خفیہ زینے سے مائیکرو آٹوز کے راستے باہر نکل جانا یا لفٹ کے ذریعے اوپر کی کسی منزل تک پہنچنا۔ باہر بجلی کے مسئلے کی وجہ سے ویسے ہی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اگر لوگوں میں یہ خبر پھیل جاتی کہ اکرم الٰہی بیرونِ ملک جانے کے بجائے اپنے تہ خانے میں قید تھا اور وہاں سے رہائی پا چکا ہے تو وہاں ایک جم غفیر لگ سکتا تھا۔ میں نے بہتر سمجھا کہ لفٹ استعمال کی جائے۔

چھوٹی سی لفٹ صرف چار افراد کے لیے کافی تھی لیکن اس میں ہم پانچوں سما گئے۔ اس تنگ جگہ میں' اکرم الٰہی کے وجود سے پھوٹنے والی بدبو ناقابلِ برداشت ہونے لگی تھی۔

دوسری منزل پر لفٹ چھوڑتے ہوئے اکرم الٰہی کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا غلیظ وجود ہم سب کے لیے سخت ناگوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے باہر نکل کر ہم سے غسل خانے میں جانے کی اجازت چاہی۔ اس وقت تک ہم اس کی کہانی پر بڑی حد تک یقین کر چکے تھے۔ میں نے اسے غسل کرنے اور لباس بدلنے کی اجازت دینے کے ساتھ یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ سر یا داڑھی مونچھوں کو تراشنے کی کوئی کوشش نہ کرے۔

ہم لوگ اپنے ذہنوں میں اس مہم کے اختتام کا جو خاکہ لے کر آئے تھے وہ یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ مجرم صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اس کے خلاف سب سے بڑا گواہ ہماری تحویل میں تھا۔

میں اول خان سے باتوں میں مصروف تھا کہ ویرا اٹھ کر کہیں چل دی۔ اول خان نے فون پر اسٹیشن فور سے رابطہ کیا تو وہ غزالہ اور سلطان شاہ کو لیے' واپس لوٹ آئی۔

"یہاں اتنا کچھ ہو گیا اور ہمیں کانوں کان بھنک تک نہیں ملی۔" غزالہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے شکوہ کیا "ہم دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے گاڑی میں سوکھ رہے تھے۔"

"تمہارے لیے مقبول چوہدری کو باہر بھیجا تھا مگر وہ گدھا غلط راستے سے نکل گیا۔" اول خان نے تمسخر سے کہا "اب مجھے یہاں رک کر اپنے آدمیوں کا انتظار کرنا ہو گا۔ تم لوگ یہاں سے بازیاب ہونے والے قیدی کو اپنے ساتھ لے کر گھر نکل جاؤ۔ وہ چند روز تک تمہارا مہمان رہے گا۔"

"کیوں؟" ویرا نے برا سا منہ بنایا "اسے اسٹیشن فور کیوں نہیں لے جاتے؟"

"حفاظت کے ساتھ اسے تھوڑی سی توجہ کی ضرورت بھی ہے۔" اول خان نے سنجیدگی سے وضاحت کی "یہاں سے ہاتھ آنے والے بقیہ افراد وہیں جائیں گے۔"

"یہاں رہا ہی کون ہے؟ چاہو تو بے ہوش گن مین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دو۔" ویرا بولی۔

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا "گیراج میں بھی دو گن مین ہیں۔ اکرم الٰہی ہمیں بتائے گا کہ ان میں سے کون کون مقبول کا وفادار ہے۔"

"یہ عمارت اکرم ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس سے یہ ضرور پوچھنا کہ اسے یہاں اس قدر حفاظتی انتظامات کی کیا ضرورت تھی۔" ویرا' اکرم الٰہی کے غلیظ و متعفن وجود سے شاید کراہت میں مبتلا ہو چکی تھی "بچپلا دروازہ کسی والٹ کے دروازے کی طرح فولادی ہے۔ اس کا سہ رخی قفل دو چابیوں کے استعمال سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔"

اکرم کو ایک مدت کے بعد غسل کرنے کی آزادی میسر آئی تھی۔ وہ ایک گھنٹے بھی غسل خانے میں گھسا رہتا تو کم تھا لیکن وہ غیر معمولی وقت لیے بغیر نہا دھو کر اور کپڑے تبدیل کر کے اپنی خواب

Downloaded from https://paksociety.com

گاہ سے برآمد ہوا تو بڑی بڑی سنوری ہوئی زلفوں اور سینے تک لہراتی ہوئی داڑھی کی وجہ سے بزرگانہ مردانہ وجاہت کا پیکر نظر آرہا تھا۔

آتے ہی اس نے مسکرا کر ہمارے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے "خدا کا شکر اور تم لوگوں کا شکریہ کہ آج مجھے یہ مبارک رات نصیب ہوئی جب میں دوبارہ آزاد ہوں۔"

"تمہاری جون ہی بدل گئی ہے۔" ویرا نے مسکرا کر تبصرہ کیا "نہادھولیے تو اب شکم سیری بھی کرلو تاکہ یہاں سے روانگی کے بارے میں سوچا جاسکے۔"

بھوک اس پر اتنی زیادہ غالب تھی کہ وہ ویرا کی دی ہوئی دعوت کو رد نہ کرسکا اور سیدھا ریفریجریٹر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اپنے لیے چند ڈبے اور برتن لے کر ڈرائنگ روم میں ہی آگیا اور ہماری موجودگی کی پروا کیے بغیر ندیدے پن سے ٹھنڈی خوراک پر ٹوٹ پڑا۔

"خدا کی پناہ!" خاموشی سے پیٹ میں چند لقمے اتار لینے کے بعد وہ بولا "وہ اپنے فلور سے زیادہ میرے فلور پر قابض تھا۔ اس نے میرے بیڈروم کا حشر خراب کیا ہوا ہے۔"

"تمہیں اس عمارت میں اتنے زیادہ حفاظتی انتظام کی کیا ضرورت تھی؟" اول خان نے ویرا کا سوال پوچھا۔

"میں اکیلا رہتا ہوں۔ زندگی گزارنے کے لیے میرا ایک خواب تھا جو میں نے دو سو گز کے اس چھوٹے سے پلاٹ میں سمویا۔ بجلی بند ہوتے ہی پوری عمارت تہ خانے اور گیراج سے الگ تھلگ ہوجاتی ہے۔ بجلی آتی رہے تو لفٹ سے تہ خانے میں پہنچ کر زینوں سے گیراج میں پہنچا جاسکتا ہے۔ اس بلڈنگ میں، میں نے اپنے کاروبار، مشغلے اور رہائش کو بہت سوچ سمجھ کر یک جا کیا تھا۔"

"اور پچھلا بُلٹ پروف، فولادی دروازہ؟" ویرا نے خاص طور پر پوچھا۔

"اکیلے آدمی کے لیے یہ سب ضروری ہوتا ہے۔ میری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی اندر نہیں پھٹک سکتا۔ میں کسی گن مین کے پہرے کے بغیر آزادی سے پیر پھیلا کر سو سکتا ہوں۔"

"لیکن تمہارے اپنے چہیتے نے تمہارے اس سارے حفاظتی حصار کو چکنا چور کرکے، تمہیں اسی قلعے میں قید کردیا۔" ویرا نے اس سے کچھ زیادہ ہی الجھنا شروع کردیا۔

وہ اداسی سے مسکرا دیا "اسے اپنی اس ذلیل حرکت کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ آزادی مل جانے کے بعد میں اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن سکتا ہوں۔"

"ہمیں اس کی فکر ہے۔ وہ کہاں پناہ لے سکتا ہے؟" اول خان نے سوال کیا۔

"اگر اس نے اپنی پسند کو کوئی دھوکا نہیں دیا ہے تو اسے نرگس کے گھر پہنچنا چاہیے۔" کھانے کے ساتھ ساتھ وہ ہر سوال کا جواب بھی دیتا جارہا تھا۔

اکرم الٰہی کی رائے میں نرگس بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ مقبول نے خود ہی نرگس کو اس سے ملایا تھا۔ اکرم الٰہی کو اس کے گھر کا پتا یا فون نمبر معلوم نہیں تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ اس کا ناخلف بھانجا اپنے بدترین وقت میں بھی نرگس سے دست بردار نہیں ہوسکتا تھا۔

طور خان کو اکرم الٰہی نے دیکھ بھال کر خود ملازم رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ طور خان، مقبول چوہدری کا آلۂ کار نہیں بن سکتا تھا۔ اس بے چارے کو علم ہی نہیں ہوسکتا کہ اس کے فرش سے نیچے والی خفیہ منزل میں اس کے اصل مالک کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا تھا۔

اکرم الٰہی کا خیال تھا کہ مقبول کے دوسرے ملازمین کو بھی اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا کیونکہ مقبول خود ہی لفٹ کے راستے اسے کھانے پینے کی اشیا گاہے گاہے پہنچاتا رہتا تھا۔ اس کی واپسی بھی لفٹ کے ذریعے ہوتی تھی۔ پوری قید کے دوران میں اس نے صرف چند بار اسے زینوں کے راستے گیراج کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ اس کے باوجود تہ خانے میں اکرم الٰہی نے مقبول کے سوا کبھی کسی کی پرچھائیں نہیں دیکھی تھی۔

مقبول چوہدری نے اپنے ماموں کے بارے میں جس رازداری سے کام لیا تھا، اس کے بعد نجی زندگی میں اس کا بے فکر ہونا قرینِ قیاس تھا۔ اول خان پُریقین تھا کہ گیراج کے عملے کے لوگ یا ان میں سے کوئی نہ کوئی نرگس کے گھر کے بارے میں ضرور جانتا ہوگا۔

گیراج وقت کی پابندی سے شام کے پانچ بجے بند ہوجاتا تھا۔ عملے سے پوچھ گچھ کے لیے اگلی صبح کا انتظار کرنا تھا۔ اس کے بعد ہی مقبول کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاسکتا تھا۔

پیٹ بھر جانے کے بعد اکرم الٰہی کو ہمارے بارے میں کچھ جاننے کا اشتیاق ہونے لگا۔ اس نے یہ فرض کرلیا تھا کہ ہم سب سرکاری اہل کار تھے اور شاید مقبول چوہدری کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے، وہ بس یہ جاننے کے لیے مرا جارہا تھا کہ ہمارا تعلق کس فرض شناس محکمے سے تھا۔

اول خان نے وہ سوالات سختی سے رد کردیے۔ کوئی راہ نکلتی نظر نہ آئی تو اکرم الٰہی نے مجبور ہوکر اپنا مدعا بیان کردیا۔ وہ فریڈم انٹرنیشنل کی نیک نامی بچانے کے لیے ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے اور مقبول کے قصے میں ان مذموم سرگرمیوں کا ذکر نہ آنے پائے جو مقبول اس ادارے کی آڑ میں پروان چڑھا رہا تھا۔

اکرم الٰہی کی وہ خواہش بہت غیر حقیقی تھی۔ میرا ماتھا ٹھنک گیا۔

مائیکرو آٹوز کو اکرم الٰہی نے پہلے ہی مقبول کے سپرد کیا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اصل جھگڑا فریڈم انٹرنیشنل پر قبضے کا تھا۔ وہ ذکر حذف کرنے کے بعد اس قصے میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اکرم الٰہی اپنی زندگی کے بھیانک ترین تجربے سے گزرنے کے باوجود وہ معاملہ کیوں دبانا چاہ رہا تھا۔

"حامد! تم اکرم الٰہی کے ساتھ فریڈم انٹرنیشنل کے ریکارڈ کا جائزہ لے ڈالو۔" میں نے اکرم الٰہی کو وہاں سے ٹالنے کے لیے حامد سے کہا "اکرم کی قید کے دوران میں ہونے والی کارروائیوں کی فائلیں ہمیں مدد دیں گی۔"

حامد ہوشیار آدمی تھا۔ اشارہ سمجھ کر فوراً ہی اٹھ گیا اور اکرم الٰہی اس کے ساتھ چل دیا۔

"اچھا ہوا کہ تم نے ابھی تک اکرم الٰہی کے بارے میں اپنے فیصلے کا اعلان نہیں کیا۔ اب میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ اس نے ہمارے چہرے دیکھ لیے ہیں مگر ہم اسے اپنا گھر نہیں دکھائیں گے۔" میں نے کہا۔

"پھر اس کا کیا کیا جائے؟" اول خان نے حیرت سے پوچھا "وہ صرف میرا فیصلہ نہیں تھا۔ اس میں تمہاری رائے بھی پوری طرح شامل تھی۔"

"اس لیے میں نے ذمے داری تم پر نہیں ڈالی' اپنا ارادہ بدلنے کی بات کی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ اس کے بارے میں ویرا کی تجویز پر عمل کرو اور اسے اسٹیشن فورلے چلو۔"

"وہ کہیں بھی لاجواب نہیں ہوا۔ اس کے پاس ہمارے ہر سوال کا سوچا سمجھا جواب موجود تھا۔" ویرا نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے کہا "حواس باختہ اور مار کھایا ہوا آدمی اتنی مدلل اور مفصل باتیں نہیں کرتا۔ برحق ہونے کے باوجود کہیں نہ کہیں بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"میں تمہاری اس رائے سے متفق نہیں ہوں۔" اول خان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "موت کے جبڑوں سے نکلتے ہی' کوئی مکار ترین آدمی بھی اتنی روانی سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ حقیقت بیان کرنے کے لیے آدمی کو سوچنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ سچ زبان سے بہتا چلا جاتا ہے۔"

"ایک صورت اور بھی ہے۔" میں نے رائے دی "فی الحال' اس کی رسّی دراز کردو اور اسے یہیں چھوڑ دو۔ چند روز کی کڑی نگرانی سے سب کچھ سامنے آجائے گا۔ اس دوران میں فریڈم انٹرنیشنل کی پرانی کارکردگی کا ریکارڈ بھی چھانا جاسکتا ہے۔ مجھے اکرم کی کہانی پر یکایک ہی کچھ شبہ ہونے لگا ہے۔"

"پھر اسے یہیں چھوڑے دیتے ہیں۔" اول خان نے ہتھیار ڈال دیے "دوسرے آدمیوں سے اسٹیشن فور میں بازپرس کی جائے گی۔ ان کی کہانیاں بھی خاصا مواد فراہم کردیں گی۔"

"یہ اس کا قلعہ ہے۔ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی اس ننھی سی سلطنت میں کس طرح بے خوف و خطر رہتا ہے۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"کتوں کی موت کے بعد اس کا قلعہ غیر محفوظ ہوگیا ہے۔"

اول خان کے دل میں اکرم کے لیے نرم گوشہ موجود تھا۔

"اس کا ذکر ہی مت کرو۔ وہ خود بھی اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیے بغیر بستر پر نہیں لیٹے گا۔"

اکرم الٰہی اور حامد میری توقع کے برعکس جلد واپس لوٹ آئے۔ حامد کے ہاتھ میں صرف دو فائلیں تھیں۔

اکرم نے آتے ہی پُرجوش لہجے میں کہا "میں نے آج کی تاریخ دیکھ کر حساب لگایا ہے کہ میں چھبیس دنوں تک مقبول کی قید میں رہا ہوں۔ ان دنوں اسے فورڈ فاؤنڈیشن سے آخری فیلس رُٹم کے بارے میں ملا تھا۔ اس نے وہی پیغام فریڈم انٹرنیشنل کی طرف سے پریس کو جاری کردیا۔"

"اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مقبول چوہدری اس ادارے کو تمہارے متعین کیے ہوئے اصولوں پر چلاتا رہا ہے۔" میں نے نرم لہجے میں اعتراض کیا۔

"یہ بات تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم فاؤنڈیشن میں تھمی ہوئی کالی بھیڑوں سے واقف نہیں ہو۔" اس نے حامد کے ہاتھ سے ایک فائل لے کر کھولی اور ایک خاص صفحہ الٹ کر فائل میرے سامنے رکھ دی۔

"یہ دیکھو!" اس نے پیغام کے آخر میں چھپے ہوئے نام پر انگلی رکھ کر اپنی بات جاری رکھی "تم بارسوخ آدمی ہو۔ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہوں گے۔ تم اپنے ذرائع سے تصدیق کرسکتے ہو کہ فاؤنڈیشن میں ملازمت کے ساتھ' جان اسمتھ آج بھی فیرفیکس میں سی آئی اے کے پے رول پر ہے۔"

میرے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "سی آئی اے کے ملازمین کے بارے میں تمہاری معلومات قابل رشک ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تمہاری قید کے دوران میں جان نے فیرفیکس کو خیرباد کہہ کر فورڈ فاؤنڈیشن کی ملازمت اختیار کرلی ہو؟"

لمحے بھر کے لیے اکرم الٰہی کی آنکھوں میں بوکھلاہٹ تیر گئی۔ میرے پیچھتے ہوئے سوال سے اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ جوش بیان میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی آگے نکل گیا تھا۔ اس کے چہرے کا بیشتر حصہ خود رو بالوں سے ڈھکا ہوا نہ ہوتا تو اس کی پریشانی کا زیادہ واضح اندازہ ہوسکتا تھا۔

"میں سس.... سی آئی اے کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا۔" اس نے ہکلاتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی "جان اسمتھ دراصل کراچی میں رہا ہے۔ میری اس سے ذاتی واقفیت تھی۔"

اس بار میں بے رخی سے ہنسے بغیر نہ رہ سکا "اس دلدل میں زیادہ ہاتھ پیر نہ مارو۔ جان اسمتھ نام کے ہزاروں لوگ امریکا میں مل جائیں گے پھر تم اس بات کا کیا ہوا زدو گے کہ کراچی میں مامور ایک سی آئی اے ایجنٹ سے تمہارے ذاتی مراسم تھے؟ تم تھکے ہوئے ہو' تمہارا ذہن ماؤف ہے اور اسے آرام کی ضرورت ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

وہ بے بسی سے ہنسنے لگا "میں واقعی بہک رہا ہوں مگر مجھے خوشی ہے کہ تم لوگوں کا رویہ بہت ہمدردانہ ہے۔ تم سب نے موت کے اندھے کنوئیں سے نکال کر مجھ پر احسان کیا ہے۔"

میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ حامد اور اول خان سے الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے میں نے اکرم الٰہی کو دانستہ نظرانداز کردیا۔ میں اس کے ذہن میں بے نام خوف اور وسوسہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ ایسی کیفیات سے دوچار ہونے کے بعد اس کی طرف سے لغزشوں کا امکان بڑھ جاتا۔

"میں ان لوگوں کے لیے دروازہ کھول دوں۔ چابیاں استعمال کیے بغیر یہ باہر کیسے نکلیں گے؟" اکرم الٰہی نے مسکین لہجے میں اول خان سے پوچھا۔ وہ اکرم کو کوئی جواب دیے بغیر خود ہمارے ساتھ ہولیا۔

"تم دونوں ہم زبان ہوجاتے ہو تو فتنے بیدار ہونے لگتے ہیں۔" اول خان نے لفٹ میں سوار ہوکر ہنستے ہوئے کہا "تم نے اسے خلجان میں مبتلا کردیا ہے۔ وہ بہت مضطرب ہے۔"

"اس کی باتوں پر غور کروگے تو تم بھی شکوک وشبہات میں مبتلا ہوجاؤ گے۔" ویرا نے جواب دیا "وہ اتنا معصوم نہیں ہے' جتنا خود کو ظاہر کررہا ہے۔"

لفٹ گراؤنڈ فلور پر پہنچی تو ہم پانچوں باہر نکل گئے۔ ویرا پہلا دروازہ کھول کر غزالہ اور سلطان شاہ کو اندر لا چکی تھی۔ اس نے... پچھلے میں سے دو لمبی چابیاں استعمال کرکے وہ عمل دہرایا اور ہم باہر نکل گئے۔

توحید کمرشل کا خاصا بڑا حصہ اس وقت بھی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے باعث وہ واقعہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا تھا اور گلیوں میں نظر آنے والی بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ سلطان شاہ اپنی کار کو اطمینان سے سڑک پر لیتا ہوا چلا گیا۔ مین روڈ پر پہنچتے ہی سلطان شاہ نے پہلا سوال داغ دیا۔

وہ دونوں عمارت میں ہونے والی پیش رفت میں شریک نہیں تھے اس لیے ان کے پاس سوالات کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ تھا۔ میں' ویرا کے ساتھ مل کر ان دونوں کو جواب دیتا رہا۔ یوں توحید کمرشل سے گلشن اقبال تک کا سفر باتوں ہی باتوں میں کٹ گیا۔

باتوں کے دوران میں ہم میں سے کوئی بھی تعاقب کے امکان سے غافل نہیں تھا مگر شہر کی بعض ویران سڑکوں سے گزرتے ہوئے ہم نے دیکھ لیا کہ ہمارے پیچھے دور دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی۔

○☆○

اگلے روز میں کافی دن چڑھے بیدار ہوا۔ اس جبری بیداری میں اول خان کے فون اور غزالہ کی کوششوں کا دخل تھا۔ میں نے آنکھیں ملتے ہوئے ریسیور کان سے لگالیا۔

اول خان نے میری غنودہ آواز سے صحیح اندازہ لگا کر کچھ دیر بعد فون کرنے کی پیش کش کی مگر میں نے اسی وقت بات کرنے پر اصرار کیا تو معلوم ہوا کہ مائیکرو آتوز میں مقبول کے نوجوان معاون سے نرگس کا پتا معلوم ہوگیا تھا۔ اس بارے میں وہ ذاتی طور پر کوئی کارروائی کرنے سے قاصر تھا کیونکہ اسے اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن کمانڈروں کے اجلاس میں شرکت کے لیے فوری طور پر پشاور طلب کرلیا گیا تھا۔

اس نے نرگس کا پتا نوٹ کرانے کے بعد بتایا کہ اس کے آدمی اکرم الٰہی کی مسلسل نگرانی پر مامور تھے۔ اس نے حامد کو ہدایت کردی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں سے موصول ہونے والی رپورٹ فون پر مجھ تک پہنچاتا رہے اور مجھے کوئی ضرورت پیش آجائے تو عملی امداد فراہم کرنے میں ذرا بھی تاخیر نہ کرے۔

"تم بہت غلط وقت پر پشاور جارہے ہو۔ اسٹیشن کمانڈروں کے اجلاس کے بارے میں' میں آج پہلی بار سن رہا ہوں۔" میں نے اس کی تمام باتیں سن لینے کے بعد کہا۔

"ایسے اجلاس بہت کم ہوتے ہیں مگر ہوتے رہتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ وہاں سے فارغ ہوتے ہی کراچی لوٹ آؤں۔ حامد تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔"

"نرگس کا پتا اکرم الٰہی کے علم میں آگیا ہوگا؟" میں نے سوال کیا۔

"اسے بھنک بھی نہیں ملی جب سے تم نے اس پر شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے' میں محتاط ہوگیا ہوں۔"

"میں نے اس پر کسی شک وشبے کا اظہار نہیں کیا۔ وہ ویرا کے خیالات تھے۔ میں اکرم الٰہی کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچا جب کہ مقبول چوہدری کے جرائم ہمارے سامنے ہیں۔"

"داؤد سے کام لینے اور پھر اسے قتل کرادینے کے بعد مقبول کی گردن پھنس چکی ہے۔ اکرم الٰہی کو چھتیس دنوں تک حبس بے جا میں رکھ کر اس نے ایک اور جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کوئی شخص کیسے ہی سنگین جرم میں کیوں نہ ملوث ہو' ریاستی قانون دوسرے شہریوں کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اسے اپنی نجی قید میں رکھیں۔"

"مقبول کی طرف سے مجھے بھی خلش ہے۔ وہ ہم سب کو چونا لگا کر نکل گیا۔"

"طور خان سمیت تینوں گن مین اور مقبول کا معاون ہمارے تحویل میں ہیں۔ مائیکرو آتوز کو بند کردیا گیا ہے۔ وہاں صرف ایک مستری بیٹھا ہوا ہے تاکہ وہ گیراج میں موجود چار گاڑیاں ان کے مالکان کو واپس کرسکے۔ مقبول جو اکارڈ لے کر فرار ہوا۔ وہ بھی اسی گاہک کی ملکیت ہے۔"

میرے لیے وہ اطلاعات اطمینان بخش تھیں۔ اول خان کچھ رات گئے دیر سے واپس لوٹا تھا۔ قیدیوں کے علاوہ وہ فرنٹیئر انٹرنیشنل کا مزید کچھ ریکارڈ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ صبح نو بجے مائیکرو آتوز کے عملے سے پوچھ گچھ کے لیے دوبارہ وہاں پہنچنا تھا۔ اکرم الٰہی اپنے بڑھتے ہوئے بالوں کے بارے میں بہت فکرمند تھا۔ اس

Downloaded from https://paksociety.com

کے چہرے کے بالوں میں سر سے بہت زیادہ سفیدی نمایاں تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کلین شیو ہو کر نسبتاً کم عمر بن کر منظرِ عام پر آنے کے بارے میں سوچ رہا ہو۔

میں نے اسے بال ترشوانے سے صرف اس لیے روکا تھا کہ اسے اصل حالت میں متعلقہ حکام تک پہنچایا جاسکے۔ اس بارے میں میرے ذہن میں آئی بی کا ہی نام تھا۔ ایس ٹی ایف والے جن ملک دشمنوں کا حساب خود بے باق نہیں کرتے تھے' ان کو خاموشی سے متعلقہ محکموں کے حوالے کردیتے تھے۔ مقبول ان کی لسٹ پر آیا ہوا ایک متند قاتل تھا جب کہ اکرم الٰہی کے مستقبل کا معاملہ التوا میں چلا گیا تھا۔

تین بجے حامد کا فون آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکرم الٰہی کی ملکیتی بلڈنگ اس علاقے میں اپنے نمبر سے زیادہ مائیکرو سینٹر کے مفروضہ نام سے مشہور تھی۔ وہاں مکمل خاموشی تھی۔ اکرم الٰہی بلڈنگ ہی میں مقیم تھا مگر اس نے منظرِ عام پر آنا پسند نہیں کیا تھا۔ وہ علاقہ بدستور بجلی سے محروم تھا۔ کے ای ایس سی والے جاں فشانی سے جلے ہوئے پی ایم ٹی کی تبدیلی میں مصروف تھے۔ مائیکرو سینٹر کا جنریٹر بند ہوچکا تھا۔ شاید مسلسل استعمال کی وجہ سے اس میں ڈیزل ختم ہوچکا تھا اور وہاں اکرم کی مدد کے لیے کوئی ملازم نہیں تھا جو جنریٹر کا خالی پیٹ بھرنے کا بندوبست کرسکے۔

حامد کو اس عمارت سے نکاس کے دونوں راستوں کا علم تھا۔ مقبول چوہدری نے پچھلی رات اس کی موجودگی میں ہمیں جل دے کر وہاں سے فرار کی خفیہ راہ اختیار کی تھی۔ یہ امکان بہت موہوم تھا کہ اس کے دونوں آدمی کاٹھ کے اُلّوؤں کی طرح وہاں ڈیوٹی دیتے رہ گئے ہوں اور اکرم الٰہی ان کی بے خبری میں وہاں سے نکل گیا ہو مگر پھر بھی میں نے اپنا شبہ دور کرنا ضروری سمجھا اور حامد سے بات ختم ہونے کے بعد اکرم الٰہی کا رہائشی فون نمبر ملالیا۔

تین گھنٹیوں پر اُدھر سے کوئی جواب نہ ملا تو مجھے شبہ ہوا کہ شاید میرا اندیشہ درست تھا مگر چوتھی گھنٹی ختم ہوتے ہی مجھے ریسیور پر اکرم الٰہی کی مختاط آواز سنائی دی۔ اس نے اپنا نام بتائے بغیر صرف ہیلو کہا تھا۔

"تم کہاں تھے؟ کافی دیر سے گھنٹیاں بج رہی تھیں؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اوہ! یہ تم ہو۔" ادھر سے اطمینان کے ایک گہرے سانس کے ساتھ کہا گیا "میں تذبذب میں تھا کہ یہ کال سنوں یا نہ سنوں۔ بس اب یہ طے ہوگیا کہ میں چار گھنٹیاں بجنے کے بعد ریسیور اٹھاؤں گا۔ لوگ عام طور پر اتنے لمبے انتظار کی زحمت کیے بغیر فون بند کردیتے ہیں۔ چوتھی گھنٹی پر میں سمجھ لوں گا کہ تم میں سے کوئی لائن پر ہے.... ہمارے درمیان اتنی مفاہمت ہونے کے باوجود یہ بات بہت عجیب ہے کہ میں تمہارے نام تک سے واقف نہیں ہوں۔"

"تم مجھے مظہر کہہ سکتے ہو۔" اس کی تشفی کے لیے میں نے کہہ دیا پھر پوچھا "تم وہاں سکون سے رہ رہے ہو؟ کسی نے تمہیں پریشان کرنے کی کوشش تو نہیں کی۔"

"ابھی میں اپنی پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں۔ چھت پر کسی نے میرے قیمتی اور بہترین تربیت یافتہ واچ ڈاگز کی جوڑی کو ڈارٹ شاٹس کے ذریعے ہلاک کردیا ہے۔ مجھے ان پر بہت ناز تھا۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "جب انسانی سروں پر تلوار لٹک رہی ہو تو کتوں کے لیے رونا حماقت کے زمرے میں آتا ہے۔ انہیں بھول جاؤ۔ وہ زندہ رہتے تو شاید تم قیدی میں سسک سسک کر مرجاتے۔"

"انہیں تم نے مارا تھا؟" اس کا وہ تحیرزدہ سوال بے ساختہ تھا۔

"کسی نہ کسی نے مارا ہی ہوگا ورنہ وہ زندہ ہوتے۔" میں نے بے اعتنائی سے کہا۔

"کتے مارے گئے' طور خان بھی نہیں ہے۔ میں خود کو پنجرے میں قید ایک وحشی بن مانس سمجھ رہا ہوں۔ کوئی ہرج نہ ہو تو میں اپنا حلیہ درست کرلوں تاکہ گھر سے باہر نکلنے کے قابل ہوسکوں۔"

"جو چاہو' کرتے رہو۔ بس مقبول چوہدری کی طرح نائب نہ ہوجانا۔" میں نے اپنی بات پوری کرکے فون بند کردیا۔ اس کال کے ذریعے میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش بھی کرڈالی تھی کہ اس کی نگرانی نہیں ہورہی تھی۔ اپنی نقل و حرکت کے بارے میں وہ پوری طرح آزاد تھا۔

"تم بلاوجہ ان دونوں پر وقت برباد کررہے ہو۔" ویرا نے وہ گفتگو سن کر رکھائی سے کہا "میری مانو تو مقبول اور اکرم کی گردنیں اتارلو۔ یہ دونوں موذی ہیں اور تمہیں ایذا پہنچائیں گے۔"

"تم بہت سفاک بلکہ خون آشام ہوگئی ہو۔ انسانوں کو یوں چیونٹیوں کی طرح بلاوجہ نہیں مسلا جاسکتا۔"

"مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے ہم اپنی راہ سے بھٹک کر ماموں اور بھانجے کے ذاتی تنازعے میں الجھ گئے ہیں۔" سلطان شاہ نے بالکل ہی مختلف رائے قائم کی ہوئی تھی۔

"وہ ایک ضمنی معاملہ ہے ورنہ فریڈم انٹرنیشنل اور امریکی ایجنٹوں کے درمیان قریبی تعاون کے کھلے ثبوت مل چکے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس بار انہوں نے فورڈ فاؤنڈیشن کی آڑ لی ہوئی ہے۔" ویرا نے اس کی تردید کی۔

"تم امریکی ہو اس لیے کچھ بھی کہہ سکتی ہو ورنہ ہم لوگ کسی ادارے پر الزام تراشی کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ محض اکرم الٰہی جیسے شخص کے بیان اور مقبول کی سرگرمیوں کی بنا پر کوئی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے کہا۔

"تمہاری رائے میں یہ سلسلہ کچھ طول پکڑے گا؟" سلطان شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety

میں نے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا "ہم سے کوئی غلطی نہ ہوئی تو یہ کھیل اگلے چند روز میں اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائے گا اور ہر مخلص کا چہرہ بے نقاب ہو جائے گا۔"

"مجھے یہ معاملہ بہت گہرا نظر آرہا ہے۔" غزالہ نے پہلی مرتبہ زبان کھولی "پاکستان میں امریکی ہر محاذ پر بری طرح پٹ رہے ہیں ..... انہیں جان ومال کے خطرے نظر آرہے ہیں۔ رابن مائروالے قصے کے بعد انہیں سفارتی اور اخلاقی محاذ پر ہزیمت اٹھانی پڑی ہے۔ اب وہ خود پسپا ہو کر پاکستانیوں پر سرمایہ کاری کرنے کے موڈ میں آچکے ہیں۔ پتا نہیں فرینڈ شپ انٹرنیشنل جیسے کتنے این جی اوز ان کے جال میں پھنسنے والے ہوں....."

"وہ تمہارے گھر کو گھر کے چراغوں سے پھونک دینا چاہتے ہیں۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہی اصل اندیشہ ہے جو مجھے پریشان کر رہا ہے۔" میں نے ان دونوں کی تائید کی "غیر ملکی میدان میں الگ سے پہچانے اور پھر گھیر لیے جاتے ہیں۔ مقامیوں کے خلاف اس طرح کھل کر کارروائیاں نہیں کی جاسکتیں۔ ہم نے اپنے طور پر کام کرنا چاہا تو اول خان کو ہم سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔"

اس کلیدی نکتے پر ہم چاروں دیر تک سر کھپاتے رہے لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

میں پہلے سے سوچے ہوئے پروگرام کے تحت پانچ بجے گاڑی لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ میرا ارادہ شریف آباد میں نرگس کے گھر کا جائزہ لینے کا تھا اور موقع مل جاتا تو وہاں کچھ کام بھی کیا جاسکتا تھا۔

میری معلومات کے مطابق شریف آباد 'لیاقت آباد سے آگے' داہنے ہاتھ پر آباد 'فیڈرل بی ایریا کی پہلی متوسط آبادی تھی۔ جہاں گنجان آبادی ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے واقف ہونے پر مجبور تھے۔ تھوڑا سا وقت صرف کرکے میں نرگس سے رابطے کا کوئی نہ کوئی بہانہ نکال سکتا تھا۔

میں حسن اسکوائر اور غریب آباد سے ہوتا ہوا ذرا سی دیر میں شریف آباد کی صاف ستھری اور تعلیم یافتہ آبادی میں داخل ہو گیا۔ میں نے ایک جنرل اسٹور والے سے اس پتے کے بارے میں دریافت کیا تو مکان نمبر دیکھتے ہی وہ بولا "آپ نسرین باجی سے ملنے آئے ہیں۔" میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ مجھے راستے کے بارے میں بتانے لگا۔

اس کے بتائے ہوئے راستے میں اتنے موڑ تھے کہ کچھ آگے جانے کے بعد مجھے بھٹکنے کا احساس ہوا۔ میں نے گاڑی روک کر ایک دکان دار سے سوال کیا تو وہ بھی پتا دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ میں نسرین باجی کا مہمان تھا اور پھر اس نے مجھے راستہ سمجھا دیا۔ وہاں سے آگے بڑھتے ہوئے میرے ذہن میں نسرین باجی کے بارے میں تجسس پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اس علاقے میں دور تک مشہور تھی اور اس کا پتا بیشتر دکان داروں کو ازبر تھا۔

تیسری جگہ میں بلا ضرورت رک گیا۔ اس مرتبہ بھی میرا تجربہ مختلف نہیں رہا۔ اسٹیٹ ایجنسی والے نے ذو معنی انداز میں پتے سے واقفیت ظاہر کرکے نسرین باجی کے گھر کی نشان دہی کی تھی۔

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک خاتون کا اپنے علاقے میں یوں دور دور تک مشہور ہو جانا اچھا نہیں تھا۔ آبادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب اسے ایک نام سے جانتے تھے۔ ان تینوں میں سے کسی نے اس بات پر حیرت ظاہر نہیں کی تھی کہ ایک اجنبی 'نسرین باجی کا گھر کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

مجھے وہ پتا نرگس کے حوالے سے ملا تھا مگر وہاں نسرین نامی کوئی خاتون رہتی تھی۔ پتا نہیں ان دونوں میں کیا تعلق تھا۔ وہ نرگس کی ماں 'بہن' بھاوج یا کچھ بھی ہو سکتی تھی۔

میں نے پُرخیال انداز میں سگریٹ سلگا کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

اس گلی کے تمام مکانات کی چوڑائی یکساں تھی لیکن قطار کے سرے پر واقع نسرین باجی کے گھر کی چوڑائی دگنی تھی۔ میں نے سست رفتاری کے ساتھ وہاں سے گزرتے ہوئے پھاٹک کی جھری پر نگاہ ڈالی تو اندر اکا دکا تو کیا' کوئی بھی گاڑی نظر نہیں آسکی۔ گلی میں' دیوار کے سہارے ایک سوزوکی خیبر ضرور کھڑی ہوئی تھی۔

اکرم الٰہی نے بہت وثوق سے دعویٰ کیا تھا کہ مقبول چوہدری فرار کے بعد نرگس کے گھر پر ہی پناہ لے گا مگر میں اس دعوے سے متفق نہیں تھا۔ خطرات میں گھر جانے کے بعد کوئی عام آدمی بھی ایسے ٹھکانے کا رخ کرنے کی حماقت نہیں کرتا جہاں اس کے پائے جانے کے امکانات دوسروں اور خاص طور پر کسی دشمن کے علم میں ہوں۔

میں وہاں صرف اس ارادے سے پہنچا تھا کہ نرگس سے مقبول کے بارے میں کوئی خبر نکال سکوں۔ نسرین باجی کی شہرت کی وجہ سے مجھے اپنے ارادے میں کامیابی ہوتی نظر آرہی تھی۔

اس مکان کا جائزہ لینے کے بعد میں نے پوری آبادی کا ایک چکر لگایا اور یوں کچھ وقت گزار کر دوبارہ وہاں پہنچا۔ اس وقت تک دیوار کے ساتھ کھڑی ہوئی خیبر جا چکی تھی۔ میں نے اس خالی جگہ میں اپنی گاڑی کھڑی کر دی۔

دل ہی دل میں تیاری کرتے ہوئے میں نے گاڑی لاک کرکے ستون پر لگا ہوا کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ مکان کے اندرونی حصے میں بجنے والی گھنٹی کی مترنم آواز میرے کانوں میں آئی۔ مختصر سے انتظار کے بعد پھاٹک کا ذیلی دروازہ کھل گیا۔

ایک بنی سنوری اور خوب رو لڑکی کو اپنے روبرو پا کر میں چند لمحوں کے لیے سٹپٹایا مگر پھر میں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا "میں نسرین باجی سے ملنے آیا ہوں۔" میں نے اس کے کسی سوال سے پہلے کہہ ڈالا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اندر آجایئے۔" لڑکی نے ایک طرف ہٹ کر مجھے اندر داخل ہونے کا راستہ دے دیا۔

دھرے پلاٹ پر بنا ہوا وہ مکان کافی کشادہ تھا۔ میرا استقبال کرنے والی لڑکی نے معذرت کی کہ ڈرائنگ روم میں کچھ مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ایک چھوٹے اور آراستہ کمرے میں لے گئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے مجھے مکان کے اندرونی حصے میں سرسے پیر تک تیار ایک اور لڑکی گزرتی ہوئی نظر آئی۔

مسہری اور مختصر صوفوں سے مزین' اس کمرے میں بیٹھنے کے بعد میری میزبان نے دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ زبان کھولی "میرا نام نیا ہے.... آپ کو کس نے بھیجا ہے؟"

اس گھر میں رہنے والی بلکہ نظر آنے والی دونوں لڑکیوں میں مجھے خانہ داری کے جوہر کا شدید قحط محسوس ہوا تھا ورنہ عام گھروں میں لڑکیاں یوں ہر وقت تک سک سے تیار ہو کر نہیں رہتیں۔ اس مشاہدے کی بنا پر نسرین باجی کی شہرت کے بارے میں میرے شبہات راسخ ہو گئے۔

"اس وقت تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئے ہیں۔" میں نے ہلکی سی ادا شانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "کچھ عرصے پہلے جاوید نے نسرین باجی کا ذکر کیا تھا۔ آج دل گھبرایا تو میں ادھر نکل آیا۔"

"اچھا! نیا نے میرے بہانے کو بلا عذر تسلیم کرلیا "وہی جاوید جو پلازا پر آٹو پارٹس کا کام کرتے ہیں۔"

"شاید وہی ہو۔ میں یار کی یاری سے مطلب رکھتا ہوں۔ اس کے کام دھندے کی پروا نہیں کرتا۔"

"آپ اچھی باتیں کرتے ہیں۔" وہ ایک ادا کے ساتھ مسکرا کے بولی "میرے ساتھ بیٹھیں گے یا کسی اور سے بھی ملنا پسند کریں گے۔ اس وقت میری دو سہیلیاں بھی یہاں موجود ہیں۔"

"ان میں سے کسی کا نام نرگس بھی ہے؟" میں نے نظریں ترچھی کرکے دھیرے سے پوچھا۔

"نرگس گئی ہوئی ہے۔ میرے ساتھ نیلا اور ماریا موجود ہیں۔ بلاؤں انہیں؟"

"میری میزبانی تم نے کی ہے۔ میں کسی اور کو بلا کر تمہاری دل آزاری نہیں کروں گا۔"

"شکریہ!" وہ پلکیں جھکا کے بولی "ہمارے ساتھ تو روز یہ ہوتا رہتا ہے۔ باجی کی تربیت یہ ہے کہ ہمیں مہمان کی مرضی' پسند اور خوشی کا خیال رکھنا چاہیے۔"

میں نے اس کی دل جوئی کے لیے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو وہ بھڑک کر مجھ سے ذرا دور سرک گئی۔

"نہیں ..... یہ باجی کے اصول کے خلاف ہے۔ پہلے پندرہ سو روپے دے دیں پھر میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہوں گی۔ چاہیں گے تو بوتل بھی آجائے گی۔ پندرہ سو اس کے ہوں گے۔"

"یہ ظلم ہے۔" میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا "تمہاری وقعت ایک بوتل سے بہت زیادہ ہے۔"

"یہ آپ کی مرضی ہے۔ جو دیں گے' سلام کرکے قبول کرلوں گی۔" اس کے چہرے پر پہلی نظر پڑنے کے بعد میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ اس قدر بے حجابی سے سارے معاملات از خود طے کرلیتی ہوگی۔

میرا خیال تھا کہ میں نے نیلا اور ماریا کو بلانے سے انکار کرکے نیا کے دل کے کسی گوشے میں ذرا سی جگہ پیدا کرلی تھی۔ اس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار کر شاید میں کام کی کوئی بات معلوم کرسکتا تھا۔

میں نے اسے دو ہزار روپے دیتے ہوئے یہ بات جتادی کہ اس میں پانچ سو روپے صرف اور صرف اس کے تھے۔ اس نے میرے قریب ہو کر مجھے سلام کیا' پانچ سو کا ایک سبز نوٹ اپنے بلاؤز میں اڑسا اور ایک منٹ کی اجازت لے کر کمرے سے نکل گئی۔ میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگالی۔

چند منٹ بعد وہ آئی اور مجھے وہاں سے اٹھا کر ایک اندرونی خواب گاہ میں لے گئی جو پہلے کمرے سے زیادہ کشادہ' آراستہ اور خوشبو دار تھی "پانچ سو روپے اس کمرے کے ہوں گے۔" اس نے اٹھلا کر کہا۔

دو ہزار روپے سے محرومی کے بعد نیا کی وہ نئی شرط میرے لیے بہت ناگوار ثابت ہوئی مگر میں اس وقت نرگس کے گھر میں موجود تھا اس لیے اپنے غصے کو پی گیا۔ میں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "اگر میں تمہیں لے کر ڈرائیونگ پر جانا چاہوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔"

"بالکل نہیں۔" وہ خوش ہو کر بولی "یہاں ایسے دلیر مہمان بہت کم آتے ہیں۔ ہمارے ساتھ باہر نکلنے میں ہر ایک کو اپنی عزت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔"

"بے وقوف ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس چار دیواری میں قدم رکھتے ہی اپنی عزت گنوا بیٹھتے ہیں۔ آدمی کی اصل عزت وہ ہوتی ہے جو خود اس کے دل میں' اپنے لیے ہوتی ہے۔"

"ایک بات بتادوں۔ تم رات بھر بھی مجھے شہر میں گھماتے رہو تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔" معاملات طے ہوتے ہی وہ آپ جناب سے تم پر آگئی اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "آخر میں تمہیں پھر یہیں آنا پڑے گا۔ باجی اپنی لڑکیوں کو کسی ہوٹل میں نہیں جانے دیتیں۔ وہاں آئے دن پولیس کی پکڑ دھکڑ ہوتی رہتی ہے۔"

"فائیو اسٹار ہوٹلوں میں پولیس قدم تک نہیں رکھتی۔" میں نے اسے آزمانے کے لیے کہا۔

"وہ ہنس پڑی "پانچ ہزار کے کمرے میں راتیں گزارنے والے پندرہ سو میں ہمیں نہیں لے جاتے۔ ان کے کام دوسرے ہوتے ہیں۔ تم ان میں سے معلوم نہیں ہوتے.... وہ اپنا بندوبست فون پر

Downloaded from https://paksociety.com

کرلیتے ہیں۔"

میں نے اپنی مرضی سے اسے پانچ سو روپے فاضل ادا کردیے تھے مگر مجھے بے وقوف بن کر پانچ روپے لٹانا بھی منظور نہیں تھا۔ میں نے اس پر واضح کردیا کہ کمرے کی ضرورت ہوئی تو واپسی پر کچھ طے کرلیا جائے گا۔

اس نے میری بات سے نہ جانے کیا مفہوم نکالا کہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ وہ بے باک ضرور تھی مگر بد تمیز نہیں تھی۔ اپنی ہنسی پر قابو پا کر جلد ہی میرے ساتھ ہولی۔

اس وقت سورج اپنے سفر کی آخری منزل کی طرف رواں تھا' فضا میں ہر طرف اجالا پھیلا ہوا تھا۔ گھر سے باہر نکل کر میں نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا تو میں اس پر ترس کھائے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ خوب صورت اور کم عمر تھی۔ نہ جانے کن مجبوریوں کے تحت گناہوں کی اس بھیانک دلدل میں اتری ہوئی تھی۔

یہ اس پیشے کا عالمی اصول ہے کہ پہلی ملاقات پر لڑکی کا ماضی کریدنے کی فطری کوشش کی جائے تو وہ ہمیشہ اپنی مظلومیت اور بے چارگی کے اظہار کے لیے ایک مخصوص اسلوب اختیار کرتی ہے۔

میں نے گفتگو کی ابتدا اس کے مختصر سے نام سے کی تو اس نے اعتراف کیا کہ وہ اس کا فرضی نام تھا۔ گھر یار کی عزت کے لیے وہ اور اس جیسی ہر لڑکی اپنا اصل نام چھپاتی تھی۔

وہ ایک غریب گھرانے کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ چند برس پہلے' باپ کے انتقال کے بعد ماں' تین چھوٹی بہنوں اور سب سے چھوٹے بھائی کی کفالت کا بوجھ سر پر پڑا تو وہ گھر سے ملازمت کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ وہ خوش رو اور خوش گفتار تھی' انٹر پاس تھی۔ اسے آسانی سے ملازمت مل گئی مگر دو سرے ہی ہفتے اسے اندازہ ہوگیا کہ اس کا باس اس سے دفتری کاموں کے ساتھ کچھ ذاتی کام بھی لینا چاہتا تھا۔ اپنے شان دار دفتر کی خلوت میں اس نے نیا کو شان دار مستقبل کے خواب دکھا کر اپنے پنجگل میں لینا چاہا تو وہ خوف زدہ ہو کر اس کے دفتر سے بھاگ نکلی۔

اس نے وہاں سے اپنے دس پندرہ دن کے واجبات بھی نہیں لیے اور گھر لوٹ کر دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

پہلے بھیانک تجربے کے کئی روز بعد اس نے دو سری کوشش کی۔ تیسری تنخواہ کے ساتھ اسے ملازمت سے جواب مل گیا کیونکہ اس نے اپنے مالک کے سیکریٹری سے عشق لڑانے سے انکار کردیا تھا۔ ادھیڑ عمر سیکریٹری نے اپنی ناکامی پر جھلا کر نیا کے خلاف' اپنے مالک کے ایسے کان بھرے کہ اس نے اپنے دفتر میں ایک طویل لکچر دے کر نوکری سے نکال دیا۔

وہ پے در پے کئی ناکام تجربات سے گزری۔ ہر بار اسے یہ سبق ملا کہ اس جیسی لڑکی صرف نوکری کرکے اپنے گھر والوں کا پیٹ نہیں پال سکتی۔ اسے کچھ نہ کچھ گندے سمجھوتے بھی کرنے پڑیں گے۔

اسی دوران میں اس کی نظروں سے ایک بیوٹی پارلر کا اشتہار گزرا۔ وہ انٹرویو کے لیے پہنچی تو نسرین باجی اپنی سہیلی کے بیوٹی پارلر میں موجود تھی۔ اس کے گھریلو حالات کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کرنے کے بعد نسرین باجی نے کھل کر اسے بتا دیا کہ چھ ہزار روپے ماہانہ کے عوض کیا کرنا ہوگا۔

نیا کو نسرین باجی کی یہ ادا پسند آئی کہ وہ دوغلی نہیں تھی۔ جو چاہتی تھی' کھل کر بتا رہی تھی۔ دو سرے آجر پکے منافق ثابت ہوئے تھے۔ خشک اور معصوم بلکہ بارعب کاروباری چہروں کے پیچھے' کہیں نہ کہیں ہوس کا جال بچھائے بیٹھے تھے۔ کہتے کچھ تھے' چاہتے کچھ اور تھے۔

نیا نے سوچا کہ گھر والوں کا پیٹ بھرنے کے لیے یہی سب کرنا ہے تو پھر کیوں نہ باجی کے لیے کیا جائے۔ وہ اسے دگنی تنخواہ کی پیشکش کررہی تھی۔ نیا نے گھر والوں کو بتایا کہ اسے شام سے رات تک کے لیے بیوٹی پارلر میں چھ ہزار کی نوکری مل گئی ہے تو بیوہ ماں کی آنکھیں ممتا کے نور سے چمک اٹھیں۔ اس کے ہاتھ بیٹی کی ترقی کی دعا کے لیے اٹھ گئے۔

واپسی میں دیر سویر کو نیا نے اپنی نئی نوکری کا معمول بتایا تھا۔ سب جانتے تھے کہ دلہنوں اور بیگمات کے میک اپ میں کتنا وقت لگتا ہے۔ شہر میں تقریبات دیر سے ہوتی ہیں' اس لیے "گاہک" دیر سے آتی ہیں اور ان کی تیاری میں نیا کو بھی دیر ہوجاتی ہے۔

تنخواہ کے علاوہ' وہ کبھی کبھار اوپر کی آمدنی کے دو چار سو اپنی ماں کے ہاتھ میں دینے لگی تو کسی کو کوئی فکر اور تشویش ہی نہ رہی۔ سب ان بیگمات اور دلہنوں کے حق میں دعائے خیر کرتے تھے جو نیا کا زیادہ وقت لیتی تھیں تو اسے دل کھول کر انعام بھی دیتی تھیں۔

اس کام میں باجی کی بیوٹی پارلر والی سہیلی بھی کسی نہ کسی حد تک شریک تھی۔ کسی بھی لڑکی کے لیے گھر بار سے فون آتا تو وہ بہانا کردیتی کہ مطلوبہ لڑکی کہیں خضاب یا مہندی لگانے گئی ہوئی ہے۔ فون پر باجی کے ذریعے لڑکی کو پیغام ملتا تو وہ اپنے گھر فون کرلیتی۔ یوں ہر ایک کا بھرم رہ جاتا تھا۔

میں اس کہانی کے دوران میں نیا سے ہمدردی بھی ظاہر کرتا رہا۔ میں اس کی ذہنی رو کو ایسی راہ پر ڈال رہا تھا کہ وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کو فراموش کرکے مجھے اپنا ہمدرد اور بہی خواہ محسوس کرنے لگے۔

مختلف علاقوں کی سیر کرتے ہوئے ہم شام کو کلفٹن کے ساحل پر پہنچے تو بہت دور' سورج کا قرمزی اور نارنجی گولا دھیرے دھیرے آسمان اور پانی کی چھوتی ہوئی لکیر سے نیچے ڈوب رہا تھا۔

"ساحل پر سورج ڈوبنے کا منظر کس قدر حسین ہوتا ہے!" نیا جذباتی لہجے میں بولی۔

"یہاں سورج واقعی ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے۔ شہر میں تو یہ صرف غروب ہوتا ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"تم نے میری ساری رام کہانی سن لی۔ اب اپنے بارے میں بھی کچھ بتاؤ نا!" کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد نیا نے میرا بازو بھینچ کر مجھ سے مطالبہ کیا۔

"مجھے میرے پارٹنر نے کئی لاکھ روپے کی چوٹ دی ہے۔" میں نے اداسی سے کہا "اور اب وہ غائب ہے۔ بس' ونی غم غلط کرنے کے لیے میں آج تمہاری طرف آیا تھا۔ نرگس ہوتی تو وہ میرے زخموں پر کچھ مرہم رکھ سکتی تھی۔"

"نرگس! تم نے دوسری بار اس کا نام لیا ہے۔ کیا وہ تمہیں جانتی ہے؟"

"ہم دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے مگر مجھے یہ معلوم ہے کہ میرا دغاباز پارٹنر نرگس پر بُری طرح مرتا ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارے پارٹنر کا؟" نیا چالاک تھی مگر تجربے کار نہیں تھی' تجسس میں مبتلا ہوگئی "تم نے تو بتایا تھا کہ تمہیں جاوید نے باجی کا نام اور پتا دیا تھا۔"

میرا جی چاہا کہ اس کا منہ بند کردوں۔ نسرین نے باجی جیسے مقدس رشتے کو بری طرح پامال کیا ہوا تھا۔ وہ عورت باجی نہیں' پاجی کہلانے کی مستحق تھی مگر میں نے ضبط سے کام لیا اور مضمحل سی آواز میں نیا کو بتایا "یہ اتفاق ہے کہ جاوید اور مقبول' دونوں تمہاری باجی کی ڈیوڑھی کے غلام ہیں...."

"اوہو.... تو مقبول نے تمہیں لاکھوں کا دھوکا دیا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔

"تم مقبول کو جانتی ہو؟ اس کا پورا نام مقبول چوہدری ہے۔" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ آتا رہتا تھا۔ پچھلے ہفتے سے غائب ہے۔" نیا کے لب ولہجے سے نفرت ابلی پڑ رہی تھی "وہ بہت مکار' خود غرض اور گھمنڈی ہے۔ باجی کو پیسے دے کر ہم لوگوں سے اپنا اور نرگس کا بدن دبواتا ہے۔ جب سے اس نے نرگس پر ہاتھ رکھا ہے' اس کمینی کے بھی نخرے ہوگئے ہیں۔ باجی نے اسے کام سے ہٹا دیا ہے اور اس کی جگہ نئی لڑکی رکھ لی ہے۔"

مقبول کے خلاف اس کی نفرت کا اندازہ ہوتے ہی میں اپنی نشست میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "نرگس کام نہیں کرتی تو آج کہاں گئی ہوئی تھی؟"

"وہ کہیں بھی نہیں گئی۔ میں نے تم سے بہانا کیا تھا۔ وہ پیچھے کے بڑے بیڈ روم میں مقبول کے زخموں کی مرہم پٹی کر رہی تھی۔"

نیا کا لہجہ تحقیر آمیز تھا "کسی نے اسے چار چوٹ کی مار ماری ہے۔ وہ کل رات سے باجی کے گھر میں پڑا ہوا ہے۔ اس کی اکارڈ باجی نے خود ایر پورٹ پر چھوڑی تھی۔"

نیا میرے مطلب کے موضوع پر آئی تو اس نے اپنی معلومات کا خزانہ لٹانا شروع کردیا۔ اکارڈ کے بارے میں اس کے اچھوتے انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"گاڑی ایر پورٹ پر کیوں چھوڑی؟ یہ باتیں تم مجھے اب بتا رہی ہو؟"

"وہ باجی کے پاس چھپا ہوا ہے۔ گاڑی وہاں سے ملے گی تو لوگ سوچیں گے کہ وہ جہاز سے کہیں اور چلا گیا ہے۔ باجی گاڑی چھوڑ کر ٹیکسی سے واپس آئی تھیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ میں اس دھوکے باز کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"رات کو وہ آیا تو تین لڑکیاں گھر میں مہمانوں کو بھگتا رہی تھیں۔ رات کی باتیں انہوں نے بتائیں اور اس لولے زخمی کو تو ہم خود دیکھ چکے ہیں۔ سب اس کی نوکرانیاں بنی ہوئی ہیں مگر باجی نے سب کو منع کردیا ہے کہ مقبول کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔"

"پھر تم یہ باتیں مجھے کیوں بتا رہی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

میرے سوال پر وہ سٹپٹا گئی "تم.... تم ہی نے تو پوچھا تھا۔ تم اس کا نام نہ لیتے تو میں تمہیں ایک لفظ بھی نہ بتاتی۔"

اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے میں ہنس پڑا "اس نے تمہاری باجی کو اپنے زخموں کے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"یہ نہیں معلوم.... لڑکیوں سے سنا ہے کہ کسی سے اس کا جھگڑا ہوگیا تھا۔ وہ ان لوگوں سے چھپنے کے لیے باجی کے گھر آیا ہے۔ زخم بھر جائیں گے تو جا کر اپنے دشمنوں سے بدلہ لے گا۔"

"اسے وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا "وہ کسی ہوٹل میں چلا جاتا۔"

"ہوٹل میں وہ تماشا بن جاتا۔ تم نے نہیں دیکھا کہ اس کا پورا منہ زخمی ہے اور ایک بازو پٹیوں میں بندھا ہوا ہے۔ ہوٹل والے ایسے آدمی کو کمرا کیسے دیتے؟"

"تم نے اپنی باجی کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مجھے یہ سب باتیں بتائی ہیں۔ نسرین کو پتا چلے گا تو وہ تمہیں کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دے گی۔" میں نے اسے پکا کرنے کے لیے کہا۔

"تم بتاؤ گے تو انہیں پتا چلے گا ورنہ انہیں کیا معلوم کہ ہم کیا باتیں کرتے رہے ہیں۔"

"اگر میں نسرین کو بتا دوں تو کیا ہوگا؟" میں نے گاڑی گھماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مجھے نوکری سے نکالتی ہے تو نکال دے۔ دو برسوں میں' میں نے بہت کام سیکھ لیا ہے۔ میں چل پھر کر اس سے زیادہ پیسے کما سکتی ہوں۔ یہاں بس ایک بھرم ہے کہ میں بیوٹی پارلر میں کام کرتی ہوں۔"

"دیکھو! مقبول نے میرا پیسا کھایا ہوا ہے اور تمہیں موقع بے موقع ذلیل کرتا رہتا ہے۔ تم ذرا سی ہمت کرو تو ہم دونوں مل کر اس سے بدلہ لے سکتے ہیں۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"ساحل کا منظر اس قدر حسین ہے۔ تم گاڑی کہاں لیے

Downloaded from https://paksociety.com

جارہے ہو؟" نیا نے میری بات سنی اَن سنی کر کے احتجاج کیا "میں ابھی گھر واپس نہیں جاؤں گی۔"

"میں تمہیں گھر نہیں لے جارہا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تم میری بات کا جواب دو۔"

"میں اس ذلیل آدمی سے بدلہ لے کر کیا کروں گی؟ خدا اسے خود ہی ذلیل اور خوار کررہا ہے پھر بھی باجی اسے اپنا داماد بنانے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ وہ پیسے پر جان دینے والی عورت ہے۔"

"داماد!" میں نے حیرت سے دہرایا "تو کیا نرگس' نسرین کی بیٹی ہے؟"

"نرگس اور ثریا اس کی بیٹیاں ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ باجی گندے بازار سے اٹھ کر شریفوں کی بستی میں آبسی ہے جب ہی اپنی بیٹیوں کو بھی کام پر لگایا ہوا ہے۔ جب سے نرگس نے مقبول پر ڈورے ڈالے ہیں' وہ روز نئے نمونوں کی بدتمیزیاں برداشت کرنے سے بچ گئی ہے۔"

نسرین کے بارے میں نیا کی رائے سے اختلاف کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہیں تھی۔ اس کی رگوں میں شریف خون دوڑ رہا ہوتا تو وہ خود جو چاہتی' کرتی رہتی لیکن اپنی بیٹیوں کو غلط راستے پر نہ لگاتی۔ نیا اس سے ہزار درجے بہتر اور عظیم تھی کہ اپنے گھر کی عزت کی خاطر نام بدل کر وہ گندی نوکری کررہی تھی۔ جائز روزی کے حصول کے لیے اس کا ہر تجربہ ناکام ہوچکا تھا اور اس نے مجبوری کے عالم میں' محض اپنے گھر والوں کے لیے' نسرین کی نوکری قبول کی تھی۔

"تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ گھر جاکر نسرین کو ایک بات سمجھانی ہے کہ اب مقبول بالکل کنگال ہوچکا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ مقبول کو گھر سے نکال دے گی۔"

"وہ یقین ہی نہیں کرے گی۔" نیا نے پورے وثوق سے کہا۔ "وہ ابھی تک تلملا رہی ہے کہ مقبول نے ذرا سے ڈر کی وجہ سے اپنی لاکھوں کی گاڑی بلاوجہ ایرپورٹ بھجوا دی۔ وہ اسے اپنے استعمال کے لیے رکھنا چاہ رہی تھی۔ مقبول نے اسے ڈانٹ کر گاڑی لے جانے پر مجبور کیا تھا۔"

"تم ہمت کرو تو نسرین کیا' مقبول بھی تمہاری بات کو نہیں جھٹلا سکے گا۔" میں نے اصرار کیا "مقبول بالکل قلاش ہے۔ کل تک وہ اپنے ماموں کے مال پر عیش کررہا تھا' آج ماموں اس کی تلاش میں ہے...."

"کیا....؟" نیا کا منہ حیرت سے کھل گیا "تمہارا مطلب ہے کہ تم مقبول کے ماموں ہو۔"

"نہیں۔" میں نے جھلا کر کہا "اس کا ماموں کوئی اور ہے۔ میری طرح وہ بھی اس کی تلاش میں ہے اور رات کو وہ چور کی طرح چھپتا چھپاتا جس گاڑی میں وہاں پہنچا تھا' وہ چوری کی تھی۔ کل تک یہ خبر اخباروں میں آجائے گی۔"

"پیسا ماموں کا تھا' گاڑی چوری کی تھی تو پھر اس نے نرگس پر لاکھوں روپے کیسے لٹا دیے....؟"

"وہ اپنے ماموں کے پیسے کو آگ لگا رہا تھا۔ اب اس کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوچکا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اسے سمجھانا چاہا۔

وہ اپنے جسم سے چھ ہزار روپے مہینہ کمانے والی ایک غریب لڑکی تھی' لاکھوں کا وہ ہیر پھیر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا "میں نسرین سے یہ سب کہہ دوں پھر تم اپنا مال واپس لینے کے لیے شریف آباد پر چڑھائی کردو گے؟" اس نے الجھے الجھے انداز میں سوال کیا۔

"اس کے لیے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پر کوئی آنچ نہ آئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری باتیں سن کر مقبول خود وہاں سے بھاگ نکلے گا۔ نسرین کو اس سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں باہر اسے گھیر لوں گا۔ نسرین نے اپنی زبان بند رکھی تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"میں اسے کیا بتاؤں گی؟ وہ پوچھے گا کہ یہ ساری باتیں مجھے کس نے بتائی ہیں؟" وہ روہانسی ہونے لگی۔

"وہ حواس باختہ ہوجائے گا' اسے تم سے کچھ پوچھنے کا ہوش نہیں رہے گا۔" میں نے اس کا شانہ سہلاتے ہوئے کہا "پوچھے تو کہہ دینا کہ نئے مہمان یا گاہک نے بتائی ہیں۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔ تم نے ابھی تک مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ کیا یہی سب بتانے کے لیے مجھے وہاں سے نکال کر کلفٹن لائے تھے؟" میرے ولاسے سے بھی اس کی تشفی نہیں ہوسکی۔

"اچھا ہوا کہ بے خبری میں ہم وہاں سے نکل آئے۔ نسرین کے گھر میں بیٹھے رہتے اور اچانک اس سے سامنا ہوجاتا تو وہاں بہت خون خرابا ہوتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچان لیتے اور جھگڑا شروع ہوجاتا۔"

"تم کیسی باتیں کررہے ہو....؟ میرے ہاتھ پیروں میں خوف سے اینٹھن ہورہی ہے۔ رک رک کر شروع سے بتاؤ کہ مجھے کیا کہنا اور کرنا ہے۔" نیا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

میں نے ایک بار پھر اسے اس کا رول سمجھانا شروع کردیا۔ وہ ہراس کے عالم میں پوری توجہ سے میری بات سن رہی تھی۔

"مجھے اپنے ساتھ کہیں لے چلو۔" پوری بات سن لینے کے بعد وہ پھر پھیل گئی "میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ مقبول کو مجھ پر شبہ ہوگیا تو میں بے موت ماری جاؤں گی۔"

مجھے غصہ آگیا "تم ایسی کی تیسی میں جاؤ۔ میں تمہیں کہیں نہیں لے جاسکتا۔ گھر میں گھس کر اسے ماروں گا اور پھر جو کچھ ہوگا' اس کی ذمے دار تم ہوگی۔"

اس نے باقاعدہ رونا شروع کردیا اور مجھے گاڑی فوراً ہی ڈیفنس کی ایک سنسان گلی میں موڑنی پڑ گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

کچھ دیر تک میں دانت پر دانت جمائے دھیمی رفتار سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ جب اس کے سُرسبز نہ ہوئے تو میں نے گاڑی ایک خالی پلاٹ پر پڑے ہوئے کچرے کے ڈھیر پر چڑھا کر روک دی۔

ہیڈ لیمپس کی روشنی میں سامنے کا منظر دیکھ کر وہ خوف زدہ ہوگئی۔ اس حرکت کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ وہ رونا بھول گئی "گاڑی یہاں کیوں روکی ہے؟" اس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"اب تمہارے حلق سے رونے کی منحوس آواز برآمد ہوئی تو تمہارا گلا دبا کر تمہیں یہیں پھینک دوں گا۔" میں نے خشک اور غصیلے لہجے میں اسے دھمکی دی۔

"اب تو میں خاموش ہوں۔ گاڑی یہاں سے اتارلو۔ میں وہی کروں گی جو تم کہہ رہے ہو۔"

میں نے ایک جھٹکے سے گاڑی ریورس کی اور دوبارہ سڑک پر آگیا۔

کچھ دیر تک خاموش رہ کر میں نے اپنا غصہ ضبط کیا پھر اسے حکم دیا "اب جلدی جلدی بتاتی چلی جاؤ کہ تمہیں نسرین سے کیا کیا کہنا ہے۔"

کچھ دیر پہلے تک وہ حماقت میں خود کررہا تھا۔ میرے آنکھیں دکھانے پر اس نے اپنا آموختہ' بدلے ہوئے الفاظ میں دہرانا شروع کردیا۔ یہ غنیمت تھا کہ میرا بتایا ہوا اصل متن اس کی ناکارہ کھوپڑی میں جم چکا تھا۔

میں نے چلتی کار میں موبائل فون کی میموری کی مدد سے گھر کا نمبر ملایا۔

فون پر سلطان شاہ موجود تھا۔ میری آواز سنتے ہی چہکنے لگا "شام سے تم کہاں غائب ہو۔ تمہاری طرف سے سب فکرمند ہیں۔ تم نے جاتے ہوئے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"میں اپنے اچھے بُرے کو خوب سمجھتا ہوں۔ کہیں آنے جانے کے لیے مجھے تمہاری یا کسی اور کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کن انکھیوں سے نیا کا ردِعمل دیکھتے ہوئے درشت لہجے میں کہا "میں دو ہزار روپے میں اس وقت ایک لڑکی کے ساتھ عیش کررہا ہوں۔ تم نے زیادہ بکواس کی تو میں اس کا منہ توڑ دوں گا۔"

"اوہ.... تم یہ سب کہے سنا رہے ہو؟ کیا واقعی تمہارا معیار اتنا پست ہوگیا ہے کہ بات چوبیس ہزار روپے درجن تک پہنچ گئی ہے؟" سلطان شاہ موقع کی نزاکت کو فوراً بھانپ گیا۔

"ہاں۔ میں اسی کا منہ توڑوں گا کیونکہ اس نے رو رو کر میرا دماغ خراب کردیا ہے۔ مقبول اسی کی ناٹکہ کے گھر میں چھپا ہوا ہے اور یہ اسے میرے ہاتھوں سے بچانا چاہتی ہے۔"

"مبارک ہو!" سلطان شاہ وہ خبر سنتے ہی شاید خوشی سے اچھل پڑا "یقین نہیں آتا کہ تم نے اتنی آسانی سے اپنے گم شدہ ہدف کو ڈھونڈ نکالا ہے۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟"

"یہ شریف آباد جاکر اسے گھر سے نکالے گی اور میں اسے گھیرلوں گا۔ تم فوراً الاعظم کے نمکو سینٹر یا اسپتال کے پاس پہنچ جاؤ۔ کتوں والی مشین ضرور ساتھ لے آنا۔"

"ڈارٹ گن کے ساتھ شاید بلیو شاٹس کی ضرورت ہوگی۔" سلطان شاہ کا ذہن پوری طرح کام کررہا تھا "عورتوں کو تو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"فی الحال یہی ایک کافی ہے۔ تم پوری بات سمجھ گئے ہو۔" میں نے فون بند کردیا۔

"برا نہ مانو تو مجھے بھی بتادو کہ تم کس سے بات کررہے تھے۔" نیا نے ہولے سے کہا۔

"ایک دوست تھا۔ کارپوریشن میں کتے پکڑنے کا کام کرتا ہے۔ مقبول کو وہی پکڑے گا۔" اس بار میں نے نرمی سے جواب دیا۔ زیادہ تلخی کا مظاہرہ کرکے میں اسے بددل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں ڈر رہی تھی کہ کہیں تم پولیس کو نہ بلالو۔ نسرین دردی والوں سے بہت ڈرتی ہے۔ اس سے ملنے کے لیے وہ لوگ سادہ کپڑوں میں آتے ہیں۔"

"میں اپنے معاملے خود نمٹاتا ہوں۔ پولیس' تھانے سے کوئی مدد نہیں لیتا۔"

"یہ خیال رکھنا کہ نسرین کے گھر کے پاس کوئی گڑبڑ نہ ہو۔" کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نیا نے التجا کی "وہاں ہم پانچ لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ وہ ٹھکانا بند ہوا تو پانچوں گھروں کے چولہے بجھ جائیں گے۔"

"تھوڑی دیر پہلے تم کہہ رہی تھیں کہ تمہیں اس نوکری کی پروا نہیں ہے۔ تم خود بھی بہت کچھ سیکھ گئی ہو۔"

"شاید میں نے جوش میں کہہ دیا ہوگا۔ آج کل بے عزتی کے کاموں کے لیے بھی عزت دار ٹھکانے کی ضرورت ہوتی ہے پھر ہمارے سروں پر نسرین کا ہاتھ بھی ہے۔ اس سے ہمیں بہت زیادہ حوصلہ رہتا ہے۔"

میں چپ رہا۔ اس کے الفاظ نے میرے ذہن میں ایک طوفان سا برپا کردیا تھا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' وہ اس کی زندگی کا سچا تجربہ تھا اس کے سوا سب کچھ جھوٹ تھا۔

"تم دوسرے مردوں کی طرح نہیں ہو۔ مجھے بہت اچھے لگے ہو۔" آخر نیا نے ہی وہ سکوت توڑا "دوسرے تو ہماری بوٹی بوٹی سے اپنی رقم کا معاوضہ وصول کرتے ہیں.... تم چپ کیوں ہوگئے ہو؟"

"مجبور اور بے بس لڑکیوں کے سامنے مجھے ایسی ہی چپ لگتی ہے' چالاک لومڑیوں کا شکار کھیلنے میں لطف آتا ہے۔"

"تم سے بعد میں ملاقات ہوسکتی ہے؟" اس نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

میں نے بوجھل دل کے ساتھ اپنا موبائل فون نمبر بتایا جو اس نے گاڑی میں موجود قلم اور کاغذ کی مدد سے نوٹ کرلیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

شریف آباد میں' میں نے نیا کو نسرین کے مکان سے دانستہ کچھ دور اتارا تاکہ اس کے گھر میں گھسنے سے پہلے میں سلطان شاہ کو لے کر وہاں پہنچ سکوں۔

اسے اتار کر میں آگے بڑھا تو اسپتال کی دیوار کے قریب سلطان شاہ میرا منتظر تھا۔ اسے لے کر میں تیزی سے نسرین کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا اور سلطان شاہ کو بریف کرنا شروع کردیا۔

میرے لیے دو نکات اہم تھے۔ اپنی گاڑی کو نیا کی نگاہوں سے بچانا اور نسرین کے مکان کے اگلے اور پچھلے راستوں پر بیک وقت نگاہ رکھنا۔ ان دونوں کا حل بہت سادہ تھا۔

نیا کو سامنے کے دروازے سے گھر میں داخل ہونا تھا۔ میں نے سلطان شاہ کو ادھر مامور کردیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ مقبول وہاں سے بھاگنے کے لیے پیچھے والی تنگ' کچی اور گندی گلی استعمال کرے گا۔ میں نے اپنی گاڑی اس طرح پارک کی کہ وہ نیم تاریک گلی میری نگاہوں میں رہے۔

نسرین کا گھر علاقے میں ویسے ہی بدنام تھا۔ قرب و جوار میں رہنے والوں میں سے کسی نے میری گاڑی اور سلطان شاہ کی مشتبہ موجودگی کو محسوس کرلیا ہو تب بھی کسی نے ہمارے منہ لگنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ننگ اور بدنام لوگوں سے شرفا کی کنارہ کشی نے معاشرتی بگاڑ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ ہر برے آدمی کو یہ یقین ہوتا تھا کہ وہ کہیں بھی پہنچ کر غنڈا گردی کرے' کوئی اسے روکنے کے لیے پیش قدمی نہیں کرے گا۔ پورا معاملہ اس کے اور متاثرہ فریق کے درمیان ہی طے ہوگا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں فاصلے کے لحاظ سے حساب لگاتا رہا کہ نیا کب گھر میں داخل ہوئی ہوگی اور کب اس نے نسرین کو اعتماد میں لیا ہوگا۔

میری توقع سے کہیں زیادہ وقت گزر گیا لیکن وہ انتظار رائیگاں نہیں گیا۔ خاصے طویل وقفے کے بعد نسرین کے مکان کا پچھلا دروازہ کھلا' کسی دراز قامت مرد نے سر نکال کر دائیں بائیں دیکھا اور پھرتی سے گلی میں آکر میری مخالف سمت میں چل دیا۔ اس کی چال' قامت اور جسامت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقبول چوہدری ہی تھا۔

نسرین کا مکان کونے پر واقع تھا۔ گھر سے نکل کر وہ چند قدم چلتا اور گندی گلی سے باہر آجاتا مگر مقبول نے بالکل مخالف سمت اختیار کی تھی۔ وہ مکانوں کی ایک طویل قطار عبور کرکے ہی دوسری طرف نکل سکتا تھا۔

میں نے تیزی سے گاڑی گھمائی' سلطان شاہ غافل نہیں تھا۔ کسی غیر معمولی سرعت کا مظاہرہ کیے بغیر وہ مجھ سے آملا اور میں نے گاڑی اگلی گلی میں موڑلی۔

"وہ گندی گلی کے آخری سرے پر نمودار ہوگا۔ ڈارٹ گن تیار کرلو۔" میں نے اسے ہدایت کی۔

"اسے بہت لمبی گلی طے کرنی پڑے گی۔ تم مجھے پہلے سے وہاں اتار دو۔ پیدل رہ کر میں اسے آسانی سے اپنا نشانہ بنا سکوں گا۔ گاڑی میں بیٹھا رہا تو فاصلے اور ہوا کی وجہ سے نشانہ خطا ہوسکتا ہے۔"

سلطان شاہ کی وہ بات تجربے پر مبنی تھی۔ مقبول نے آدھی گلی بھی طے نہیں کی ہوگی کہ میں نے سلطان شاہ کو آخر میں اتار کر گاڑی کو ذرا فاصلے پر کنارے سے لگا دیا۔

سلطان شاہ چہل قدمی کے انداز میں پتلی گلی کے سامنے سے گزرا اور مقبول کی پوزیشن کے مطابق چند قدم دور جاکر واپس ہولیا۔

اس کا اندازہ اس قدر صحیح ثابت ہوا کہ ادھر مقبول لمبے لمبے ڈگ بھرتا' گلی سے نکل کر داہنی طرف مڑا اور ادھر سلطان شاہ اس سے چند قدم پیچھے پہنچا ہوا تھا۔ اردگرد پھیلی ہوئی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر سلطان شاہ نے جیب سے داہنا ہاتھ باہر نکال کر ڈارٹ گن چلائی' مقبول چلتے چلتے لڑکھڑا کر اپنی جگہ پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کے جسیم وجود کے گرنے کی آواز اتنی پرشور تھی کہ کچھ فاصلے پر موجود افراد بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اسے گرتا دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

اس دوران میں سلطان شاہ کی ڈارٹ گن دوبارہ اس کی جیب میں غائب ہوچکی تھی۔ وہی مقبول چوہدری سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ دوڑ کر فوراً اس کے پاس پہنچ گیا۔ دوسروں کو واقعے کے سرپیر کا کچھ علم نہیں تھا جب کہ مجھے ڈارٹ شاٹ کی فکر تھی۔ اندھیرے میں سلطان شاہ کے داہنے ہاتھ کی حرکت سے میں نے اندازہ کرلیا کہ قربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' اس نے ڈارٹ کو مقبول کے بدن سے نکال کر کہیں اچھال دیا تھا۔

اس کے گرد مجمع لگتے ہی میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے بڑھا کر ایسی جگہ پر لے گیا جہاں سے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی نے مقبول کو نہلا دیا تھا۔

اس پر روشنی پڑتے ہی سب کے دہانوں سے تحیر زدہ آوازیں نکلیں اور انہوں نے اس کے ساکت وجود کو اٹھاتے اٹھاتے زمین پر ڈال دیا۔

"اوہ! یہ تو پہلے سے بہت زیادہ زخمی ہے.... اس کا پورا چہرہ پرانی چوٹوں سے سوجا ہوا ہے۔ شاید ایک ہاتھ بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گر کر مرچکا ہے۔"

بھانت بھانت کے ان تبصروں میں سلطان شاہ کی تحیر زدہ آواز بھی شامل تھی۔ اپنی بناوٹی حیرت کا اظہار کرنے کے بعد اس نے دوسروں کو مخاطب کیا "اٹھاتے اٹھاتے اسے پھینک کیوں دیا؟ یہ زندہ ہے یا مردہ' اس بے چارے کو کسی اسپتال تو پہنچا دو۔ گاڑی بھی کھڑی ہے۔"

میں نے ہیڈ لیمپس بجھائے بغیر انجن بند کیا اور ہینڈ بریک کھینچ

Downloaded from https://paksociety.com

کر تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"یار یہ چلتے چلتے گرا تھا۔ اپنی گاڑی میں اسے اسپتال چھوڑ دو گے؟" مقبول کے گرد جمع ہونے والوں میں سے ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا۔

"یار، مجھے جلدی ہے۔ اٹھا کر کسی بھی کلینک پر لے جاؤ۔" میں نے کہا۔

"کوئی نیا آدمی ہے۔ پتا نہیں کہاں سے آیا ہے۔ مجھے تو یہ پولیس کیس لگتا ہے۔" ایک آدمی یہ کہہ کر تیزی سے اپنی راہ ہولیا۔ کسی نے اسے ملامت نہیں کی۔

"بھائی! اسپتال پہنچا کر چلے جانا۔ تمہارا وقت انسانی جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے پوری سنجیدگی سے میری خوشامد کی "آج کل تو لوگوں کے دل پتھر ہو گئے ہیں۔"

"اچھا!" میں نے نیم دلی سے کہا "پھر جلدی اٹھاؤ اسے۔ وقت خراب مت کرو۔"

وہاں لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ چند افراد نے مقبول کو اٹھا کر میری گاڑی کی پچھلی نشست پر ڈالا۔ سلطان شاہ ہمدردانہ انداز میں اس کا سر گود میں لے کر اندر گھس چکا تھا۔

"ایک دو آدمی اور آجاؤ۔ اسپتال میں اسے اتارنا بھی ہوگا۔" میں نے دعوت دی۔

مجمع میں سے کوئی آگے نہیں آیا۔ کسی نے ہانک لگائی "وقت خراب مت کرو۔ تم دونوں ہی اسے لے جاؤ۔ اسپتال والے خود اتار لیں گے۔"

"لعنت ہو تم لوگوں کی بزدلی پر۔" گاڑی کا انجن بیدار ہونے پر سلطان شاہ کھڑکی میں سے غرایا "کل تم میں سے بھی کسی کو ایسی مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

میں گاڑی کی رفتار بڑھا چکا تھا۔ ہم مقبول چوہدری کو بھرے مجمع میں سے نکال لانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

پیچھے ہلکا سا دھما کا ہوا اور پھر سلطان شاہ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی "تیرے لیے سیٹ سے زیادہ پائیدان ہی اچھا ہے۔ میرے کپڑے بھی مٹی سے گندے کروا دیے مردود نے۔"

وہ چلتی گاڑی میں بندر کی سی پھرتی سے اچک کر میرے برابر والی نشست پر آگیا۔

"اب بتاؤ کہ تم نے اس کا کھوج کیسے نکال لیا۔" مشن پورا ہو جانے کے بعد سلطان شاہ نے جرح شروع کر دی "مجھے اندازہ نہیں تھا تم اکیلے ہی اس کی تلاش میں نکل جاؤ گے۔"

"ہم دونوں ہوتے تو گھوم گھام کر واپس لوٹ جاتے۔ یہ اس علاقے کے ایک بدنام اڈے میں چھپا ہوا تھا۔" میں نے اس کے بے تکے سوالات سے بچنے کے لیے خود ہی سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔

"تو یوں کہو کہ نسرین باجی کی شیطان جیسی شہرت نے تمہیں کوئی فیصلہ کرنے میں مدد دی!" سلطان شاہ نے مختصر سی کہانی سننے کے بعد اطمینان سے کہا۔

"بنیادی بات یہی تھی۔" میں نے اس سے اتفاق کیا "یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں مقبول کا سامنا کیے بغیر، نیا سمیت وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہماری کامیابی میں نیا کا کردار بہت اہم ہے۔ گھر پہنچنے کے بعد وہ اپنا ارادہ بدل لیتی تو ہم ساری رات انتظار ہی میں سوکھتے رہتے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ خراب شہرت کے باوجود لوگ اپنے درمیان نسرین جیسی شیطان صفت عورت کا وجود برداشت کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہاں جانے والوں کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔" وہ بولا۔

"یہ خرابیاں شرمناک ہیں مگر ہم ان کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے جن تین افراد سے پتا معلوم کیا، وہ خود رنگین مزاج رہے ہوں۔ ان میں سے کوئی بھی نیک نفس ہوتا تو بے اعتنائی برت کر اپنی لاعلمی کا اظہار کر سکتا تھا۔"

"اتنے بڑے شہر میں اتنی آسانی سے ایک مطلوب مجرم کا سراغ لگانا آسان کام نہیں تھا۔ اب تم نے اسے پکڑ ہی لیا ہے تو کہاں لے جاؤ گے؟"

"تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اس کا ذہن ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"گھر لے گئے تو یہ شور شرابا یا ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔" وہ سوچتے ہوئے بولا "بہتر یہی ہے کہ اسے صدف مینشن پہنچا دو۔ آئی بی والوں نے تمہیں اس عمارت کے استعمال کی اجازت دی ہوئی ہے۔"

"آئی بی والوں کو خوشی ہوگی کہ ہم اپنا قیدی صدف مینشن میں لے جائیں مگر پھر یہ ان کا کیس بن جائے گا۔ وہ ابھی تک پنڈت منوہر لال کے معاملے میں الجھے ہوئے ہیں۔"

"ان سے مل بیٹھنے کے بعد ہمیں ان کے ضابطوں کی پابندی کرنی پڑے گی۔" سلطان شاہ پُر تشویش انداز میں بڑبڑایا "ہم اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے۔"

"ہم من مانی ہرگز نہیں کرتے۔" میں نے اس کی تصحیح کی "ہاں خدائی فوج دار بنے ہوئے ہیں۔ اپنے ضمیر کے مطابق بہترین فیصلے کرتے ہیں اور ان پر عمل کر گزرتے ہیں۔"

"میں یہی کہہ رہا تھا کہ اس معاملے میں ہماری آزادیاں سلب ہو جائیں گی۔"

"تم اسٹیشن فور کو کیوں بھول رہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اول خان پشاور گیا ہوا ہے۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ "وہ ہوتا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔"

"یہ تمہاری نفسیاتی گرہ ہے۔" میں نے ہنس کر کہا "حامد

Downloaded from https://paksociety.com

سمیت ایس ٹی ایف کے بیشتر افسران ہم سے واقف ہیں اور ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے ہیں۔ مقبول چوہدری ان ہی کی تحویل میں بہتر رہے گا۔"

سلطان شاہ اپنی بغلیں جھانک کر رہ گیا پھر کھسیائے ہوئے انداز میں بولا "تم میرا امتحان لے رہے تھے؟"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے۔ پتا نہیں تم ہر وقت سماروں کی تلاش میں کیوں رہتے ہو۔"

اس وقت ہم حسن اسکوائر کے چوراہے سے گزرنے والے تھے۔ وہ جلدی سے بول پڑا "گاڑی گھر کی طرف سے نکال لو۔ ان دونوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"اس وقت تمہارا دماغ ماؤف معلوم ہو رہا ہے۔ انہیں فکر ہوتی تو اب تک کئی فون آ چکے ہوتے۔"

"وہ فون نہیں کریں گی۔ میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ موبائل فون کی گھنٹی غلط موقع پر بجنے لگے تو مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔" اس کی وضاحت کچھ زیادہ ہی بودی تھی۔ وہ بھول رہا تھا کہ موبائل فون بند کر کے غلط موقع پر کسی کی مداخلت کے خطرے کو میں خود ہی دور کر سکتا تھا۔

"ادھر جانے کی ضرورت نہیں' فون پر انہیں بتا دو۔" میں نے موبائل فون اسے دے دیا۔

حسن اسکوائر سے ہم یونیورسٹی کی طرف گھوم گئے۔ وہ اسٹیشن فورتک پہنچنے کا قریب ترین راستہ تھا۔

میں ڈرائیونگ میں مصروف رہا۔ سلطان شاہ فون پر ویرا سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

رات زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ سڑک پر ٹریفک کا ایک سیلاب رواں تھا۔ راستے میں دو مقامات پر پولیس کی گاڑیاں نظر آئیں لیکن پُرہجوم ٹریفک کی.....روانی میں خلل کے خطرے کی وجہ سے پولیس کے جوان گاڑیوں کی دیکھ بھال پر زیادہ دھیان نہیں دے رہے تھے۔ میں ویسے بھی سڑک کے انتہائی داہنے سرے پر گاڑی چلانے کا عادی ہوں اس لیے ہم کسی روک ٹوک کے بغیر سفر طے کرتے چلے گئے لیکن چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر ہماری گاڑی روک لی گئی۔

ملٹری پولیس کے سنتری نے عقبی نشست کے پائیدان میں مقبول چوہدری کے ٹھٹھرے ہوئے وجود کی جھلک دیکھتے ہی اپنے ہولسٹر سے پستول نکال کر ہم پر تان لیا۔ اس کی ہینڈز اپ کی للکار سنتے ہی چوکی پر کھلبلی مچ گئی۔ سب نے میگزین لوڈ کر کے اپنی گنیں سیدھی کیں اور ہماری گاڑی کو نشانے پر لے لیا۔

ہم دونوں اپنے اپنے دروازے کھول کر' ہاتھ اٹھائے گاڑی سے اتر آئے۔

"ہم اسٹیشن فور جا رہے ہیں۔ ایس ٹی ایف کے لیے کام کرتے ہیں۔" میں نے بتایا۔

کسی نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔ کئی آہنی نالیں بیک وقت ہمارے جسموں سے آ لگیں اور پھر چیک پوسٹ کے انچارج نے ہماری جامہ تلاشی لے کر بھانت بھانت کے کئی ہتھیار اپنی تحویل میں لے لیے۔

"گاڑی کنارے سے لگا کر دفتر میں آؤ۔" افسر نے سلطان شاہ کو ہدایت دی اور مجھے اپنے ساتھ اندر لے گیا۔

"تمہاری شناخت!" دفتر میں پہنچ کر اس نے مطالبہ کیا مگر میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ کرنل جمال دستی کے نام پر بنا ہوا شناختی کارڈ گھر پر ہی محفوظ تھا۔

"ہم سویلین ہیں۔ تم فون پر ایس ٹی ایف کے کسی افسر سے بات کر سکتے ہو۔"

اس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورا پھر سرد لہجے میں پوچھا "نام کیا ہے تمہارا؟"

میں چند لمحوں کے لیے تذبذب میں پڑ گیا۔ اس وقت ہم بہت خراب پوزیشن میں تھے۔ میں کوئی فرضی نام لیتا تو حامد اس کی تصدیق نہ کرتا۔ چیک پوسٹ والوں کا رویہ فوراً جارحانہ ہو جاتا۔ وہ لوگ ہمارے خلاف خطرناک کمانڈو ایکشن کر کے چند لمحوں میں مجروح اور بے بس کر سکتے تھے۔

"ڈینی!" میں نے دھیرے سے کہا۔

میرا نام سنتے ہی انچارج کے خشم ناک تیور اعتدال پر آئے اور پھر لمحوں ہی لمحوں میں تحیر زدہ نظر آنے لگے۔ "سر! آپ کرسی پر بیٹھ جائیں۔" اس نے مؤدب لہجے میں کہا۔

ماتحت عملے کے لیے ان الفاظ میں پیغام پوشیدہ تھا۔ میرے بدن سے لگی ہوئی تینوں آہنی نالیں الگ ہو گئیں اور میں نقاہت کے احساس کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سر! ہم ڈسپلن سے مجبور ہیں۔" انچارج فون پر ایک نمبر ملاتے ہوئے کہہ رہا تھا "ضروری شناخت کے بغیر ہم آپ کو اندر نہیں چھوڑ سکتے۔ آپ کی گاڑی میں ایک زندہ یا مردہ بندہ بھی ہے۔"

اس کا نمبر مل گیا اور اس نے فوراً ہی میرے بارے میں بات شروع کر دی۔ چند مکالموں کے تبادلے کے بعد اس نے ریسیور میرے حوالے کر دیا۔ دوسری طرف حامد ہی موجود تھا۔

"سوری سر!" اس نے میری آواز پہچاننے کے بعد مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا "اب آپ ریسیور صوبیدار میجر کو دے دیں۔ یہ اپنی ڈیوٹی پوری کر رہے ہیں۔"

فون پر شناخت ہوتے ہی ہمیں اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ صوبیدار میجر نے ہمارے ہتھیار لوٹاتے ہوئے بہت تپاک سے ہم دونوں سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس نے میرے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا مگر میں نوٹ کر چکا تھا کہ میرا نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ نام سنتے ہی اس کے تیوروں اور لہجے میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

چیک پوسٹ سے گزرنے کے بعد ہمارا سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کی چیک پوسٹ پر حامد خود ہمارے استقبال کے لیے موجود تھا۔

وہ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں مقبول چوہدری کو ہماری تحویل میں دیکھ کر بے اعتباری سے سر ہلا کر رہ گیا "رات کو یہ ہمارے سامنے بھاگا تھا اور اب اس حال میں ہے۔ ایسی کامیابیوں کے بارے میں بس سوچا جاسکتا ہے۔ ان کی مثالیں شاذونادر ہی ملتی ہیں۔"

"اس کی گاڑی ایئرپورٹ کی پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی مل جائے گی۔" میں نے اسے بتایا "اسے آج ہی منگوالو۔ صبح کے اخباروں میں مائیکرو آٹوز سے چوری ہونے والی اس گاڑی کی بازیابی کی خبر ضرور آنی چاہیے۔ میرے انفارمر کے تحفظ کے لیے خبر میں گاڑی کا نمبر ضرور شامل ہونا چاہیے۔"

"سر!" حامد نے اپنی ایڑیاں بجا کر کہا "میں ابھی سنٹرل پولیس کنٹرول سے بات کرلوں گا۔"

"قیدی بہت سخت جان مگر زخمی ہے۔" میں نے اسے مقبول چوہدری کے بارے میں بریف کیا "اسے کل دوپہر تک اس حال کو پہنچا دو کہ یہ جھوٹ نہ بول سکے۔"

"مجھے علم ہے، سر!" وہ بدستور مؤدب تھا "یہ قاتل اور غدار ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اسٹیشن فور کی قید، موت سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ یہ خود بولنے لگے گا۔"

"میں کل فون کرکے خود یہاں آؤں گا۔ اس کے لیے مجھے کارڈ کی ضرورت ہوگی تاکہ ایم پی چیک پوسٹ پر کوئی دقت نہ ہو۔ قیدی نہ ہو تب بھی میں ہر وقت مسلح رہتا ہوں۔"

"سوری سر۔ شناختی کارڈ کے لیے صرف چیف کے پاس اتھارٹی ہے۔ وہ لوگ میرے دستخط نہیں مانیں گے۔ میں فون پر چیف کو آج کا واقعہ بتا دوں گا۔ وہ کوئی ایسا بندوبست کردیں گے کہ ان کی واپسی تک آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ آج کے واقعے پر میں شرمندہ ہوں۔ کل آپ فون کریں گے تو میں خود ملٹری پولیس والوں کے پاس پہنچ کر آپ کے آنے کا انتظار کروں گا۔"

اول خان سے پہلے خود اس نے میرا مسئلہ حل کردیا تھا۔ آمد کا پیغام ملنے پر وہ خود چیک پوسٹ پر پہنچ جانے کا وعدہ کررہا تھا تو مجھے کسی پریشانی کی ضرورت نہیں تھی۔

میرے ایما پر اس کے آدمی مقبول کو میری گاڑی سے نکال کر اس کی جیپ میں منتقل کررہے تو اس نے وہیں کھڑے کھڑے مجھے اکرم الٰہی کے بارے میں رپورٹ دینی شروع کردی۔

اس عمارت میں موجود سات فون بند کیے جاچکے تھے۔ اکرم الٰہی کے زیر استعمال، دوسرے فلور کا فون کام کررہا تھا اور اس پر مسلسل آبزرویشن اور مانیٹرنگ کا بندوبست کیا جاچکا تھا۔ میں نے رسمی طور پر اس کی کارکردگی کی تعریف کی ورنہ موبائل فون کی موجودگی میں اکرم الٰہی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی اہم گفتگو کے لیے پی اینڈ ٹی کی لائن استعمال کرنے کا خطرہ مول لے گا۔

حامد ہمیں دفتر تک لے جانے اور ہماری مدارات کرنے پر مصر تھا مگر میں اس کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ مجھے اندازہ تھا کہ مقبول کی بے ہوشی طویل بھی ہوسکتی ہے۔ ہم اسٹیشن فور پر رک کر اپنا وقت برباد کریں گے۔

چیک پوسٹ پر ہی مقبول کو حامد کی تحویل میں دے کر ہم دونوں نے واپسی کا سفر شروع کردیا۔ اس مرتبہ ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ نے سنبھال لی تھی۔

ہم صفورا چوک سے یونیورسٹی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے کال وصول کرنے والا بٹن دبا کر انسٹرومنٹ کان سے لگایا تو وہیرا بول رہی تھی "تم لوگ اس وقت کہاں ہو اور کب تک گھر واپس پہنچ رہے ہو؟"

"ہم راستے میں ہی ہیں۔ تمہیں ہماری کیا ضرورت پیش آگئی؟" میں نے پوچھا۔

"میں اپنی ضروریات کے بارے میں خود کفیل ہوں۔ جلال دو مرتبہ تمہارے لیے فون کرچکا ہے۔"

"سلطان شاہ نے فون کیا تھا تو تم نے اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"دونوں کالز اس کے بعد آئی ہیں۔ وہ تم سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اسے تمہارا موبائل نمبر نہیں دیا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پہنچنے سے پہلے اس کا تیسرا فون بھی آجائے۔"

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کس سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"بتایا ہوتا تو میں سب سے پہلے اسی بات کا ذکر کرتی۔ لوٹ رہے ہو تو بس سیدھے گھر چلے آؤ۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ہم دس منٹ سے پہلے گھر میں موجود ہوں گے۔" میں نے کال منقطع کردی۔

میں نے اپنے ذہن پر خاصا زور دیا مگر یہ یاد نہ آسکا کہ ہمارے اور آئی پی والوں کے درمیان پنڈت منوہر لال کے سوا اور کون سا معاملہ چل رہا تھا۔ اسلام آباد سے میری اور اول خان کی واپسی سے پہلے پنڈت اس حد تک راہِ راست پر آچکا تھا کہ ان کی توقعات سے بڑھ کر ان سے تعاون کررہا تھا۔

سلطان شاہ ان معاملات سے بہت زیادہ باخبر نہیں تھا۔ اسے وہی موٹی موٹی باتیں معلوم تھیں جو میں اسے بتاتا رہا تھا۔ وہ جلال کی تازہ ترین پریشانی کے بارے میں میری مدد کرنے سے قاصر تھا۔ اس موضوع پر اس سے بات کرنے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی اور کراچی کے ناخواندہ ٹیکسی ڈرائیوروں کی طرح ہارن کا بے جا استعمال کرتا ہوا ہر گاڑی سے آگے نکلتا

Downloaded from https://paksociety.com

چلا گیا۔

دس منٹ سے پہلے ہم واپس گھر پہنچ چکے تھے۔ ہمیں مزید کوئی کام درپیش نہیں تھا اس لیے سلطان شاہ نے گاڑی پورچ میں لگا کر پھاٹک مقفل کردیا۔

میرے ذہن پر جلال کی فون کالز سوار تھیں۔ ویرا کو مقبول چوہدری کی کہانی جاننے کی بے چینی تھی۔ ایک غزالہ تھی جو راضی بہ رضا رہنے والی انتہائی صابر اور قانع مخلوق تھی۔ میں ویرا کو سلطان شاہ کے حوالے کرکے ڈرائنگ روم سے ہی جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

ویرا نے مجھے یہ بتا کر حیران کردیا تھا کہ وہ اس وقت بھی گھر کے بجائے اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔

جلال نے بہت تپاک سے میری مزاج پرسی کی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ فوراً ہی اپنے مقصد کی طرف آگیا۔

"میں نے تم سے فریڈم انٹرنیشنل کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بارے میں کیا ہو رہا ہے۔"

وہ سوال سنتے ہی میں سنبھل گیا "اکرم الٰہی بیرون ملک گیا ہوا ہے۔ یہ معاملہ اس کی واپسی تک ٹال دیا گیا ہے۔" میں نے نپا تلا جواب دیا۔

"میں نے اول خان کو فون کیا تھا مگر وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ اس کے بعد ہی میں نے تمہاری تلاش شروع کی تھی۔ ایسا تو نہیں ہے کہ اول خان نے ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی ہو۔"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ قیاس یہی ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ مشترک مفادات ہوں تو وہ مجھے اعتماد میں ضرور لیتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس بار یہ میری خوش فہمی ہی ہو۔ تمہیں اچانک فریڈم والے کیوں یاد آگئے؟"

"بعض امریکی سفارتی افسران نے ہماری وزارتِ خارجہ کے افسروں کی نیندیں حرام کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے۔ اب انہوں نے شکایت کی ہے کہ پاکستان میں غلط سرکاری کاموں کے خلاف آواز اٹھانے والی این جی اوز کو بے رحمی سے ہراساں کیا جارہا ہے۔ امریکا ایسے اقدامات کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔"

"کیا انہوں نے اس بارے میں فریڈم انٹرنیشنل کا خاص طور پر نام لیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" جلال نے اقرار کیا "سارا زور ان ہی پر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے فریڈم انٹرنیشنل کے سربراہ کو بے دردی سے مار پیٹ کر اس کے دفتر میں توڑ پھوڑ کی گئی۔ کل رات کچھ دہشت گردوں نے پورے علاقے کی بجلی اڑا کر دفتر پر دھاوا بول دیا۔ اسے اپنی جان بچانے کے لیے دفتر اور گھر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اب سب کچھ بند پڑا ہوا ہے۔"

"ان سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ اس این جی او کا سربراہ ملک سے باہر ہے تو وہ کس کی بات کررہے ہیں۔"

"انہوں نے اکرم الٰہی کے بھانجے' مقبول چوہدری کا نام لیا ہے جو اپنے ماموں کی غیر حاضری میں فریڈم انٹرنیشنل کے سارے امور کی دیکھ بھال کررہا ہے۔"

جلال کی وضاحت نے میرے سامنے پوری پچویشن عیاں کردی۔ مقبول چوہدری نے نرگس کی آغوش میں پناہ لینے کے بعد یقینی طور پر اپنے کسی امریکی آقا سے رابطہ کرکے اسے ظلم کی داستان سنائی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے ماموں کا ذکر گول رکھا تھا۔ وہ شکایت ان ہی خطوط پر وزارت خارجہ تک جا پہنچی تھی۔

"اب انہوں نے ساری ذمے داری ہماری حکومت پر رکھ دی ہے۔" جلال اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "اگر مقبول کو مزید کوئی نقصان پہنچا تو اس کی ذمے دار ہماری حکومت ہوگی۔"

"انہیں بتا دو کہ فریڈم انٹرنیشنل پوری طرح فعال ہے۔ مقبول اپنی کسی ذاتی مجبوری کی وجہ سے زیر زمین چلا گیا ہے۔ اس سے کسی کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔ میں مسلسل ان کے دو نمبر ملانے کی کوشش کررہا ہوں مگر وہ کٹے ہوئے ہیں۔ وہاں سے کوئی جواب مل گیا ہوتا تو میری آدھی پریشانیاں ختم ہوسکتی تھیں۔"

"ان کا دفتر ایک چار منزلہ عمارت کی پہلی منزل پر ہے۔ تم میرا دیا ہوا نمبر ملاؤ۔ چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد تمہیں اندر کی کہانی مل جائے گی۔" میں نے اسے اکرم الٰہی کا ڈائریکٹ نمبر نوٹ کرادیا۔

"میں یہ نمبر بھی ملالوں گا مگر تم بھی تو کچھ بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے۔ اگر مقبول چوہدری اس نمبر پر موجود ہے تو امریکی افسر کیوں باؤلے کتوں کی طرح بھونکے جارہے ہیں۔"

"میں نے مقبول کا نام نہیں لیا۔" میں نے اس کی تصحیح ضروری سمجھی۔ "تمہاری بات فریڈم انٹرنیشنل کے اصل سربراہ' اکرم الٰہی سے ہوگی۔"

"وہ باہر سے کب واپس آیا؟" جلال میری پالیسی کو سمجھ گیا تھا اور بہت محدود مگر ہنگامی نوعیت کے سوالات کررہا تھا جن کے جواب امریکیوں کو دوبارہ خاک چاٹنے پر مجبور کرسکتے تھے۔

"وہ باہر نہیں تھا۔ چھبیس دنوں تک زیرِ زمین رہنے کے بعد منظرِ عام پر آیا ہے۔"

"وہ منظرِ عام پر آیا تو مقبول زیرِ زمین چلا گیا۔ کیا یہ ماموں بھانجے اکٹھے نہیں رہ سکتے؟"

"مقبول فی الحال روپوش ہوا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی زیرِ زمین بھی چلا جائے گا۔ تم...."

میری بات کا مطلب سمجھتے ہی جلال نے اضطراری لہجے میں میری بات کاٹ دی "تم جو کچھ کررہے ہو' کرتے رہو۔ میں تمہیں نہیں روکتا لیکن اپنی رفتار ذرا دھیمی رکھو۔ اسے اتنی مہلت ضرور

Downloaded from https://paksociety.com

دے دو کہ یہاں کی الجھنیں دور ہو سکیں۔ جنگ میں بھی فوجیں دشمن کے علاقے کو رک رک کر، مرحلے وار فتح کرتی ہیں۔ وہ ٹینکوں سے سب کچھ روندتی چلی جائیں تو آگے فتح ہوتی رہتی ہے مگر پیچھے سے آنے والا بد نظمی اور تباہی کا ریلا سب کچھ بہالے جاتا ہے۔ کم از کم اول خان کی آمد کا انتظار کرو۔ وہ سپاہی ہے، میری رائے سے اتفاق کرے گا۔"

"تم امریکیوں کی اس تیز ترین شکایت سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ مقبول کی ڈوریاں کون ہلا رہا ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے، سراسر ہمارے خلاف جا رہا ہے۔"

"میں تمہاری ہر بات سے متفق ہوں" جلال نے جواب دیا "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ عرصے کے لیے حالات کو جوں کا توں رہنے دو تاکہ میں امریکیوں کا دباؤ ختم کرانے میں کامیاب ہو سکوں۔"

"میں کوشش کروں گا لیکن کوئی وعدہ نہیں کر سکتا" میں نے پورے خلوص سے جواب دیا۔ "جو شخص دونوں ہاتھوں سے، دن رات اپنی قبر کھودنے میں مصروف ہو اسے کوئی کب تک بچا سکتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کہ رات کو کسی کے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد بھی اس نے ہوش کے ناخن نہیں لیے۔ اپنے کسی باپ سے شکایت لگا دی۔ وہ اس سے بھی گھٹیا حرکت کر سکتا تھا۔"

"میں تم سے کچھ اگلوانے کی کوشش نہیں کر رہا۔" اچانک جلال کا لہجہ بہت نرم اور محتاط ہو گیا "مقبول چوہدری جہاں بھی ہے، تمہاری نظر میں ہے یا تم اب بھی اس کی تلاش میں ہو؟"

میں جلال کے سوال پر دل ہی دل میں ہنس کر رہ گیا پھر اسے جواب دیا "وہ ہماری نظروں میں ہے بلکہ یوں سمجھ لو کہ ہم جب چاہیں گردن پکڑ کر اس نیولے کو رگڑ سکتے ہیں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" جلال کی آواز میں اطمینان امڈ آیا "وہ تمہاری نظروں میں ہے تو اپنے بل میں گھسا رہے گا، کوئی نئی حماقت نہیں کرے گا۔"

"اب تم مجھے کب تک پیش قدمی کی اجازت دے سکو گے؟"

"جلد از جلد، وقت کا تعین میرے بس سے باہر ہے۔ حالات کے تحت ہم انہیں آنکھیں دکھاتے رہتے ہیں لیکن تم جانتے ہو کہ ہمیں آخر کار ان کی خوشنودی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اپنی بہت سی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہم ان کی مدد لینے پر مجبور ہیں۔"

"یہ نازک معاملے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میں تمہارے فون کا منتظر رہوں گا۔"

"میں تمہارے دیے ہوئے نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کر کے تمہیں ابھی فون کروں گا۔ میرے لیے یہ خبر حیرت ناک ہے کہ وہ باہر جانے کے بجائے کراچی میں ہی کہیں رہ رہا تھا۔"

میں نے اکرم الٰہی کی روپوشی کے بارے میں جلال کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ گفتگو وہیں ختم کر کے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اس سے پہلے کہ امریکیوں کے دباؤ پر ہمیں مقبول چوہدری کو رہا کرنا پڑے، تمہیں اسے مار دینا چاہیے۔" پوری بات سمجھ میں آتے ہی سلطان شاہ ہتھے سے اکھڑ گیا "وہ غدار اور نمک حرام ہے۔"

"غور کرو تو موجودہ حالات بھی بہت دلچسپ ہیں" ویرا نے سگریٹ کا کش لے کر نتھنوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے کہا۔ "امریکی اسے آزاد سمجھ کر اس کے حق میں پورا زور لگا رہے ہیں۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ اس وقت ہمارے جال میں پھنس کر بے بس ہو چکا ہے تو وہ تلملا اٹھیں گے۔"

"خود مقبول کو اندازہ نہیں ہو گا کہ وہ کسی بھی لمحے پھٹ پڑنے والے آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھا ہوا ہے۔" میں نے محظوظ ہوتے ہوئے نکتہ لگایا "نرگس اور نسرین کے گھر میں خود کو بالکل محفوظ و مامون سمجھ کر اس نے کسی امریکی سے رابطہ کیا ہو گا لیکن وہاں زیادہ وقت گزارنے سے پہلے اسے بدحواس ہو کر بھاگنا پڑا..."

"نیا جیسی بھی ہو، ہمارے لیے وہ قابل احترام ہیں چکی ہے" غزالہ نے میری بات پوری ہونے سے پہلے کہا "مقبول کو نسرین کے گھر سے نکال کر ہمارے چنگل میں پھنسانے کا سہرا اسی کے سر جاتا ہے۔"

"میں پہلے ہی اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ تم بلاوجہ یہ بات دہرا رہی ہو۔" میں نے کہا۔

غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں بلاوجہ بولنے کی عادی نہیں ہوں۔ میں نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا مگر مجھے اس سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ بہتر زندگی گزارنے کے لیے اسے سہارا دیں، اس کی مدد کریں۔"

"گڈ لک ڈینی!" ویرا نے اچھل کر نعرہ لگایا۔ "غزالہ تمہیں اس سے شادی کرنے کی چھوٹ دے رہی ہے۔ تمہاری طرح نیا بھی بہت خوش نصیب معلوم ہوتی ہے۔"

سلطان شاہ زیر لب مسکرایا مگر غزالہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس نے ویرا کو مخاطب کر کے سنجیدگی سے کہا "کسی لڑکی کی مدد شادی کے بغیر بھی کی جا سکتی ہے۔ اسے تھوڑا سا سرمایہ مل جائے تو وہ اپنا کوئی باعزت روزگار شروع کر سکتی ہے۔"

"تمہیں مذاق پر اتنا سنجیدہ نہیں ہونا چاہیے" ویرا نے ڈھٹائی سے جواب دیا "میں ڈینی کو اچھی طرح جانتی ہوں، یہ بھول کر بھی دوسری شادی نہیں کرے گا۔"

سلطان شاہ کو اس پر چوٹ کرنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہارے فتوے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم چپکے چپکے ایسی کوششیں کرتی رہی ہو۔"

"تم بکواس کرو گے تو میں تم پر ہاتھ چھوڑ بیٹھوں گی" ویرا اس

Downloaded from https://paksociety.com

پر غرائی۔

"ارے.... تم بھی مذاق میں سنجیدہ ہونے لگیں" سلطان شاہ نے دور سرکتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا "ابھی تو تم غزالہ کو اس کے برعکس مشورہ دے رہی تھیں۔"

"ڈیئر! اسے سمجھالو" ویرا بے بسی سے ہنس کر بولی۔ "یہ مذاق کرنا ہی نہیں جانتا۔ جب بولتا ہے' چٹکیاں لینے کی کوشش کرتا ہے۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی نے نوک جھوک کا وہ سلسلہ وہیں روک دیا۔ میں نے جلدی سے ریسیور اٹھالیا۔

"اس کی کہانی حیرت ناک بلکہ ناقابل یقین ہے۔" دوسری طرف سے جلال کسی تمہید کے بغیر بول رہا تھا "بہت اچھا ہوا کہ مجھے تم سے مشورہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اکرم الٰہی نے بہترین مواد فراہم کیا ہے۔ میں امریکیوں کے دانت کھٹے کردوں گا۔ وہ جان بوجھ کر مقبول چوہدری جیسے احسان فراموش درندے کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مقبول کے بارے میں میری باتیں بے وقت کی راگنی نہیں تھیں۔"

"میں تمہاری ہر بات بہت سنجیدگی سے سنتا ہوں۔ ایسا نہ ہوتا تو مجھے اکرم کو فون کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن وہ شخص بالکل احمق ہے۔ اس نے ایک نئی مشکل کھڑی کردی ہے۔"

"کیسی مشکل...؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اس نے چوتھی گھنٹی بجنے کے بعد فون اٹھایا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی خطرے کی وجہ سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ اس کی زبان کھلوانے کے لیے میں نے گفتگو کی ابتدا اپنے باضابطہ تعارف سے کی اور وہ بار بار میرے احسان کا ذکر کرکے آخر تک شکریہ ادا کرتا رہا۔ میرے مسلسل انکار کے باوجود یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی ہے کہ میرے آدمیوں نے اسے مقبول چوہدری کے چنگل سے نجات دلائی تھی۔"

"تمہیں اس سے کیا پریشانی ہے؟ اچھا ہے کہ وہ تمہارا احسان مند رہے گا۔"

"یہ بات کہیں اور پڑے گی۔ اس جھگڑے کے ایک فریق کے طور پر ہمارا نام بھی ملوث ہوا تو امریکیوں کے موقف کو تقویت ملے گی۔ وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ فریڈم انٹرنیشنل کو حکومت کے اشارے پر تنگ کیا جارہا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ ابھی تک اپنے اصل محسنوں سے بے خبر ہے۔"

"ہم اس پر کوئی احسان کرنے نہیں گئے تھے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ وہ وہاں قید تھا اور ہماری وجہ سے اسے آزادی مل گئی۔ وہ کوئی باقاعدہ آپریشن نہیں تھا۔"

"اس کی غلط فہمی دور کرو۔ معاملات سدھارنے کے لیے ایسا ہونا بہت ضروری ہے۔"

"فی الحال ہم نے اسے اس کے حال پر چھوڑا ہوا ہے۔ ہماری ساری توجہ اس کے بدمعاش بھانجے پر مرکوز ہے۔ میں اسے فون کرنے کا کوئی بہانہ تراش بھی لوں تو اسے کیا بتاؤں گا؟ تم سے ہونے والی گفتگو کا حوالہ دینے سے اس کی یہ غلط فہمی اور راسخ ہوجائے گی کہ ہم تمہارے ایما پر اس کی مدد کے لیے گئے تھے۔"

"تم اس سے رابطہ کرو۔ ضروری نہیں کہ تمہیں کچھ کہنا پڑے۔ وہ تم پر اعتماد کرتا ہے تو شاید خود ہی میرا ذکر نکال لے اور تمہیں وضاحت پیش کرنے کا موقع مل جائے۔"

"میں ایک کوشش کرلوں گا" اسے اطمینان دلانے کے لیے مجھے وعدہ کرنا پڑگیا۔

پچھلی رات توحید کمرشل کے علاقے میں جو کچھ ہوا' وہ ہماری توقعات کے بھی برعکس تھا۔ وقتی طور پر اکرم الٰہی ہمارا حلیف بن کر سامنے آیا تھا لیکن میں پوری طرح پر بھروسے بغیر اس پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

"تم سے سنگین غلطی ہوئی ہے" جلال سے میری گفتگو ختم ہوتے ہی ویرا نے اعتراض کردیا "جب تک آئی بی والوں سے تمہاری بات نہیں ہوئی تھی' تمہاری ہر احتیاط بجا تھی۔ معاملات کھل جانے کے بعد تمہیں اس سے پوچھنا چاہیے تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل کا ماضی کیا تھا۔"

ویرا کا اعتراض بجا تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل پر مقبول چوہدری کا تسلط صرف چھتیس دن رہا تھا۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی سفید اور سیاہ کا مالک تھا۔ وہ نکتہ پہلے بھی ہمارے زیر غور آچکا تھا مگر عین وقت پر میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ میں نے جلال سے اسی وقت بات کرنے کے بجائے وہ کام اگلے دن پر ٹال دیا۔

○☆○

وہ صبح کے چار بجے کا عمل تھا اور میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور مقررہ وقفوں سے بار بار بجتی ہی رہی۔ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

میرے برابر میں غزالہ دنیا ومافیہا سے بے خبر' آسودگی کی گہری نیند سو رہی تھی۔ ٹیلی فون کی گھنٹیاں اسے حسین ورنگین ارمانوں کی خوابناک دنیا سے واپس لانے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔

میں نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے ریسیور اٹھالیا۔

میرا غنودہ ذہن اتنے سویرے فون کرنے والے کے بارے میں سوچتا ہی رہ گیا اور حامد کی آواز میری ان سوچوں کا جواب بن کر میرے کانوں میں اترنے لگی۔

"سوری سر!" میری ہیلو کے جواب میں وہ کہہ رہا تھا "اتنی صبح نیند خراب کرنے پر معافی چاہتا ہوں لیکن بات ایسی تھی کہ میں مجبور ہوگیا..."

اس کی تمہید نے مجھے بوکھلا دیا اور میں نے اس کی بات کاٹ

Downloaded from https://paksociety.com

دی "مقبول کہاں ہے؟"

"وہ لاک اپ میں مقررہ پراسس سے گزر رہا ہے لیکن اکرم الٰہی ہاتھوں سے نکلتا ہوا نظر آرہا ہے..."

"حامد! پلیز مجھے اصل بات بتاؤ۔ اس پر ہم بعد میں تبادلۂ خیال کرلیں گے۔"

"سر! اس کے پاس کسی بوب رافیل کا فون آیا تھا۔ وہ اکرم الٰہی سے ملاقات کے لیے صبح کی پرواز سے کراچی آرہا ہے۔" حامد نے ایک ہی سانس میں پوری بات کہہ ڈالی۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اس کے کہے ہوئے دونوں فقروں کو اپنے ذہن میں گھمایا پھر پوچھا "فون کہاں سے آیا تھا؟ یہ بوب رافیل کون ہے؟"

"فون ابھی تین بج کر دس منٹ پر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ کال اسلام آباد سے کی گئی تھی۔ گفتگو کا دورانیہ بہت مختصر تھا۔ ایک منٹ ستائیس سیکنڈ میں بات ختم ہوگئی..."

"اسلام آباد کا نمبر کہاں کا تھا؟" اضطراب کے باعث میں بار بار قطع کلامی کیے جارہا تھا۔

"فون امریکی سفارت خانے کے نام ہے' رہائشی بلاک کے ایک فلیٹ میں زیرِ استعمال ہے۔ بوب رافیل سفارت خانے میں سوشل منسٹر کے عہدے پر کام کرتا ہے۔"

"بوب اور اکرم کے درمیان ہونے والی گفتگو کی تفصیلی ریکارڈنگ کہاں ہے؟"

"ایکس چینج میں۔" حامد نے بلا تاخیر جواب دیا "میں نے فون پر ہی وہ ٹیپ سنا ہے۔ ان کے درمیان چند فقروں کا تبادلہ ہوا جن کا نچوڑ میں بتا چکا ہوں۔ اہم بات یہ ہے کہ بوب رافیل کا نام اکرم کے لیے نیا نہیں تھا۔ نام سننے کے بعد وہ اسے سر کہہ کر مخاطب کررہا تھا۔"

"ان کی ملاقات مائیکرو سینٹر میں ہی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔ اس وقت تک میرے ذہن سے نیند کا خمار کافور ہوچکا تھا اور میں بہت تیزی کے ساتھ اس پیش رفت پر سوچ رہا تھا۔

"وہ گیارہ بجے پی سی کے ریستوران میں ملیں گے!" حامد نے اطلاع دی۔

"غور کرلو... ایسا نہ ہو کہ تم اس ریکارڈنگ کی کوئی بات بھول رہے ہو؟"

"آپ چاہیں تو ایکس چینج فون کرکے صرف میگاٹون فور کا حوالہ دیں۔ آپ کو ٹیپ سنوادیا جائے گا۔ میں ابھی متعلقہ آدمی کو فون پر پیغام دیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے ایکس چینج کا نمبر بتایا جو میں نے لکھ لیا۔

"گیارہ بجے کا مطلب ہے کہ وہ دس بجے یا شاید اس سے بھی پہلے گھر سے نکلے گا؟" میں نے کہا۔

"غالب امکان یہی ہے۔ میں سات بجے چار آدمیوں پر مشتمل' ایک تازہ دم وہیکل لنس اسکواڈ وہاں بھیج دوں گا۔ وہ لوگ وائرلیس اپریٹس اور موبائل فون کے ذریعے ہر وقت میرے رابطے میں رہیں گے۔ اکرم الٰہی جوں ہی اپنے گھر سے نکلے گا' ہمیں اطلاع مل جائے گی!" اس کا لہجہ پُر اعتماد تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "میں خود دس بجے ہوٹل پر پہنچ جاؤں گا۔ میری بیک اپ سپورٹ کے لیے تم کو صرف دو تین آدمیوں کے ساتھ وہاں آنا پڑے گا۔"

"مجھے ہر حال میں فیلڈ میں رہنا ہے۔ جہاں کے لیے حکم ہوگا' پہنچ جاؤں گا۔"

"مجھے اطلاع دیے بغیر دفتر نہ چھوڑنا۔ کوئی بات ذہن میں آئی تو میں تمہیں فون کرلوں گا۔ اپ میں جاگ رہا ہوں۔ تم جب ضرورت محسوس کرو' مجھے موبائل نمبر پر فون کرلینا تاکہ میرے ساتھیوں کی نیند خراب نہ ہو۔ اول خان کی غیر حاضری میں تمہارے کندھوں پر اچانک بہت زیادہ بوجھ آپڑا ہے۔"

"آپ مجھے ہر لمحے مستعد اور تیار پائیں گے۔ میں اسٹیشن پر ضرور موجود ہوں لیکن مجھے دفتر سے نکل کر تیاریوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ آپ میرا موبائل فون نمبر لے لیں۔"

اس نے اپنا نمبر دہرایا جو میں نے سادہ پیڈ کے سرے پر نوٹ کرلیا۔

"میں فون بند کررہا ہوں۔ تم ایکس چینج میں پیغام دے دو۔ میں تین منٹ بعد وہاں کال کرکے گفتگو کا ٹیپ سننا چاہوں گا..... ہوسکتا ہے کہ مجھے کوئی اور اشارہ مل سکے۔"

"میگاٹون فور کا حوالہ ضرور دیں' سر!" اس نے تاکید کی۔

میں نے فون بند کرکے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر سے سگریٹ کا پیکٹ' ماچس اور موبائل فون اٹھایا پھر خاموشی کے ساتھ خواب گاہ سے نکل آیا۔ دروازہ بند کرکے میں نے لابی میں لگے ہوئے انسٹرومنٹ پر سے کارڈلیس فون بھی اپنے ساتھ لے لیا اور ان تیاریوں کے ساتھ میں نے ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر جگہ سنبھال لی۔

ٹھیک تین منٹ بعد میں نے ٹیلی فون ایکس چینج کا نمبر ملایا۔ سلسلہ مل جانے پر دعا سلام کا تبادلہ ہوا اور میں نے فوراً میگاٹون فور کے الفاظ دہرادیے۔ میرے مخاطب نے کال کو ٹیپ بجانے والی مشین سے منسلک کرنے کے لیے مجھے انتظار کرنے کی ہدایت کی۔

چند ثانیوں تک لائن پر سکوت چھایا رہا پھر فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے گنتی شروع کردی۔ آٹھویں گھنٹی کے بعد میرے ریسیور میں اکرم الٰہی کی آواز ابھری۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے؟" اس کی آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس نے وہ سوال اردو میں کیا تھا۔

"اکرم! میں بوب ہوں... بوب رافیل!" خالص امریکی لب ولہجے میں دوسری آواز ابھری۔ اس نے اکرم الٰہی کا سوال سمجھے بغیر

Downloaded from https://paksociety.com

انگریزی میں اپنا تعارف کرایا تھا۔

"اوہ' سر! آپ؟" اکرم الٰہی نے انگریزی میں تحیّر سے کہا۔

"اتنے سویرے!"

"میں تم سے ملنے کے لیے صبح کی پرواز سے آرہا ہوں۔" وہ بوب رافیل کا جواب تھا۔ "تمہیں گیارہ بجے پی سی کے ریستوران میں ملنا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ بہت ضروری ہوچکا ہے۔"

"اوکے سر! میں پہنچ جاؤں گا۔" اکرم الٰہی کی آواز فکرمندانہ سی ہوگئی۔

"بائے!" اس آخری الفاظ کے ساتھ کلک کی آواز آئی اور میرے کان میں ڈائل ٹون گونجنے لگی۔ میں نے ریسیور واپس رکھ دیا اور پُرخیال انداز میں سگریٹ سلگالی۔

حامد نے اس کال کے بارے میں جو کچھ بتایا' وہ من و عن درست تھا۔ وہ یہ نوٹ نہیں کرسکا تھا کہ اکرم الٰہی کو بوب رافیل کا حکم سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی' وہ الجھن کا شکار ہوگیا تھا۔

یوب رافیل اور اکرم الٰہی کی مجوزہ ملاقات بہت زیادہ اہم تھی۔ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر بہت آسانی سے یہ ثابت کیا جاسکتا تھا کہ امریکی سفارت کار فریڈم انٹرنیشنل کے معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ اس ثبوت کی ضرورت آئی بی کو تھی لیکن جلال اس بارے میں بہت محتاط تھا۔

وہ دریا میں اترنے کی شدید خواہش کے باوجود اپنا دامن خشک رکھنا چاہتا تھا۔ وہ سامنے آکر بوب رافیل پر ہاتھ ڈالتا تو امریکی ایک نیا الزام عائد کردیتے کہ ان کے سفارت کاروں کی نگرانی کی جارہی ہے۔ سفارتی مراعات اور تحفظات کی وجہ سے بوب رافیل کا کچھ بھی نہ بگڑتا' ایک نیا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا۔

میں نے جلال سے رابطہ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیا۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا' اپنے طور پر کرنا تھا۔

سات بجے تک حامد سے چار مرتبہ فون پر رابطہ ہوا۔ اس کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ آخری کال اسی کی طرف سے آئی۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنے وینجی لنس اسکوڈ کے پیچھے اسٹیشن فور سے نکل رہا تھا۔

میں نے ایک ایک کرکے غزالہ' ویرا اور سلطان شاہ کو بھی بیدار کردیا۔ آرام دہ بستروں سے یوں صبح سویرے نکالے جانے پر انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں مجھے گھیر لیا۔

ان کا ردِعمل میرے لیے غیر متوقع نہیں تھا مگر نئی کہانی خاصی سنسنی خیز تھی۔ امریکیوں سے مقبول چوہدری کے گہرے روابط کے ثبوت سامنے آجانے کے بعد امریکی سفارت خانے کے سوشل منسٹر سے اکرم الٰہی کی ملاقات معنی خیز تھی۔

ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ دونوں ماموں بھانجے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر امریکیوں کے وفادار بننے پر تلے ہوئے ہوں۔

فرینک نے ڈون سے کہا "میری گھریلو زندگی سخت یکسانیت اور جمود کا شکار ہوچکی ہے۔ اس میں کوئی کشش' کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"اس کا حل یہ ہے کہ کچھ دن کے لیے کسی سے عشق لڑاؤ۔ معاشقوں کے بعد عموماً میاں بیوی ایک دوسرے کے زیادہ قریب آجاتے ہیں۔"

"لیکن اگر بیوی کو معلوم ہوگیا تو...؟"

"یہ نیا زمانہ ہے... جاکر بیوی کو پہلے ہی بتادو۔"

چنانچہ فرینک نے اسی شام گھر جاکر بیوی کے سامنے اعلان کیا۔ "ہماری ازدواجی زندگی سخت یکسانیت اور جمود کا شکار ہوچکی ہے۔ اس میں کچھ بہتری لانے کے لیے میں باہر عشق لڑانے جارہا ہوں۔"

"کسی احمق نے تمہیں یہ مشورہ دیا ہے" بیوی منہ بنا کر بولی "میں پہلے ہی یہ نسخہ آزما چکی ہوں۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

"تم خود بتا رہے ہو کہ اکرم الٰہی' بوب کا پروگرام سن کر پریشان ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ بوب' مقبول کا راستہ صاف کرنے کے لیے کراچی آرہا ہو۔" ویرا نے صبح کی پہلی سگریٹ سلگا کر بحث کی ابتدا کی۔ اکرم نے اس سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی ہے لیکن وہ عین وقت پر غائب بھی ہوسکتا ہے۔ اب تک اسے یہ اندازہ ہوجانا چاہیے کہ وہ اپنے کن دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں بھاگنا چاہتے ہو؟"

"اگر تمہیں نیند آرہی ہے تو جاکر سوجاؤ۔" سلطان شاہ نے غصے سے کہا "آج گیارہ بجے اکرم الٰہی کے ساتھ بوب رافیل کے چہرے پر سے بھی نقاب اٹھ سکتی ہے۔ وہ اس سے کیوں ملنا چاہ رہا ہے؟"

"سب کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔" غزالہ نے کہا "بوب رافیل کو اکرم کے اکلوتے فون نمبر کا علم صرف اور صرف جلال کے ذریعے ہوسکتا تھا۔ مقبول کے سلسلے میں ہونے والی الزام تراشیوں پر جلال نے شاید اپنی رپورٹ دے دی ہے۔ اس میں اکرم کی واپسی اور اس کے فون نمبر کا ذکر ضرور رہا ہوگا۔ وہ رپورٹ وزارت خارجہ سے ہوتی ہوئی رات میں کسی وقت امریکیوں تک پہنچی اور وہ اکرم کی راہ پر لگ گئے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

غزالہ اس وقت دور کی کوڑی لائی تھی۔ میں اس سمت میں سوچ ہی نہیں سکا تھا۔ رات کو جلال نے اسے فون کیا تھا۔ اس کے بعد صبح سویرے بوب رافیل نے اس سے رابطہ کرلیا۔ ہمیں علم ہی نہیں تھا کہ اکرم ان دونوں کالز کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔ وہ مجھے اپنا ہمدرد تصور کررہا تھا۔ اسی حوالے سے اس نے جلال کا شکریہ ادا کیا تھا۔ میں نے جلال سے وعدہ کیا تھا کہ اکرم کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اسے فون کروں گا مگر میں نے فون نہیں کیا۔

عین ممکن تھا کہ اکرم اس وقت کسی سے مشورہ لینے کی شدید ضرورت محسوس کررہا ہو مگر اس کے پاس مجھ سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ واحد صورت یہی رہ جاتی تھی کہ میں خود اس سے رابطہ کرتا۔ اگر اس کا ذہن صاف تھا تو اسے دونوں پیغامات کے بارے میں مجھ سے کھل کربات کرنی چاہیے تھی۔

ویرا کی آنکھوں سے بے زاری اور بوجھل پن کا احساس ہورہا تھا۔ ایک سگریٹ پی لینے کے باوجود یوں بار بار منہ بنارہی تھی جیسے جمائیاں روکنے کی کوشش کررہی ہو۔ میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نے رات کو اپنے کمرے میں لوٹنے کے بعد شاید زیادہ مے نوشی کی تھی جس کے اثرات نے اس وقت بھی اس کے اعصاب کو جکڑا ہوا تھا۔ ذہنی طور پر وہ ہمارے ساتھ نہیں تھی۔

"تم تھکی ہوئی ہو تو اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو۔" میں نے اسے ہمدردانہ مشورہ دیا "مجھے تمہاری کیفیت کا اندازہ ہوتا تو میں تمہاری نیند میں ہرگز دخل انداز نہ ہوتا۔"

وہ شاید ایسی کسی پیش کش کی منتظر تھی۔ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور دھیمی آمیز لہجے میں بولی "میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں' مگر یہ یاد رکھنا کہ مجھے دوبارہ نیند نہ آئی تو میں تمہارا سارا دن برباد کردوں گی۔"

اس کے جاتے ہی میں نے فون پر اکرم الٰہی کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

رابطہ ہونے پر اس مرتبہ بھی اس نے میری آواز پہچان لی اور بولا "رات سے میں مسلسل تم لوگوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ یہ تصور میرے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے کہ میں اپنے محسنوں کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں جانتا۔ تم لوگوں کا انٹیلی جنس بیورو سے تو تعلق نہیں ہے۔"

میں نے ہنس کر بے پروائی سے کہا "مناسب وقت آنے پر تمہیں خود بہ خود اس سوال کا جواب مل جائے گا۔ تمہیں اچانک آئی بی کا خیال کیسے آگیا۔"

"خالی ذہن میں آنے والے خیالات کو روکنا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔"

"میں نے تمہاری خیریت جاننے کے لیے فون کیا تھا۔ اپنا دفتر کب سے کھول رہے ہو؟"

"ابھی میں خود کو سنبھال رہا ہوں۔ یہاں کا نظام ابتر ہے۔ اس ایک نمبر کے سوا سارے فون بند پڑے ہوئے ہیں۔ اگلے ہفتے سے پہلے دفتر کھولنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکوں گا۔" اس کی آواز اس کے ذہنی انتشار کی نشان دہی کررہی تھی۔ لمحے بھر کے توقف کے بعد اس نے اچانک کہا "چھتیس دن کی قید کے بعد میں بالکل اکیلا ہوکر رہ گیا ہوں۔ اپنا کوئی فون نمبر دے دو تو میں پریشانی میں تم سے کچھ مدد لے سکوں گا۔ مقبول کے ظلم نے مجھے اندر سے بالکل توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

اس نے جلال یا بوب رافیل کے فون کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ مجھ سے راز داری برتنے کا مطلب یہ تھا کہ میری بلکہ ہم لوگوں کی طرف سے اس کا ذہن صاف نہیں تھا۔

میں نے فون کرکے اسے اپنی پوزیشن صاف کرنے کا سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔ اگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا تو وہ اس کی بدنصیبی تھی۔ میں کہا "فکر مت کرو۔ ہم لوگ ضرورت مندوں کو زبردستی مدد فراہم کرنے والوں میں سے ہیں۔ کسی بھی نازک موقع پر تم ہمیں خود سے دور نہیں پاؤ گے۔"

اس طنزیہ پیغام کے ساتھ میں نے فون بند کردیا۔ سلطان شاہ غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے فارغ ہونے پر بولا "اکرم الٰہی کی نیت صاف نہیں ہے۔ اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔"

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ ہم تینوں کی تیاری کے دوران میں ہی غزالہ نے پھرتی سے ناشتے کی میز لگادی۔ ہم نے چلتے پھرتے ناشتا کیا اور کچھ ضروری ہتھیار لے کر نو بجے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ میں ہوٹل پہنچنے سے پہلے تو حید کمرشل کا ایک چکر لگا کر یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ حامد نے وہاں اکرم الٰہی کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے کیا بندوبست کیا تھا۔

ہم راستے میں تھے کہ موبائل فون پر حامد کا پیغام آگیا "سر! نگرانی کا پورا انتظام ہوگیا ہے۔ وہ جیسے ہی گھر سے نکلے گا' ہمیں اطلاع مل جائے گی۔ میں اس وقت ہوٹل کی طرف جارہا ہوں۔"

"ریستوران میں داخلے کے راستے پر کڑی نظر رکھو۔ تھوڑی دیر میں ہم بھی پہنچ رہے ہیں۔"

ڈرائیونگ کرتے ہوئے میں ہلکا سا اعصابی تناؤ محسوس کررہا تھا۔ شاید نیند پوری ہونے سے پہلے' صبح کے چار بجے بیدار ہونے کی وجہ سے اعصابی کشیدگی سر ابھار رہی تھی پھر میرے ذہن پر ایک فکر اور بھی سوار ہونے لگی تھی کہ جس طرح ہم لوگ اکرم الٰہی کو پہچانتے تھے اسی طرح وہ بھی ہم سب کو اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ آخری مرحلے سے پہلے وہ اپنے آس پاس ہماری جھلک بھی دیکھ لیتا تو آنے والے واقعات کا پانسا پلٹ سکتا تھا۔ اس خطرے کو ٹالنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہم حالات کا جائزہ لے کر' وقت سے پہلے ریستوران کے گرد اپنی اپنی کمین گاہوں میں جگہ سنبھال لیں۔

توحید کمرشل میں زندگی کے آثار ضرور تھے مگر زیادہ گہما گہمی

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں تھی۔ علاقے میں وہی دکانیں کھلی تھیں جن کا تعلق خورونوش اور روز مرہ ضروریات سے تھا۔ وہاں کی کاروباری سرگرمیاں دیر سے شروع ہو کر شاید شام ڈھلے ہی اختتام کو پہنچتی تھی۔

مائیکرو سینٹر سے کافی فاصلے پر سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھ لیا کہ حامد کے آدمی اس عمارت کے دونوں راستوں پر موجود تھے۔ اکرم الٰہی کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ انہیں جل دے کر مائیکرو آٹوزیا عمارت کے عقبی راستے سے کہیں بھی جا سکے۔

ذہن میں ایک نکتہ آنے پر میں ذرا سا مضطرب ہوا۔ حامد نے اکرم الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر مجھے یقین تھا کہ اس کے آدمی اپنے مطلوبہ شکار سے واقف نہیں تھے لیکن پھر میں نے خود ہی اس سوال کا جواب تلاش کر لیا۔ اس وقت مائیکرو سینٹر میں اکرم الٰہی کے سوا کوئی دوسرا متنفس موجود نہیں تھا۔ عمارت سے باہر آنے والا اس کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ حامد نے انہیں یہی حکم دیا ہو گا کہ وہ عمارت سے نکلنے والے پر نظر رکھیں اور اسے باخبر کر دیں۔

پونے دس بجے سلطان شاہ نے ہوٹل کے پورچ میں میری جگہ سنبھالی اور گاڑی کو پچھلی پارکنگ لاٹ کی طرف لے گیا۔ میں پورچ میں اتر کر تیزی سے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اندر گھستے کے بعد بائیں ہاتھ پر وہ ریستوران تھا جہاں گیارہ بجے بوب رافیل اور اکرم الٰہی کی ملاقات ہونے والی تھی۔ مجھے حامد کے انتظار میں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ٹھٹکنا پڑا۔ وہ لابی کے کسی صوفے میں دھنس کر داخلی راستے کی نگرانی کر رہا تھا۔ میری جھلک دیکھتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر تیر کی طرح میری طرف آ گیا۔

"لابی میں میرے تین آدمی موجود ہیں" اس نے ہاتھ ملا کر میرے ساتھ چلتے ہوئے رپورٹ دی "وہ ابھی تک گھر پر ہے۔ عمارت سے چڑیا کا بچہ تک باہر نہیں نکلا۔"

وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اسی صوفے کی طرف بڑھ گیا جس پر اس کا رومال پڑا ہوا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں بھانپ لیا کہ اس نے بروقت پہنچ کر لابی کے بہترین ٹھکانے پر قبضہ کیا تھا۔ ہم دونوں وہیں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ گئے اور حامد نے مجھ سے پوچھ کر ایک گزرتی ہوئی ویٹریس کو کافی کا آرڈر دے دیا۔

کچھ دیر بعد سلطان شاہ بھی دوسرے دروازے سے غزالہ کے ساتھ داخل ہو کر لابی کے اسی حصے میں آ پہنچا۔ اس نے اچٹتے ہوئے انداز میں ہم دونوں پر نگاہ ڈالی پھر وہ دونوں ایک ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں ان کی پشت داخلی دروازے کی طرف تھی مگر وہ براہِ راست ہمارے سامنے تھے۔

کافی آئی، وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سوا دس بج چکے تھے لیکن مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرنے والوں کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی، نہ ہوٹل میں کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا تھا۔

ساڑھے دس بجے میرے ایما پر حامد نے موبائل فون پر اپنے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی اپنی جگہوں پر پوری مستعدی سے موجود تھے۔ عمارت سے کوئی باہر نہیں نکلا تھا۔

وہ انتہائی غیر معمولی بات تھی۔ مجھے بے چینی ہونے لگی۔ ہماری نگاہوں کے سامنے امریکیوں سمیت، ہر رنگ اور نسل کے لوگ ہوٹل میں آتے جاتے رہے تھے۔ ان میں سے کئی ریستوران کی طرف بھی گئے تھے لیکن ہمارے لیے ان میں سے بوب رافیل کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ ہم صرف اور صرف اکرم الٰہی کے ذریعے اسے شناخت کر سکتے تھے اور وہ مردود اپنے فلیٹ سے ہلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

سوئی کی گھڑیاں آگے بڑھنے کے باوجود ہر محاذ پر سناٹا چھایا رہا تو میرے تنفس کی رفتار تیز ہونے لگی۔ خون کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے مجھے اپنی کنپٹیاں دھکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

پونے گیارہ بجے میں نے اضطراب کے عالم میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ حامد بھی میرے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

معاً میرے ذہن میں ایک خوف ناک خیال نے سر ابھارا، مائیکرو سینٹر سے نکلنے کے تیسرے راستے کو ہم بالکل ہی بھول بیٹھے تھے۔ وہ وہی راستہ تھا جس کے ذریعے ہم نے مقبول اور اکرم تک رسائی حاصل کی تھی۔

اگر اکرم کی نیت میں کوئی کھوٹ تھا تھا تو وہ بھی اپنی چھت سے فرار ہو کر بالا ہی بالا کسی دوسری عمارت سے برآمد ہو کر ہوٹل پہنچ سکتا تھا۔ مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرنے والوں کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلنا کہ وہ گھر سے غائب ہو چکا ہے۔ اس کے لیے ہوٹل میں داخل ہونا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ ہماری نظروں کے سامنے سے گزرا ہو اور ہم اسے نہ پہچان سکے ہوں۔ سبب بہت سیدھا اور منطقی تھا۔ ہم نے اسے اس حال میں دیکھا تھا کہ اس کا پورا چہرہ لمبے لمبے خود رو بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر کے بالوں کی تراش خراش اور شیو کے بعد شاید ہم میں سے کوئی بھی اسے پہلی نظر میں پہچان لینے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

میں ان امکانات پر جتنا غور کر رہا تھا، مجھے ان میں جان نظر آ رہی تھی۔ گیارہ بج کر پانچ منٹ پر حامد نے اپنے آدمیوں سے ایک مرتبہ پھر رابطہ کیا۔ ان کا جواب مایوس کن تھا۔

"میرے پیچھے آؤ" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں اسے ہدایت کی اور لمبے لمبے ڈگ اٹھاتا، ریستوران کی طرف جانے والی کشادہ راہ داری میں ہو لیا۔

حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم ایک نظر میں اسے نہیں پہچان سکتے تھے مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دور سے ایک جھلک دیکھ کر بھی ہمیں شناخت کر لے گا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگیا۔ پنڈت منوہر لال کو اسلام آباد منتقل کر دیا گیا۔ اس کی خواہش کے احترام میں موہنی پنڈت کی آخری رسومات وہیں پنڈت کی موجودگی میں ادا کی گئیں۔ وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے مجھے اور اول خان کو اسلام آباد طلب کیا گیا۔ ایئرپورٹ پر اطلاع ملی کہ موہنی پنڈت کی لاش کی اسلام آباد روانگی کے بعد سے ایئرپورٹ پر چند مشکوک افراد کراچی سے جانے والے مسافروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں رابن ہڈز کے زندہ بچ جانے اور اس سے بھیانک انتقام کے فرضی وعدے پر پنڈت کی زبان پر لگے قفل کو کھلوانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ رستم پاکستان میں رہ کر دو گھرانے جرائم کے علاوہ ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں ہمارے علم میں آیا کہ رستم کی خود کشی کے حوالے سے ایک نام زماں بن الاقوامی تنظیم ڈیتھ انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ ۔۔۔۔ایئرپورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا جو پرائیڈ کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کو انٹیشن فور پہنچایا جا چکا تھا۔ تشدد کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایئرپورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مار دیا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈز سے مائیکرو آئوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مار ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آئوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کامیاب کارروائی کی گئی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر پہنچ گیا۔ عمارت سے ہمیں اس کا ماموں اکرم الٰہی ہاتھ آگیا۔ وہ اپنے بھانجے سے سخت نالاں تھا۔ میں اپنی ایک کوشش کے ذریعے مقبول چوہدری کو اس کے بل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے انٹیشن فور منتقل کر دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگائی جا چکی تھی جس کے ذریعے ہمیں علم ہوا کہ مقبول چوہدری پر پڑنے والی افتاد کے بعد ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کرنے اسلام آباد سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی جاری تھی۔ ہم اسے اس امریکی سفارت کار کے ساتھ قابو کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہوٹل میں مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہم غلطی کر چکے ہیں۔ حلیے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے نہیں پہچان سکتے تھے جب کہ وہ ہمیں دور سے بھی شناخت کر سکتا تھا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں تیزی سے ریستوران کی طرف جا رہا تھا۔ حامد' سلطان شاہ اور غزالہ میرے پیچھے پیچھے تھے۔

اس وقت ریستوران میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ بڑے ہوٹلوں میں قیام کرنے والے مسافروں کو ناشتا فراہم کرنے کی ذمے داری ہوٹل کی انتظامیہ کی ہوتی ہے۔ یہ دیگر بات ہے کہ ناشتے کی ہوش ربا قیمت کمروں کے کرائے میں شامل ہوتی ہے۔ شرط یہ ہوتی ہے کہ مسافروں کو مقررہ اوقات میں ہوٹل کے مخصوص ہال میں پہنچ کر اس خدمت سے استفادہ کرنا ہوتا ہے۔

ناشتے کا وقت شاید بہت دیر پہلے گزر چکا تھا۔ ریستوران میں آباد چند میزوں پر وہی لوگ نظر آرہے تھے جو کاروباری یا کسی اور مصروفیت کی بنا پر مل بیٹھنے کے لیے موجود تھے۔ ان ہی میں بوب رافیل اور اکرم الٰہی بھی شامل تھے۔

بوب رافیل ہمارے لیے یکسر اجنبی تھا۔ ہم میں سے کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ بس رات گئے اچانک ہی اس کا نام سننے میں آیا تھا۔ اس کے نام کے آخری حصے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ یہودی رہا ہوگا لیکن امریکیوں کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی تھی۔ وہ مذہبی اقدار سے مکمل طور پر آزاد' بے فکر لوگوں کی قوم تھی۔ اس کا ہر فرد اپنی خوشی کے لیے زندہ رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ ان کے لیے نام کی اہمیت ذاتی یا پھر زیادہ سے زیادہ خاندانی شناخت تک محدود تھی۔ وہاں مذہب اور عقیدے کے پُرپیچ بکھیڑوں میں پڑ کر نام تجویز کرنے کی روایات بہت مضبوط نہیں تھیں۔

اکرم الٰہی کو ہم میں سے تین نے دیکھا ہوا تھا مگر ایسے حلیے میں کہ اس کے سر اور چہرے پر ایک ماہ سے زیادہ پرانے بالوں کا ایک گھنا جنگل اگا ہوا تھا جسے داڑھی یا زلفوں جیسے کسی شائستہ نام سے معنون نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجھے سو فی صد یقین تھا کہ اگر اکرم الٰہی ہوٹل کے ریستوران میں موجود تھا تو وہ چہرے کے بال صاف کرنے کے ساتھ' اپنے سر کے بالوں کو بھی سلیقے سے تراش کر کھا ہوگا۔ ایسی صورت میں ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔

ان دونوں کے درمیان ریستوران میں گیارہ بجے ملاقات کا وقت طے تھا۔ ہمارے پاس اس بات کی کوئی شہادت نہیں تھی کہ ان میں سے کوئی ہوٹل پہنچ چکا تھا۔ اس کے برعکس' اکرم الٰہی کے بارے میں مصدقہ اطلاعات تھیں کہ وہ مائیکرو سینٹر کے کسی راستے سے باہر نکلتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔

یہ محض میرا قیاس تھا کہ اکرم الٰہی ہمارے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ ہماری مدد کے نتیجے میں اس نے پورے چھتیس دن کی ہولناک قید تنہائی سے نجات حاصل کی تھی مگر پھر بھی وہ ہم پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ اسے ہماری شناخت کا علم نہیں تھا۔ ہم اس کے بارے میں اندازے لگا رہے تھے' وہ ہمارے بارے میں اندازوں پر چل رہا تھا۔

ہمارے طور طریقوں سے اس کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ ہم عام جرائم پیشہ افراد کی صفوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ہم نے جس بے نیازی کے ساتھ مقبول چوہدری کو مائیکرو سینٹر سے بے دخل کر کے اکرم الٰہی کو اس کی جائداد اور کاروبار کا قبضہ دلوایا تھا' اس کی بنا پر اکرم الٰہی یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو تا کہ ہمارا تعلق آئی بی سے نہ سہی' کسی نہ کسی خفیہ سرکاری ادارے سے ضرور ہوگا۔

خفیہ سرکاری اہل کار اگر کسی کی راہ پر لگ جاتے ہیں تو آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس حلیے کی روشنی میں اکرم الٰہی کا یہ سمجھنا قرین قیاس تھا کہ ہم لوگوں نے اسے' اس کے سفاک اور خود غرض بھانجے کے چنگل سے نجات دلا کر بظاہر بالکل آزاد کر دیا تھا مگر پس پردہ اس کی نگرانی ضرور کرا رہے ہوں گے تاکہ مقبول چوہدری کے خلاف کی جانے والی کارروائی کو اس کے منطقی انجام تک پہنچا سکیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

لیے بوب رافیل سے ملنا گزیر تھا' اسے اپنی نگرانی کا اندیشہ تھا اس وجہ سے اس نے مائیکرو سینٹر کا کوئی راستہ اختیار کرنے کے بجائے چھت سے گزر کر کسی اور عمارت سے برآمد ہو کر ہوٹل پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس نے سوچا ہوگا کہ اس طرح وہ نگرانی کرنے والوں کو نچا دے کر خاموشی سے بوب رافیل سے مجوزہ ملاقات کرے گا۔ اس سے نمٹنے کے بعد دوبارہ دوسری عمارت کے راستے' مائیکرو سینٹر سے ہوتا ہوا اپنے گھر پہنچ جائے گا۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکے گا کہ وہ مائیکرو سینٹر سے باہر گیا تھا۔

وہ میری تھیوری تھی۔ اس کی بنیاد پر میں ریستوران میں داخل ہوا تو میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی ایک ادھیڑ عمر اور دراز قد آدمی نے بوکھلا کر اپنی کرسی چھوڑ دی۔

میری بے چین' عقابی نگاہیں اسی پر مرکوز ہو گئیں اور میں اسی کی طرف ہو لیا۔

میں نے چند ساعتوں میں مشاہدہ کر لیا تھا کہ وہ ایک باریش سفید فام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سفید فام آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کے پورے چہرے پر حلق تک' ترشی ہوئی اور ہموار داڑھی تھی جو یہودیوں کا خاصہ ہے۔ ہمیں دیکھ کر بوکھلانے والا ادھیڑ عمر شخص مقامی تھا۔ اس کے بدن پر گرے رنگ کا بے داغ سوٹ موجود تھا۔ میری یا شاید ہماری طرف دیکھتے ہی وہ کرسی سے اٹھا' لمحہ بھر کے لیے جھجکا اور پھر اس نے یکایک دوڑ لگا دی۔ وہ اپنے راستے میں حائل ہونے والی خالی کرسیوں کو گراتا ہوا اس راستے کی طرف جا رہا تھا جو سومنگ پول کی طرف نکلتا تھا۔

ایک خوش پوش اور معزز نظر آنے والے شخص کے یوں اچانک بھاگ نکلنے سے ریستوران میں سنسنی پھیل گئی۔ اونچی' تحیر زدہ آوازوں کے ساتھ متعدد افراد نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ گھبراہٹ میں' کھولتی ہوئی چائے یا کافی چھلکنے کی وجہ سے' ہال میں کئی خوف زدہ نسوانی چیخیں بھی گونجیں۔

میں نے آخری منظر یہ دیکھا کہ بھاگنے والے کا سفید فام ساتھی فضا میں ہاتھ لہرا کر کے اونچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔

دو اور دو چار کی طرح سب کچھ سامنے آ چکا تھا۔ ہم میں سے کوئی اکرم الٰہی کو نہیں پہچان سکا تھا لیکن اس نے ہمیں شناخت کرتے ہی' اپنے ردِعمل سے خود کو بے نقاب کر دیا تھا۔

میں نے پوری قوت سے اکرم الٰہی کے پیچھے دوڑ لگا دی تاکہ اس کی گردن دبوچ سکوں

وہ ادھیڑ عمر تھا' اسے اپنے بھانجے کی ظالمانہ قید سے رہائی حاصل کیے ہوئے پورے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے مگر اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس کی گرائی ہوئی کرسیاں میری راہ میں حائل تھیں۔ میں ان سے بچتا اور انہیں پھلانگتا ہوا تھوڑی ہی دور پہنچا تھا کہ وہ دربان کو ہکا بکا چھوڑ کر ریستوران سے سومنگ پول کی طرف نکل گیا۔

اس وقت میرے حواس پوری طرح بیدار اور متحرک تھے۔ مجھے اپنے پیچھے دھینگا مشتی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ آوازیں بھگدڑ کی وجہ سے ہو سکتی تھیں یا پھر میرے ساتھیوں کے خلاف اکرم الٰہی کا سفید فام ملاقاتی مزاحمت پر اتر آیا تھا۔ میرے لیے وہ وقت پیچھے مڑنے کا نہیں تھا۔ میری پوری کوشش یہ تھی کہ اکرم الٰہی کے ریستوران سے فرار کی کوشش ناکام بنا کر اسے ہوٹل کی حدود میں ہی بے دست و پا کر لوں تاکہ اس کے یا بوب رافیل کے دفاع کی ہر راہ مسدود ہو سکے۔

میں ریستوران سے باہر نکلا تو اکرم الٰہی مجھ سے کافی دور نکل چکا تھا۔ وہ سومنگ پول کے گرد پھیلے ہوئے وسیع لان کے ایک سرسبز حصے پر پوری قوت سے دوڑتا ہوا' چار دیواری کے اس حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں سے وہ ہوٹل کے پُرشکوہ ڈرائیو وے سے ہوتا ہوا سڑک پر نکل سکتا تھا۔ راستے میں کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں نے اپنی ساری توانائیاں مجتمع کر کے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میں اکرم الٰہی کو شکار کرنے کے لیے خم دار ڈرائیو وے کی فٹ پاتھ پر دوڑ لگا رہا تھا اور میرا شکار اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو مائیکرو سینٹر سے اپنی خفیہ روانگی کے دفاع میں کچھ بھی نہ کہہ سکے گا۔

اس کے ستارے یاور تھے یا میرے مقدر کی گردش تھی کہ میں اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور وہ دوڑتا ہوا' ہوٹل کے داخلی ڈرائیو وے سے نکل کر مین روڈ پر پہنچ گیا۔

میرے مین روڈ پر پہنچنے سے پہلے اکرم الٰہی ایک خالی ٹیکسی میں سوار ہو کر آگے روانہ ہو چکا تھا۔

میں مین روڈ پر پہنچا تو اگلے چوراہے کا سبز سگنل میرا منہ چڑا رہا تھا۔ ادھر جانے والا ٹریفک پوری تیزی سے رواں تھا۔ اکرم الٰہی کی ٹیکسی چوراہا عبور کر کے کافی آگے نکل چکی تھی۔

اس سڑک پر آگے جانے کے بعد وہ کوئی بھی راستہ اختیار کر سکتا تھا۔ کانفٹن' کینٹ اسٹیشن اور صدر کے ذریعے' ان کے سامنے کراچی کی بے کراں اور گنجان آباد وسعتیں بکھری ہوئی تھیں جبکہ مجھے اپنے لیے دور دور تک کوئی خالی سواری نظر نہیں آ رہی تھی۔

○☆○

"ایکرم!" اس کے دوڑتے ہی بوب رافیل فضا میں ہاتھ بلند کر کے تحکمانہ لہجے میں دہاڑا تھا "رک جاؤ۔ میں ان سب بدمعاشوں کو دیکھ لوں گا۔"

اکرم نے اس کی ایک نہ سنی کیونکہ میں اس کے پیچھے لپک چکا تھا۔ اس کی دوڑ جاری رہی۔

آخر بوب رافیل نے بھی تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ کر ریستوران سے کھسکنا چاہا مگر اس سے پہلے میرے تینوں ساتھی اس کے سر پر پہنچ چکے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

"جہاں ہو، وہیں رک جاؤ!" حامد نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اسے للکارا "تم نے فرار ہونے کی کوشش کی تو تم خود اپنے نقصان کے ذمے دار ہو گے۔"

ریستوران میں پہلے ہی سنسنی اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں موجود گاہکوں کی نظروں کے سامنے دو خوش پوش اور باوقار افراد آگے پیچھے دوڑتے ہوئے اندھا دھند سومنگ پول کی طرف نکل چکے تھے۔ اب ایک تیسرا شخص مہیب ریوالور کی زد پر ایک سفید فام کو للکار رہا تھا۔ لوگوں نے اندازہ لگالیا کہ وہاں کسی بھی لمحے کشت و خون کا آغاز ہو سکتا ہے۔ وہ سب بہت تیزی سے نکاسی کے قریب ترین راستوں کی طرف لپکنے لگے۔

ریستوران میں یکایک پیدا ہونے والے شور و غل اور اس کے درمیان ابھرنے والی چند بے ساختہ سریلی چیخوں نے وہاں کی انتظامیہ کو بد حواس کر دیا تھا۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مہذب اور معزز شہریوں میں یکایک پیدا ہونے والی افراتفری پر کس طرح قابو پایا جائے۔

بے یقینی کے ان چند لمحات کے بعد جب تک ہوٹل کے مسلح محافظ نمودار ہوتے، متعدد افراد ریستوران سے نکل چکے تھے اور بقیہ بھیڑ کی صورت میں ایک دوسرے کو دھکیل کر جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہ رہے تھے۔

"خبردار! میرے قریب آنے کی کوشش بھی مت کرنا۔" باریش سفید فام نے حامد کی دھمکی کے جواب میں تحقیر آمیز لہجے میں کہا "میرا نام بوب رافیل ہے اور میں ایک سفارت کار ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے!" حامد نے اپنے ریوالور کی نال کو جنبش دیتے ہوئے گمبھیر سنجیدگی سے کہا "تم امریکی سفارت خانے میں سوشل منسٹر ہو.... میں جاننا چاہتا ہوں کہ اکرم الٰہی کے ساتھ تم یہاں کیا سازش کر رہے تھے؟"

حامد کے وہ الفاظ بوب رافیل کے لیے پریشان کن ثابت ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں سراسیمگی لہرائی پھر اس نے فوراً ہی سنبھالا لے کر جواب دیا "میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں۔ مجھے دیانا کنونشن کے تحت سفارتی مراعات حاصل ہیں۔ میں کسی ایکرم ایلائی کو نہیں جانتا۔"

"جھوٹ مت بولو!" حامد نے اسے تنبیہہ کی "وہ تمہاری میز سے اٹھ کر بھاگا تو تم نے نام لے کر اسے روکنا چاہا تھا۔ یہاں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگوں نے تمہارے الفاظ سنے ہوں گے۔"

بوب رافیل تضحیک آمیز انداز میں ہنس پڑا پھر بولا "تم کن لوگوں کی بات کر رہے ہو۔ بہت سے بھاگ چکے ہیں۔ جو باقی رہ گئے ہیں، وہ نکل بھاگنے کے چکر میں ہیں پورے ہال میں عملاً ہم چاروں کے سوا کوئی نہیں ہے۔"

حامد نے اس کی قلابازی پر سٹپٹائے ہوئے انداز میں اپنے گرد و پیش پر نگاہ ڈالی اور گہرا سانس لے کر جواب دیا "یہ بات ہے تو یوں ہی سہی۔ تمہیں اپنی شناخت ثابت کرنی ہوگی۔ جب تک اس کی تصدیق نہیں ہو جاتی، تم ہماری تحویل میں رہو گے۔ اس وقت تمہاری پوزیشن نازک ہے۔"

اسی لمحے ہوٹل کے دو مسلح محافظ لپکتے ہوئے ان چاروں کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نے دور سے ہی کہا "ہتھیار پھینک دو۔ یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے؟"

ان باوردی محافظوں کو دیکھتے ہی بوب رافیل شیر ہو گیا اور چیختی ہوئی اونچی آواز میں حامد سے بولا "مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تم خود اعتراف کر چکے ہو کہ تم نہ صرف میرے نام سے واقف ہو بلکہ میرے عہدے تک سے آگاہ ہو۔ تم بلاوجہ مجھے ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"بکواس بند کرو!" حامد ہوٹل کے محافظوں کو قریب پا کر بوب رافیل پر غرایا "میں نے سرے سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ تم بدحواسی کے عالم میں کوئی سہانا خواب دیکھ رہے ہو یا پھر تمہارے کان بج رہے ہیں۔"

حامد کی اس جوابی قلابازی نے بوب رافیل کو پریشان کر دیا۔ اس نے اضطراری انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا پھر اپنی نظریں غزالہ کے چہرے پر گاڑ دیں "مادام! تم نے ضرور سنا ہو گا کہ ابھی چند لمحوں پہلے یہ مسلح شخص میرے بارے میں مکمل واقفیت کا اظہار کر رہا تھا۔" اس نے ہوٹل کے محافظوں کو سنانے کے لیے غزالہ سے پوچھا۔

"نہیں!" غزالہ نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی "اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ تم نے فرار ہونے والے مشتبہ آدمی کو"

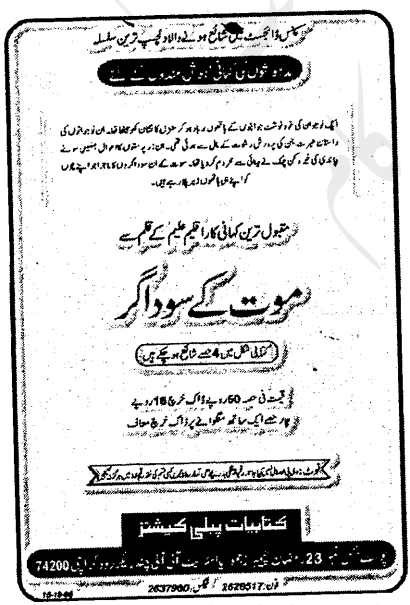

Downloaded from https://paksociety.com

اس کا نام لے کر روکنے کی کوشش ضرور کی تھی....“

”تم سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہو جب ہی ایک ساتھ میرے گرد موجود ہو۔“ اس نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے ”مجھے پہلے ہی اندازہ کر لینا چاہیے تھا کہ مجھے ایک منظم سازش کے تحت یہاں گھیرا گیا ہے۔“ خود کلامی کے انداز میں بات کرتے کرتے وہ یکایک ہوٹل کے محافظوں سے مخاطب ہو گیا ”تم دیکھ رہے ہو کہ یہ مسلح دہشت گرد ریوالور کی نوک پر مجھ جیسے نہتے سفارتی افسر کو خوف زدہ کر رہا ہے۔ میرا نام بوب رافیل ہے اور میں امریکی سفارتی مشن میں سوشل منسٹر ہوں۔ براہِ مہربانی جلد از جلد اسے غیر مسلح کر کے اپنے قابو میں کر لو....“

وہ دونوں سفید چمڑی والے کی تقریر سے متاثر ہوتے نظر آ رہے تھے کہ سلطان شاہ بوب رافیل کی بات کاٹ کر اردو میں ان دونوں سے مخاطب ہو گیا ”بھول کر بھی اس بہروپیے کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ بہت اونچا چکر ہے اور اس میں کئی ایجنسیاں ملوث ہیں۔ خود کو اس معاملے سے الگ تھلگ رکھو۔“

”تم بے فکر رہو۔ اس گورے لفنگے نے آتش بازی کا مظاہرہ نہیں کیا تو ہم کوئی گولی چلائے بغیر اسے یہاں سے لے جائیں گے۔“ غزالہ نے ان کے اطمینان کے لیے لقمہ دیا۔

وہ دونوں محافظ صحت مند اور قد آور ہی نہیں، تعلیم یافتہ بھی تھے۔ ان تینوں کو حیرت ہوئی جب ان میں سے ایک باوردی محافظ شستہ انگریزی میں بوب رافیل سے مخاطب ہوا ”سوری سر! ہم نے اپنے کانوں سے تمہاری اور مادام کی جو گفتگو سنی ہے، وہ تمہارے حق میں نہیں ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہمارے دفتر تک چلنا ہوگا۔“

”اس.... اس.... کالے اور ڈراؤنے ریوالور کے سائے میں!“ بوب رافیل نے ہکلا کر احتجاج کیا۔

”تم آمادگی ظاہر کرو تو یہ ریوالور ابھی اپنی جگہ غائب ہو جائے گا۔“ حامد نے پورے سکون سے اسے یقین دلایا ”ہمیں تم سے زیادہ اس ہوٹل کی ساکھ عزیز ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے اکرم کی طرح بھاگنے کی کوشش کی تو میرا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔ میری چلائی ہوئی گولی تمہاری ریڑھ کی ہڈی میں اترے گی اور تم زندہ رہنے کے باوجود کبھی بھی اپنی مرضی سے نقل و حرکت کرنے کے قابل نہ رہ سکو گے۔“

”ہاں....“ اسی محافظ نے حامد کی یقین دہانی کی تائید کی ”تم چاروں میں سے کوئی نہیں بھاگے گا۔ ہمارے دفتر میں یہ معاملہ قانون کے تقاضوں کے عین مطابق طے ہو جائے گا۔“

”آمادگی کے اظہار سے پہلے میں ایک گارنٹی چاہتا ہوں جو میرا حق ہے۔“

سلطان شاہ کی زبان سے ایجنسیوں کا ذکر سننے کے بعد دونوں پڑھے لکھے محافظ بہت محتاط نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے کسی نے بوب رافیل کے مطالبے کا کوئی جواب نہیں دیا۔

چند ثانیوں تک خاموشی کے ساتھ، جواب طلب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بوب رافیل خود ہی اپنی بات مکمل کرنے پر مجبور ہو گیا ”ان تینوں سے پہلے مجھے فون تک رسائی ملنی چاہیے۔ میں کراچی میں اپنے قونصل خانے کو اس ناگہانی مصیبت کی اطلاع دینا چاہوں گا۔“

ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ صورتِ حال خوش ہوتی جا رہی تھی۔ کسی بھی لمحے ہوٹل کا مزید عملہ پولیس کی نفری کے ساتھ وہاں پہنچ سکتا تھا۔ دونوں محافظوں کی پوزیشن نازک تھی۔ ان کے تذبذب کا اندازہ لگا کر دوبارہ حامد کو دخل انداز ہونا پڑا۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ پہلا فون تم کر لینا۔“

حامد کی پیشکش پر بوب رافیل کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہراتے نظر آئے۔ اس کے پاس حالات سے سمجھوتا کرنے کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔

ریستوران کے وسیع و عریض مگر اجڑے ہوئے ہال میں الفا کے مہیے لٹا لٹا کر وہ پُرپیچ شطرنج کھیلی جا رہی تھی جس سے میں اس وقت قطعی بے خبر تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان تینوں نے بہت آسانی کے ساتھ بوب رافیل کو نروس حالت میں اپنی تحویل میں لے لیا ہوگا۔

بعد میں غزالہ اور سلطان شاہ کی زبانی معلوم ہوا کہ حامد سربراہی میں، ان کے لیے وہ کام اتنا آسان ثابت نہیں ہوا تھا۔ حامد بہت ذہین اور حاضر دماغ افسر سہی مگر بوب رافیل بھی گرگِ باراں دیدہ تھا۔ اس نے کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئی تھیں جو آسانی سے اپنی گردن ان کے چنگل میں دے دیتا۔

بہرحال، اکرم الٰہی کو کھو دینے کے بعد ریستوران میں وا کے لیے میں نے وہی راستہ اختیار کیا جسے اکرم الٰہی نے اپنے ف کے لیے منتخب کیا تھا۔ راستے میں، بوب رافیل کے پکڑے جا کے پورے یقین کے باوجود مجھے اکرم الٰہی کے پھسل کر نکل جا سخت افسوس تھا۔

اول خان شہر سے باہر تھا، حامد بذاتِ خود میدان میں اتر تھا۔ اس کے آدمیوں کو شاید کانوں کان بھی پتا نہیں چل سکا تھا اندر سے باہر تک کیا کچھ ہو گیا تھا۔

ہماری منصوبہ بندی میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ اکرم الٰہی ا بوب رافیل کو ہوٹل میں مل بیٹھنے کا کھلا موقع دیا جائے اور ان دور سے نگاہ رکھی جائے۔ جب وہ واپسی کا قصد کریں تو ان کی روک لی جائے۔ اسی بنا پر حامد نے اپنے آدمیوں کو ہوٹل عمارت سے نکلنے والے راستوں پر مامور کیا تھا جب کہ اکرم نے اپنے فرار کے لیے جو راستہ اختیار کیا، وہ گاڑیوں سے کے پورچ اور پھر بڑے داخلی دروازے تک رسائی کے لیے استعم کیا جاتا تھا۔ جانے والے اسی ڈرائیو وے کا وہ سیدھا حصہ استع

Downloaded from https://paksociety.com

کرتے تھے جو دوسری سڑک پر نکلتا تھا۔

میرے ذہن پر بس ایک ہی خیال بوجھ بن کر سوار تھا کہ اکرم الٰہی کے فرار کے بعد بوب رائفل پر زیادہ دباؤ برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اسے چند گھنٹوں سے زیادہ کسی طرح نہیں روکا جاسکتا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ہی جلال کا نام کوندے کی طرح لپکا۔ گو ہم نے اسے فریڈم انٹرنیشنل کے معاملات سے حتی الامکان الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن مقبول چوہدری نے نسرین باجی نامی طوائف کے گھر میں اپنی مختصر سی روپوشی کے دوران اپنے جن امریکی آقاؤں کو اپنی درد بھری کہانی سنائی تھی، وہ کمر کس کے فوری طور پر میدان میں کود پڑے تھے۔ انہوں نے سرکاری پالیسیوں کے خلاف آواز اٹھانے والی این جی اوز کو طاقت کے زور پر کچلنے کا غلغلہ اٹھا کے وزارت داخلہ اور خارجہ کو پریشان کردیا تھا۔

فریڈم انٹرنیشنل کا نام آئی بی والوں کے ذریعے ہمارے کانوں تک پہنچا تھا اس لیے جب امریکیوں نے مقبول چوہدری کی حمایت میں آنکھیں دکھانی شروع کیں تو منطقی طور پر جلال کا ذہن ہماری طرف مرکوز ہوگیا۔ پچھلی رات کی گفتگو میں، میں نے بڑی حد تک اسے یہ اشارے دے دیے تھے کہ ہم مقبول چوہدری اور اکرم الٰہی کی راہ پر لگ چکے تھے۔

مقبول چوہدری اپنی غداری کے جرم میں آخر کار ایس ٹی ایف کے زنداں میں پہنچایا جاچکا تھا تاہم میرے دیے ہوئے فون نمبر پر جلال خود اکرم الٰہی سے بات کرکے یقین کرچکا تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل میں صرف چہرے بدلے تھے ورنہ اس این جی او کا وجود برقرار تھا۔ اس کے لیے وہ بہت بڑی خبر تھی۔

اس وقت سرکاری محاذ پر جلال ہی پس پردہ رہ کر امریکیوں سے لڑ رہا تھا۔ اختیارات اور ضابطوں نے اس کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے مگر وہ وسیع تر قومی مفادات کی خاطر ہماری سرگرمیوں سے چشم پوشی اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہ اور بات تھی کہ امریکیوں کی سرکوبی کے لیے بیشتر مواد اسے ہم سے ہی مل رہا تھا۔

ریستوران کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میرے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ آخر کار میں نے جلال کو پوری طرح اعتماد میں لینے کا فیصلہ کرکے موبائل فون نکال لیا۔

اس وقت تک ریستوران میں ہونے والی بھگدڑ کی خبر شاید باہر بھی پھیل چکی تھی کیونکہ سومنگ پول والے راستے کا محافظ اپنی جگہ سے غائب تھا۔ میں اندر داخل ہوکر لان کے احاطے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے پودوں کے قریب رکا اور موبائل پر جلال کا نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔

خوش قسمتی سے جلال اپنے دفتر میں ہی موجود تھا۔ میری آواز پہچانتے ہی اس نے پچھلی رات کی سرخ روئی کی کہانی چھیڑی۔ فریڈم انٹرنیشنل کے ایک فون نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرنے کے

غیر ممالک میں رہنے والے قارئین کے لیے

ہر ماہ گھر بیٹھے رجسٹرڈ ایئر میل سے فراہمی

جاسوسی ڈائجسٹ ـــ سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ اور ماہنامہ سرگزشت

کسی بھی پرچے کے ۱۲ شماروں کے لیے زرِ سالانہ

ایشیا، یورپ اور افریقا کے لیے ۱۵۰۰ روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور جنوبی امریکا کے لیے ۱۸۰۰ روپے

آج کی قیمت پر اکتیسویں صدی کا سبسکرپشن

کسی اضافی زحمت کے بغیر

ایک سے زائد رسائل اور ایک سے زائد سالوں کے لیے رقم ارسال کرکے اپنے قیمتی وقت اور روپے کی بچت کے ساتھ اپنے پسندیدہ ماہناموں سے بروقت لطف اندوز ہوتے رہیں

اپنی رقوم

JASOOSI DIGEST PUBLICATION

کے نام

63-C, PHASE II EXTENSION
DEFENCE COMMERCIAL AREA
MAIN KORANGI ROAD,
KARACHI 75500 PAKISTAN

کے پتے پر ارسال کریں۔ ڈرافٹ کی رقم کراچی میں واقع کسی بھی ملکی یا غیر ملکی بینک کی شاخ میں قابلِ ادائی ہونا ضروری ہے۔ ڈرافٹ یا چیک کی بیرونِ پاکستان کلیرنس کے لیے زرِ سالانہ کی رقم میں بینک چارجز (دس ڈالر کے مساوی) اضافہ کرنا ہوگا۔ اپنی یہ رقم ضرور بچائیں۔

FAX: (92) (21)580.2551
email: Jasoosi @ attgolbal.net

Downloaded from https://paksociety.com

بعد اس نے اپنے افسران بالا کو جو رپورٹ دی تھی وہ ہر امریکی الزام کی تردید کے لیے کافی تھی۔

معمولی ردوبدل کے بعد وہ رپورٹ افسر مجاز کے دستخطوں کے ساتھ' رات ہی امریکی سفارت خانے کو فیکس کردی گئی تھی۔ یہ بات میں پہلے ہی سمجھ چکا تھا۔ وہ فیکس ملنے کے بعد بوب رافیل نے رات یا صبح کے تین بج کر دس منٹ پر اسی فون نمبر پر اکرم الٰہی سے مختصر بات کرکے' اس سے صبح گیارہ بجے ملاقات کا وقت اور مقام طے کیا تھا۔

اس قصے کی جزئیات خاصی طویل تھیں اور جلال وہ سب مجھے سنانے کے موڈ میں تھا مگر میں بار بار اسے اپنی بات مختصر کرنے کی تاکید کرتا رہا اور جوں ہی اس نے میرے بنیادی خدشات کی تصدیق مکمل کی' میں نے اسے اکرم الٰہی اور بوب رافیل کے بارے میں تازہ ترین حالات کے نچوڑ سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

جلال کے لیے میری رپورٹ دھماکا خیز تھی۔ اس نے پہلے ہی سانس میں کئی سوالات کر ڈالے مگر میں نے اضطراری لہجے میں اس کی بات کاٹ دی "میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ پتا نہیں اندر کیا ہو رہا ہے۔ بوب رافیل کی گرفتاری کو طول دینے کے لیے کچھ کرسکتے ہو تو فوری طور پر کرو ورنہ اکرم الٰہی کے بعد وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"اسے اپنی سفارتی شناخت استعمال کرنے کا موقع نہ دو!" اس نے پُرجوش آواز میں بے ساختہ مشورہ دیا "اس سے پہلے ہم اسے دل کھول کر رگڑ سکتے ہیں۔"

"اگر گنجائش ہوئی تو میں ضرور کوشش کروں گا مگر مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے خطرہ بھانپتے ہی سفارتی مراعات کی دہائی دینی شروع کردی ہوگی۔ میں نے اس کی ایک جھلک ہی دیکھی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہے۔ لفاظی اور مکاری سے کام لے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرے گا۔"

"تم اندر کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد دوبارہ فون کرو۔ میں اس دوران میں اپنے کراچی آفس سے کسی کو ہوٹل بھیجتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ ایسے مواقع پر کیا حکمتِ عملی ہونی چاہیے" اس کے لہجے میں جوش و خروش نمایاں تھا۔

"ہوٹل والوں نے پولیس سے مدد طلب کرلی ہوگی۔ وہ پہنچ گئے تو کھیل بگڑ جائے گا۔" میں نے لان پر اضطراری انداز میں پیش قدمی شروع کردی۔ میں جلد از جلد ریستوران میں پہنچنے کے لیے بے چین تھا مگر اس نئے چکر کے بارے میں جلال کو پوری طرح باخبر رکھنا بھی ضروری تھا۔

"پہلے تم اندر کی خیر خبر لو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری موقع پر موجودگی بہت سے مسائل کے خاتمے کا سبب بن جائے گی۔ قدرت نے مختصر سی مدت میں ہمیں امریکیوں کو نیچا دکھانے کا یہ دوسرا موقع فراہم کیا ہے۔ چند روز پہلے رابن مائر اپنے ایک میرین کمانڈو کے ساتھ موہنی پنڈت کے گھر آگیا اور اب بوب رافیل چوہے دان میں بری طرح پھنسا ہوا ہے....."

وہ پھر غیر ضروری اور جذباتی باتوں کی طرف بہک رہا تھا۔ میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا "میں نے پوری تصویر تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ میں اپنی سرتوڑ کوششیں کررہا ہوں۔ تم جو کچھ کرسکتے ہو' فوراً کرگزرو۔ شاید ہمیں تیسرا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ جو ہونا ہے' آج ہی ہوجانا چاہیے۔"

میں نے فون بند کرکے جیب میں ڈالا اور لان پر دوڑ لگادی۔

میں سوئمنگ پول کے رخ سے ریستوران میں داخل ہوا تو وہاں سب کچھ طے ہوچکا تھا۔ میرے تینوں ساتھی بوب رافیل اور دو باوردی محافظوں کے ساتھ ریستوران کے اندرونی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ویران ریستوران کے بکھرے ہوئے فرنیچر کی وجہ سے ہال میں دوڑ لگانی ممکن نہیں تھی مگر پھر بھی میری رفتار بہت تیز تھی۔ فرشی قالین پر میرے قدموں کی دھمک محسوس کرکے دونوں محافظ بہت تیزی سے پلٹے تھے۔ ان کا وہ ردِعمل اس قدر بے ساختہ تھا کہ بقیہ چاروں افراد کی گردنیں بھی پیچھے گھوم گئیں۔

شاید ہوٹل کے دونوں مسلح محافظ مجھے تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھ کر شکوک و شبہات میں مبتلا ہوکر کوئی ناخوش گوار قدم اٹھاتے مگر حامد فوراً ہی کچھ بول پڑا۔ ان دونوں کے ہاتھ بیلٹ ہولسٹرز تک جاتے جاتے رک گئے تھے۔

میرے انتظار میں وہ سب رک گئے تھے۔ میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ میں چند لمحوں میں درمیانی فاصلہ طے کرکے ان کے ساتھ جاملا۔

"وہ بھگوڑا کہاں رہ گیا؟" حامد نے میری توقع کے عین مطابق سوال کر ڈالا۔

اس نے اردو میں سوال کیا تھا اور اس کا جواب نہایت مایوس کن تھا۔ میں نے بوب رافیل پر ایک نظر ڈالی۔ اس کی نگاہوں میں گہرا تجسس تیر رہا تھا۔

"وہ ایک آوارہ کتے کی طرح دھر لیا گیا" میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد انگریزی میں جواب دیا اور پھر بوب رافیل کی اعصاب شکنی کے لیے بھاری بھرکم اصطلاحات کا سہارا لیتے ہوئے بات جاری رکھی "اسے وی جی لینس اسکواڈ والے اپنی آرمرڈ گاڑی میں ڈال کر اسپیشل انٹروگیشن سیل لے گئے ہیں۔ وہاں وہ کھایا پیا تک اگلنے پر مجبور ہوجائے گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ میرا بیان سن کر بوب رافیل کے شانے قدرے ڈھلک گئے اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی "تم لوگ بہت سفاک ہو" وہ خوف اور حقارت کے ملے جلے لہجے میں کہہ رہا تھا "تیسری دنیا کے نیم وحشی ملکوں کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ تم لوگ اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے۔ اپنے معززین پر

Downloaded from https://paksociety.com

کیچڑا چھالتے ہو' ان پر الزام تراشیاں کرتے ہو اور ان کے ساتھ عادی مجرموں جیسا سلوک کرتے ہو۔"

"تمہارا یہ ہمدردانہ تبصرہ کس کے لیے ہے؟" سلطان شاہ نے نرمی سے پوچھا۔

"اس وقت ایکرم ایلائی سے زیادہ بدنصیب اور ہمدردی کا مستحق شخص اور کون ہو سکتا ہے؟" بوب رافیل نے جلوس کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن چند منٹ پہلے تو تم اس سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کر رہے تھے" حامد نے اسے یاد دلایا۔

بوب رافیل نے اسے قہربار نظروں سے گھورا اور کہا "اپنی گندی زبان بند رکھو.... وہ بچ نکلتا تو میں تمہیں بتاتا کہ کون کس کو جانتا ہے۔ کہوں کے بعد ایکرم ایلائی کے خلاف تمہاری کارروائی سے صاف ظاہر ہے کہ تمہاری حکومت فریڈم انٹرنیشنل کو ہر قیمت پر کچلنے پر تل گئی ہے۔"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں' امریکی سی آئی اے تو اپنی سرحدوں سے باہر بھی ہر اس فرد اور ادارے کا سر کچلتی رہی ہے جو امریکا کے مفادات کے خلاف کام کر رہا ہو۔" غزالہ نے اس پر طنز کیا۔

"تمہاری ننھی منھی کھوپڑیوں میں سی آئی اے کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔ امریکا بہت بڑی جمہوریت ہے۔ وہاں تمہیں' تیسری دنیا کے مکاروں کو' سی آئی اے کے سوا اور کچھ کیوں نظر نہیں آتا؟"

"اس لیے کہ ہر معاملے کی جڑیں فیرفیکس اور لینگلے کے سی آئی اے سینٹروں اتری ہوئی ہیں۔ امریکا میں صدر اور حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں' سی آئی اے عشروں سے پروان چڑھ رہی ہے۔ تمہاری اصل حکومتیں اس رسوائے زمانہ انجنسی کی تائید کی محتاج ہوتی ہیں۔ جان ایف کینیڈی کو بھرے جلوس میں سی آئی اے نے ہی مروایا تھا کیونکہ اس نے بعض معاملات میں اس کے سربراہ کے مشوروں کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔" میں نے کہا۔

وہ نوک جھوک چلتی رہی اور ہم ہراساں تماشائیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے سیکورٹی چیف کے دفتر میں پہنچ گئے۔ بعد میں پتا چلا کہ ہمارے ساتھ موجود دو محافظوں میں سے ایک' خود سیکورٹی چیف تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس بڑے عہدے پر فائز ہوتے ہوئے بھی وہ خود عام محافظوں کی طرح وردی میں ملبوس تھا۔

دفتر میں پہنچتے ہی بوب رافیل نے فون استعمال کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا۔

"شٹ اپ!" میں نے اسے بری طرح جھڑک دیا "کوئی بھی بات کرنے سے پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہارے دعوے کا کیا دستاویزی ثبوت موجود ہے؟"

"میں بوب رافیل ہوں۔ یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے" اس نے اپنی جیب سے کارڈ نکال کر سیکورٹی چیف کے سامنے رکھ دیا۔ "میرے ایک فون پر میرے دعوے کے متعدد گواہ یہاں پہنچ جائیں گے..."

"وہ تمہیں ہماری تحویل سے نکال لے جانے والے غنڈے بھی ہو سکتے ہیں۔" میں نے اس کی دلیل مسترد کر دی "تم جس نام سے چاہو' وزیٹنگ کارڈ چھپوا سکتے ہو۔ یہ کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"تم درمیان میں مت بولو!" بوب رافیل نے طیش سے کہا۔

"میں چیف سے بات کر رہا ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے ہمارے درمیان کچھ طے ہو چکا تھا۔ اس پر پوری طرح عمل ہونا چاہیے۔"

"آپ لوگ کون ہیں اور یہ کیا چکر ہے؟" چیف نے الجھن آمیز لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"یہ شخص فراڈ ہے۔ اس کا بھاگنے والا ساتھی ایک مجرم تھا۔ ہم غیر سرکاری شخصیات کے سامنے اپنی شناخت ظاہر کرنے سے معذور ہیں۔ کسی بھی لمحے بااختیار افراد یہاں آئیں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے" میں نے کہا۔

"میں فراڈ نہیں ہوں" بوب رافیل نے پرزور احتجاج کیا "تم ایک سفارت کار کی توہین کر رہے ہو۔"

"بوب رافیل کی پوسٹنگ اسلام آباد میں ہے جب کہ تم کراچی میں جھک مار رہے ہو۔ بوب آج صبح تک اسلام آباد میں تھا۔ تم جھوٹے اور بکے ہوئے ہو" میں نے اسے اشتعال دلایا۔

"میں صبح کی پرواز سے کراچی آیا ہوں...." میری توقع کے عین مطابق اس نے دعویٰ کیا اور میں نے اس کی بات درمیان میں سے ہی اچک لی۔

"اپنے ٹکٹ کا بچا ہوا حصہ دکھاؤ۔ تمہیں فون کرنے کی اجازت مل جائے گی۔"

اس نے مجھے خون آشام نظروں سے گھورا پھر کہا "وہ یک طرفہ ٹکٹ تھا۔ بورڈنگ کے بعد میں نے اسے ضائع کر دیا۔"

"سرکاری سفر یک طرفہ ٹکٹ پر اسی صورت میں ہوتے ہیں جب کسی کا تبادلہ ہو جائے۔ اگر تم نے ٹکٹ ضائع کر دیا تو اب چند گھنٹے بھی ضائع کرو۔ ایرلائن کے ریکارڈ سے تمہاری شناخت ہو جائے گی" میں سوچے سمجھے انداز میں اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ سے تنگ تر کرتا جا رہا تھا۔

"میں اس وقت تک تمہارا قیدی نہیں رہ سکتا' مجھے میرا حق ملنا چاہیے۔"

"کسی تصدیق کے بغیر تمہیں کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تیسری دنیا کے ملکوں میں کیا ہوتا ہے۔ ملزم سے ٹھیک ٹھاک باز پرس کے بعد ہی اس کی گرفتاری ظاہر کی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج شام سے پہلے تم خود سب کچھ بتانے پر آمادہ ہو جاؤ۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ تمہارے جسم پر تشدد کا کوئی نشان نظر نہیں آئے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

بوب رافیل کے حلق پر اگے ہوئے گھنے بالوں میں ہڈی اوپر نیچے حرکت کرتی ہوئی نظر آئی۔ شاید وہ تھوک نگلنے کی کوشش کررہا تھا۔ چند ثانیوں تک وہ مجھے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو؟"

"تم جو نتیجہ چاہو' اخذ کرسکتے ہو۔ میں نے حقائق بیان کیے ہیں۔ کیا یہ بات حیرت ناک نہیں ہے کہ ایک سفارت خانے کا سوشل منسٹر اسلام آباد سے کراچی آتا ہے اور کراچی میں اس کے قونصل خانے والے اسے یتیمی کے عالم میں بالکل بے سروسامان چھوڑ دیتے ہیں۔ تمہیں کوئی پروٹوکول کیوں نہیں دیا گیا؟"

"کراچی والوں کو علم نہیں ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔ فون پر میں ان ہی سے بات کروں گا۔ تم یقین کرو کہ میں بوب رافیل ہوں۔ وہ لوگ میرے بیان کی تصدیق کریں گے۔ میں ائرپورٹ سے سیدھا ہوٹل آیا تھا۔"

"تم بوب رافیل ہو یا بوب ہوپ۔ ائرلائن کے ریکارڈ سے اس کی تصدیق ناگزیر ہے۔"

"اور اگر کسی نے نام بدل کر سفر کیا ہو؟" چند لمحوں کی تشویش آمیز خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

"تم نے کس نام سے یہ سفر کیا تھا؟" میں نے بہت تحمل اور نرمی سے پوچھا "نام بتادوگے تو تصدیق کا کام آسان ہوجائے گا ورنہ ہر کمپیوٹر بوب رافیل کی تلاش میں بھٹک کر ناکامی کا اعلان کرتا رہے گا۔"

"تم میرے خلاف کوئی نئی فرد جرم عائد کردوگے" وہ باتوں کے جال پھنستا جارہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ تم پر قتل کا ناقابل تردید الزام ہو تب بھی ہم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر تم واقعی بوب رافیل ہو تو جلد یا بدیر رہا ہوجاؤ گے۔ اسلام آباد والے تمہاری گمشدگی پر خاموش نہیں رہیں گے۔"

"اسٹیفن کوائے...." بوجھل سے سکوت کے بعد اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "میں نے اسٹیفن کوائے کے نام سے سفر کیا تھا۔ واپسی کا کوپن اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ اسے دیکھ لینے کے بعد تمہیں ائرلائن سے رابطے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ ٹکٹ میرے بیان کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔"

اس نے اپنی پتلون کی عقبی جیب سے تہ کیا ہوا ٹکٹ نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔

ہم دونوں کی گفتگو پر ہوٹل کا سیکیورٹی چیف حیران تھا۔ عام لوگ اس نکتے پر توجہ نہیں دیتے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ نام بدل کر سفر اور خاص طور پر فضائی سفر کرنا سنگین اور قابل تعزیر جرم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اندرون ملک پروازوں کے ٹکٹ فروخت کرنے والی کمپنیاں محض نفع اندوزی کے لیے مسافروں کی شناخت کا کوئی مطالبہ نہیں کرتیں اور ایکس کے نام پروائی سفر کے سارے مراحل طے کرلیتا ہے۔ نام کی تبدیلی کا تنازع اس وقت رنگ لاتا ہے جب دوران پرواز طیارے کو خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے یا طیارہ اغوا ہوجائے۔

پہلی صورت میں جائز و نامعقول زرتلافی سے محروم رہ جاتے ہیں' دوسری صورت میں اصل مسافر سنگین مسائل کا شکار ہوجاتا ہے۔ میرے لیے یہ بات ناقابل یقین سی تھی کہ بوب رافیل نے اسٹیفن کوائے کے نام سے سفر کیا تھا۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر بوب رافیل کا وہ ٹکٹ اپنے قبضے میں لے لیا اور کہا "ہاں' تو مسٹر اسٹیفن کوائے! یہ بتاؤ کہ اب تمہاری کس بات کا اعتبار کیا جائے؟ اگر تم بوب رافیل ہو تو تمہیں یہ بتانا پڑے گا' تمہیں ایسی کون سی مجرمانہ مجبوری درپیش تھی کہ تمہیں نام بدل کر' چوروں کی سی رازداری کے ساتھ اسلام آباد سے کراچی آنا پڑا؟ اکرم الٰہی سے تمہارا کیا گٹھ جوڑ ہے؟ اگر تم اسٹیفن کوائے ہو تو تمہارا جرم ثابت تم نے جعلی سفارتی افسر بن کر ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔"

"تم بدعہدی کررہے ہو!" احتجاج آمیز لہجے میں وہ چیخ پڑا "میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"ضرور دیکھنا بلکہ مائیکروا سکوپ سے دیکھنا۔ میں نے تم سے کوئی عہد نہیں کیا تھا۔ میرے ساتھیوں نے کچھ کہا تو صرف اس لیے کہ انہیں میری کامیابی یا ناکامی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ یہ میری واپسی تک تمہیں بہلائے پھسلائے رکھنے کی کوششیں کررہے تھے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

"کراچی والوں کو میرے بارے میں کوئی پیشگی اطلاع نہیں ہے لیکن اسلام آباد میں میرا سفارت خانہ پوری طرح فعال ہے۔ میں نے ایک بجے تک ان سے رابطہ کرکے رپورٹ نہ دی تو ہر طرف ہاہا کار مچ جائے گی..."

"یہ تمہاری خوش گمانی ہے" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "وہ اپنا سر پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔ تم لوگوں کے لیے پاکستان ہائی رسک کنٹری ہے۔ یہاں سفارت کار تو کجا' تمہارے عام شہریوں کو بھی محدود اور محتاط نقل و حرکت کا مشورہ دیا گیا ہے۔ وہ کیا کہیں گے کہ تم کسے مطلع کرکے فرضی نام سے کراچی آئے ہو؟"

اس تمام گفتگو سے ہوٹل کے سیکیورٹی چیف کو اندازہ ہوگیا کہ بوب رافیل غلط وکٹ پر کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے ماتحت کو ہمارے ساتھ چھوڑ کر چلا گیا تاکہ ریستوران میں ہونے والے ہنگامے کے بارے میں اپنے انتظامی افسران کو باخبر کرسکے۔ اس کے لیے ہوٹل کے کاروبار کی پرسکون انداز میں بحالی ہر کارروائی پر مقدم تھی۔

بوب رافیل بری طرح پھنس چکا تھا مگر میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاسکا۔ آئی بی والوں کو اعتماد میں لینے کے بعد محتاط رہنا ضروری تھا

Downloaded from https://paksociety.com

کہ کہیں بعد میں ان کے لیے دشواریاں پیدا نہ ہو جائیں۔

میں اسے باتوں میں الجھائے رہا لیکن میری نظریں بار بار اپنی رسٹ واچ پر جا رہی تھیں۔ بوب رافیل کی زبان سے ایک بجے کا ذکر سننے کے بعد میری خواہش تھی کہ ہم آئی بی والوں کے ساتھ جلد از جلد ہوٹل سے نکل جائیں۔

اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے امریکی یہ شکایت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا سوشل مٹسر کراچی کے ہوٹل سے غائب ہو گیا البتہ وہ اپنے مقامی قونصل خانے میں مامور ایجنٹوں کو صورتِ حال کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہوٹل بھیج سکتے تھے۔ وہ واقعہ ہوٹل کے بھرے ریستوران میں پیش آیا تھا جہاں وقوعے کے وقت گاہکوں کی تعداد کم ہونے کے باوجود' ریستوران کا پورا عملہ موجود تھا۔ ہوٹل کی انتظامیہ کے لیے اس واقعے کو چھپانا یا دبانا ممکن ہی نہیں تھا۔

قونصل خانے کے ایجنٹ ایک بار یہ پتا چلا لیتے کہ اکرم الٰہی کے بھاگنے کے بعد بوب رافیل کو گھیر لیا گیا تھا تو وہ کوئی نئی حکمت عملی طے کر کے بوب رافیل کی بازیابی کا مطالبہ کر سکتے تھے۔

اس دوران میں' میں نے اردو میں اپنے ساتھیوں کو یہ جتا دیا تھا کہ میں اکرم الٰہی کا پیچھا کر کے بے نیل و مرام واپس آیا تھا۔ بوب رافیل کو سنائی جانے والی کہانی قطعی بے سروپا اور فرضی تھی۔

ہم لوگ انتظار کی صبر آزما کیفیت سے گزر رہے تھے اس لیے ایک ایک پل گزارنا دوبھر ہو رہا تھا مگر حقیقت میں اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔ سارا کھیل گیارہ بجے تک اکرم الٰہی کے نظر نہ آنے کے بعد شروع ہوا تھا اور پھر سب کچھ بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔

واقعات پے در پے ظہور پذیر ہوتے چلے گئے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمیں ان اعصاب شکن حالات سے لڑتے لڑتے گھنٹوں گزر گئے ہوں مگر میری رسٹ واچ کی سوئیاں پورے نصف گھنٹے بعد بارہ بجانے والی تھیں۔

دو سادہ پوش اور تیز و طرار مقامی' ہوٹل کے ایک گارڈ کے ساتھ وہاں پہنچے تو میں نے انہیں ان کے تیوروں سے ہی پہچان لیا اور مجھے دل ہی دل میں اعتراف کرنا پڑا کہ جلال نے اسلام آباد سے ڈوریاں ہلانے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔

آنے والوں نے ہم سب سے پرتپاک انداز میں ہاتھ ملائے' بوب رافیل کو خشمناک نگاہوں سے گھورا اور سیکیورٹی چیف کے ماتحت کو اس کی میز سے اٹھا کر دفتر کے ایک گوشے میں لے گئے۔

پوری رازداری کے ساتھ شناخت کا مرحلہ طے ہوتے ہی ہمیں بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی۔ وہ اعلان سنتے ہی بوب رافیل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کے ہونٹ سوکھ گئے۔

"میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا" اس نے دہشت سے ہکلاتے ہوئے کہا "تم میں سے کسی نے مجھے ہاتھ بھی لگایا تو میں چیخ چیخ کر پورے ہوٹل کو سر پر اٹھا لوں گا۔"

میری انگلی میں ربر کے رنگین کیپسول والی وہ انگوٹھی موجود تھی جس کے کھوکھلے نگینے میں بے ہوش کرنے والا سریع الاثر محلول بھرا ہوا تھا۔ میں نگینہ گھما کر اس کی گردن یا پشت پر ہلکی سی چبھت بھی جڑ دیتا تو وہ بیٹھے بیٹھے بے ہوشی کی گہری آغوش میں پہنچ سکتا تھا۔ میرا ارادہ بھانپ کر غزالہ فوراً بول پڑی۔

"نہیں.... یہ حساس مجرم ہے۔ طبّی رپورٹ اسے دیے جانے والے ہر محلول کو ظاہر کر دے گی.... میں ابھی اس خبیث کا قدرتی علاج کرتی ہوں" اردو میں یہ کہہ کر ویرا نے اپنی کرسی چھوڑی اور بے پروایانہ انداز میں ہمارے پیچھے ٹہلنے لگی۔

بوب رافیل نے بھڑک کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ دیر تک خوف زدہ نظروں سے دیکھتا ہی رہا۔ غزالہ کو ایک دیوار گیر تصویر میں مکمل طور پر منہمک پا کر وہ اطمینان سے سیدھا ہو گیا۔

مجھے یاد آیا کہ ویرا نے مارشل آرٹس میں باقاعدہ تربیت لی ہوئی تھی اور وہ کئی مردوں کے نرغے میں بھی خود کو محفوظ رکھنے کے فن میں طاق تھی لیکن غزالہ نے بھی اپنے طور پر بہت کچھ سیکھا ہوا تھا۔

بوب رافیل کو اپنی طرف سے غافل پا کر وہ تیزی سے مڑی اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی اس کے سر پر پہنچ گئی اور پھر اچانک ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بوب رافیل کی گردن اور شانوں کی جڑوں میں پیوست کرنی شروع کر دیں۔ نہ جانے غزالہ نے اس کی کن رگوں پر ہاتھ ڈالا تھا کہ دردناک سسکاریاں لینے کے باوجود وہ کرسی سے نہ ہل سکا۔

○☆○

صبح سویرے سلطان شاہ سے ہلکی سی جھڑپ کے بعد ویرا اپنے کمرے میں گئی تو اس نے خود محسوس کیا کہ اس کے اعصاب پر رات کی مے نوشی کا خمار طاری تھا۔ وہ دوبارہ بستر پر گر گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دوبارہ سو گئی۔

اس کی نیند کا وہ دورانیہ طویل اور گہرا رہا۔ اس کی آنکھ کھلی تو نیند پوری ہونے کے نتیجے میں ساری کسل مندی کافور ہو چکی تھی۔ اس نے انگڑائی لے کر بستر چھوڑ دیا۔

وہ کمرے سے باہر نکلی تو پورا گھر خالی پڑا ہوا تھا۔ اس وقت وال کلاک صبح کے دس بجا رہا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر اس نے برقی کیتلی کا سوئچ آن کیا اور پانی کھولنے کے انتظار میں اخبار کی ورق گردانی کرنے لگی۔ اخبار کے آخری صفحے پر اسے وہ خبر نظر آ گئی جو نیا کے بچاؤ کے لیے ضروری تھی۔

ائرپورٹ کی پارکنگ لاٹ سے علاقہ پولیس نے وہ مروقہ اکارڈ برآمد کر لی تھی جو مائیکرو آٹوز سے مقبول چوہدری اغوا کا تھا۔ وہ گاڑی مقبول چوہدری کی ملکیت نہیں تھی بلکہ اس کے ڈرائیور میں معمولی مرمت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ بند گیراج میں واقعہ

Downloaded from https://paksociety.com

اکارڈ سب سے آگے کھڑی ہوئی تھی۔ مقبول چوہدری نے خود کو عمارت میں محصور پایا تو تہ خانے کے راستے گیراج میں نمودار ہو کر وہی گاڑی لے بھاگا اور سیدھا شریف آباد میں نسرین کے اڈے پر پہنچ گیا۔

وہ اندر کی باتیں تھیں۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق اکارڈ کے مالک کو جب یہ علم ہوا کہ اس کی گاڑی مانیکر و سینٹر سے غائب ہے تو اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر اس کی چوری کی ایف آئی آر کٹوادی۔

یہ کراچی پولیس کی شاندار کارکردگی تھی کہ مسروقہ کار چوبیس گھنٹوں میں برآمد کرلی گئی تھی۔ خبر میں خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ کار چرانے والا شاید گھبراہٹ میں کسی پرواز سے دوسرے شہر کی طرف نکل گیا تھا۔

ویرا کو معلوم تھا کہ میرے ایما پر حامد نے اپنے رسوخ سے کام لے کر کار کی بازیابی اور اس خبر کی اشاعت کا بندوبست کرایا تھا تاکہ نسرین باجی کے گناہ پرور ٹھکانے میں پھنسی ہوئی نیا کسی عقاب سے محفوظ رہ سکے۔

ناشتے کے دوران میں ویرا کے اعصاب پر اضطراب طاری ہونے لگا۔ وہ مسلسل ہمارے اس مشن کے بارے میں سوچے جارہی تھی جو اکرم الٰہی اور یوب رافیل کو گھیرنے کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ پچھلی رات جلال سے بات ہونے کے بعد اکرم الٰہی مانیکر و سینٹر سے باہر نکلنے کی ہمت کرسکے گا۔ ہماری طرح وہ بھی چھت کے خفیہ راستے کو بھولی ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اپنے چہرے کے بال مونڈ دینے کے بعد اکرم الٰہی ہمارے لیے ناقابلِ شناخت ثابت ہو سکتا تھا۔

پھر بھی اسے یہ موہوم سا امکان ستا رہا تھا کہ ہوٹل میں گیارہ بجے کوئی ہنگامہ کھڑا ہو ہی گیا تو اسے بہت قلق ہوگا کہ وہ اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکی۔

رفتہ رفتہ یہ ذہنی دباؤ اتنا شدید ہوگیا کہ ویرا نے بہت تیزی کے ساتھ ناشتا ختم کیا اور پھرتی کے ساتھ روانگی کی تیاری شروع کردی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے سرعت سے کام لیا تو وہ گیارہ بجے سے پہلے ہوٹل پہنچ کر ہم لوگوں کے ساتھ شامل ہونے میں کامیاب ہو جائے گی۔

گاڑی ہمارے استعمال میں تھی۔ ویرا گھر کو مقفل کرکے پیدل ہی نکل کھڑی ہوئی اور قریبی موڑ سے خالی ٹیکسی لے کر ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اس کے وینٹی بیگ میں ایک ریوالور اور بے ہوش کرنے والی انگوٹھی کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

اس وقت سڑکوں پر ٹریفک کی بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ تھی۔ ٹیکسی گاڑیوں کے ہجوم میں رک رک کر بہت سست رفتار سے آگے بڑھتی رہی۔ یہ تاخیر ویرا پر اعصابی دباؤ کی صورت میں اثر انداز ہو رہی تھی۔

ویرا کے لیے وقت کا عنصر بہت اہم تھا۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیشکش کی کہ وہ اسے گیارہ بجے تک منزل مقصود پر پہنچادے تو وہ اسے دگنا کرایہ ادا کرے گی۔

پیٹرول کی ہوش ربا گرانی کے ستائے ہوئے ڈرائیور کے لیے وہ پیشکش بہت پرکشش تھی۔ اس نے فوراً ہی بریک اور اسٹیرنگ پر اپنے ماہرانہ کنٹرول کے معجزانہ مظاہرے شروع کردیے اور سفر کی اوسط رفتار خاصی تیز ہوگئی۔ ٹیکسی اپنی قطار بدلتی، دوسری گاڑیوں کو دباتی آگے بڑھتی رہی مگر پھر بھی ڈرائیور گیارہ بجے اپنی منزل سے قدرے دور تھا۔

اس نے مایوسی سے ایک گہرا سانس لے کر اپنی ٹیکسی کی رفتار توڑی ہی تھی کہ ویرا بول پڑی "شاباش! گاڑی اسی طرح دوڑاتے رہو، تم نے اپنی سرتوڑ کوشش کی ہے۔ تمہیں دگنا کرایہ ہی ملے گا۔"

ٹیکسی کی رفتار بڑھ گئی۔ ہوٹل کی کثیرالمنزلہ عمارت نظر آنے لگتی تھی۔ چند منٹ کی بات تھی اور پھر ٹیکسی اسے ہوٹل کے پورچ میں پہنچادیتی۔ اس خیال سے ویرا کے دل ودماغ میں ہیجان برپا ہونے لگا۔

ٹیکسی اپنی منزل سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔ ذرا سی دیر میں اسے ٹریفک سگنل سے پہلے بائیں طرف گھوم کر ہوٹل کے ڈرائیوے میں داخل ہو جانا تھا مگر عین اسی وقت ایک خالی ٹیکسی اس کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ وہ ڈرائیور کسی مسافر کی تلاش میں سست روی سے کچھ اس طرح ڈرائیونگ کررہا تھا کہ اسے بائیں طرف سے اوورٹیک کرنا ممکن نہیں تھا۔ ویرا کا ڈرائیور داہنی طرف سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تو اس کے لیے آخری موڑ کاٹنے میں کوئی بھی غیر متوقع رکاوٹ پیدا ہو سکتی تھی۔

اس نے راستہ لینے کے لیے ہارن بجانا شروع کردیا مگر یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اگلی ٹیکسی کا ڈرائیور بالکل اندھا اور بہرا ہو۔ اسے عقب نما آئینے میں کچھ نظر آرہا ہو نہ ہارن سنائی دے رہا ہو۔

ویرا کا ٹیکسی ڈرائیور اسٹیرنگ وہیل پر ہتھیلیاں مار مار کر غصے میں اس کے پیچھے چلتا رہا اور جب ہوٹل کے ڈرائیوے میں مڑنے کا آخری مرحلہ آیا تو اسے پوری قوت سے بریک لگانے پڑ گئے۔ ویرا اپنی نشست سے اچک کر رہ گئی۔

ڈرائیوے سے ایک خوش پوش شخص بدحواسی کے عالم میں دوڑتا اور فضا میں ہاتھ لہراتا ہوا برآمد ہوا۔ اگلی خالی ٹیکسی اس کے لیے رک گئی۔

ویرا کا دورانِ خون اچانک تیز ہوگیا۔ اجنبی نے اپنے چہرے کے بال بالکل صاف کردیے تھے مگر آنکھوں اور خدوخال کو بدلنا اس کے بس سے باہر تھا۔ ویرا نے پہلی ہی نظر میں اکرم الٰہی کو پہچان لیا تھا۔

"اب ہوٹل میں جانے کی ضرورت نہیں... اگلی ٹیکسی کے

Downloaded from https://paksociety.com

پیچھے چلو۔" ویرا نے اپنے ڈرائیور کو ہدایت کی "میں تمہیں انعام دے کر خوش کردوں گی۔ میں اسی مردود کے لیے یہاں آئی تھی۔"

اکرم الٰہی کے سوار ہوتے ہی وہ ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ مسافر مل جانے کے بعد ڈرائیور کی سستی دور ہوگئی تھی۔ ڈرائیو وے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ویرا نے مجھے ڈرائیو وے کی فٹ پاتھ پر دوڑ لگاتے دیکھا لیکن وہ میرے انتظار میں رک کر اکرم الٰہی کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس کی ٹیکسی زن سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

"میم صاحب! برا نہ مانو تو ایک بات پوچھ لوں؟" ویرا کے ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"ضرور پوچھو لیکن یہ سمجھ لینا کہ میں کوئی غلط عورت نہیں ہوں۔ کئی مرد میرے ہاتھوں سے پٹ چکے ہیں۔"

"توبہ توبہ!" ڈرائیور نے لمحے بھر کے لیے اسٹیرنگ چھوڑ کر اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "میں اپنی پینجروں کے لیے کبھی کوئی غلط بات نہیں سوچتا۔ یہ ٹیکسی میری روزی ہے۔ ڈرپوک عورتیں تو ویسے بھی ٹیکسی میں سفر کرنے سے گھبراتی ہیں۔ چار ہوں تب بھی رکشا ہی پکڑتی ہیں۔ مجھے اپنی گاڑی کی عزت بہت پیاری ہے۔"

"باتیں نہ بناؤ۔ اگلی ٹیکسی پر نظر رکھو اور جلدی پوچھو' کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"تم انگریز ہو لیکن اردو بہت اچھی بولتی ہو۔ ہم سے بھی اچھی۔" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے ستائشی لہجے میں کہا "یہ تم نے کیسے سیکھ لی؟"

اس وقت ویرا کو اس سے کام لینا تھا۔ اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "تم بدھو ہو' ہر سفید چمڑی والا انگریز نہیں ہوتا۔ امریکا' آسٹریلیا اور یورپ والے بھی گورے ہوتے ہیں۔"

"ہم لوگوں کے لیے ایک ہی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آگے والا تمہارا آدمی ہے۔"

"اتنی لمبی دوڑ نہ لگاؤ۔" ویرا نے نرمی سے اس کی بات کاٹی "وہ میرا آدمی نہیں' تمہارے ملک کا ایک نمبر کا غدار ہے۔ اگر وہ ہاتھ آگیا تو تم دیکھنا کہ میں اس کا کیا حشر کرتی ہوں۔ اردو میں نے خود ہی سیکھی ہے۔"

ویرا کا انکشاف سن کر وہ اردو کو بالکل بھول گیا اور تحیر زدہ لہجے میں بولا "غدار ہے۔ تو پھر اس کا پیچھا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم کہو تو کہیں بھی ٹکر مار کر اس کی ٹیکسی روک لیتے ہیں۔ پیچھے کس پیٹ میں ڈال کر اس کی ساری انتڑیاں باہر نکال دوں گا۔ غداروں کا یہی انجام ہونا چاہیے۔"

ویرا ٹیکسی ڈرائیور کی حب الوطنی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کا وہ جذبہ قابلِ قدر تھا اور ویرا اسے مزید ابھار کر اکرم الٰہی کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھا سکتی تھی۔ اس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس کے پاس اپنی سواری نہیں تھی۔ وہ اکرم الٰہی سے ٹکرا جاتی تو اسے زیر کرنے کے بعد کہیں بھی نہیں لے جاسکتی تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے غداروں کے خلاف اپنے اعتماد کا اظہار کرکے ویرا کا وہ مسئلہ حل کردیا تھا۔

"ابھی اسے چھیڑنے یا ہوشیار کرنے کی ضرورت نہیں۔" ویرا نے اسے سمجھایا "مجھے دیکھنا ہے کہ یہ ہوٹل سے بھاگ کر کہاں کا رخ کرتا ہے۔ تم کو سارا دن بھی سڑکیں ناپنی پڑیں تو میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔ کرایہ...."

"بس میم صاحب!" ٹیکسی ڈرائیور نے بگڑ کر ویرا کی بات کاٹ دی "اپنا کرایہ اور انعام اپنے پاس رکھو۔ یہ ہمارے ملک کا غدار ہے تو اسے پکڑنے کے لیے دس پانچ گیلن پیٹرول تو کیا' میں اپنا خون بھی دے سکتا ہوں۔"

ویرا سکتے کی سی حالت میں گنگ ہو کر رہ گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ حب الوطنی کے معاملے میں وہ غریب آدمی اس قدر فیاض بلکہ شاہ خرچ ثابت ہوگا۔

پاکستان میں ویرا غریب اور متوسط طبقے سے دور رہی تھی۔ اس کا جن مجرموں اور سازشیوں سے واسطہ پڑا' وہ سب مالی طور پر آسودہ حال تھے۔ ان کی خود غرضیاں دیکھ دیکھ کر ویرا اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ پاکستان کے خوش حال شہریوں کو اپنے ملک کی بقا اور سلامتی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر مال بٹورنے کی دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ یہ دوڑ دور سے ایسی خطرناک نظر آتی تھی کہ اس میں جائز اور ناجائز کی تمیز دشوار تھی۔

غنیمت تھا کہ اس روز ویرا اکیلی اور بے سروسامان تھی۔ کراچی کے ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور نے اس کی مہم کے لیے مالی اور عملی مدد کی پیش کش کرکے ویرا کا دل جیت لیا تھا۔

بعد میں اپنے اس تجربے کا ذکر کرتے ہوئے ویرا نے کہا تھا۔

"اس کی بات سن کر میرا سینہ غرور سے پھول گیا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میں ایک ایسی قوم کے لیے جدوجہد کررہی ہوں جس میں تمہارے اور اول خان کے علاوہ مجید جیسے بے مایہ مگر پرجوش آدمی بھی موجود ہیں۔"

مجید اس ٹیکسی ڈرائیور کا نام تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے تعاقب کا سلسلہ جاری رہا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ نادم اور خاموش تھے۔ ویرا کو افسوس تھا کہ اس نے مجید کے جذبے کو پیسوں میں تولنے کی مذموم کوشش کی تھی اور مجید کو شاید اس بات پر دکھ تھا کہ اس نے اپنی قوم سے ہمدردی جتانے والی ایک میم کو بے دردی سے جھڑک دیا تھا۔

جب تک اگلی ٹیکسی پل عبور کرکے کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے میں سفر کرتی رہی' دونوں خاموش رہے۔ سفر کا سلسلہ ایک سمت میں آگے ہی آگے جارہا تھا لیکن جب اکرم الٰہی کی ٹیکسی ڈیفنس میں توحید کمرشل کے راستے پر جانے کے بجائے سیدھی

Downloaded from https://paksociety.com

ساحل سمندر کی طرف بڑھتی رہی تو ویرا چونک پڑی۔

"یہ اپنا گھر چھوڑ کر سمندر کی طرف کیوں جا رہا ہے؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔

"ڈوب مرنے کے لیے جا رہا ہوگا۔" مجید نے بے ساختہ کہا۔ "ہر بے غیرت آدمی کو کبھی نہ کبھی غیرت آ ہی جاتی ہے۔"

"اس کا وقت پورا ہو چکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے زندہ نہیں بچا سکتی۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہوگا کہ ہمارا شکار زندہ حالت میں ہمارے ہاتھ آجائے...."

"میں اتنی بات سمجھتا ہوں۔ یہ مر گیا تو اس کی کہانی اسی کے ساتھ قبر میں دفن ہو جائے گی۔ اس کے سارے ساتھی بچ جائیں گے۔ ان کو بھی اپنے حصے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

"تم تو اچھے خاصے جاسوس معلوم ہوتے ہو۔" رہی سہی تلخی ختم کرنے کے لیے ویرا ہنس پڑی۔

"میں نے ابن صفی کے سارے ناول پڑھے ہوئے ہیں۔" مجید نے سنجیدگی سے انکشاف کیا "انہیں پڑھ کر آدمی کو اچھے اور برے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ عقل سے پیدل ہیں جو جاسوسی ناولوں اور کہانیوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں لیکن اپنے سرہانے ہر وقت ایسی دو چار کتابیں ضرور رکھتے ہیں۔"

اگلی ٹیکسی ساحل سے ذرا پہلے داہنی طرف مڑ گئی۔ اگر اکرم الٰہی کے دماغ میں کوئی فتور نہیں آیا تھا تو وہ کیسینو کے نام سے شہرت پانے والی عمارت سے ہو کر کہیں پہنچنا چاہ رہا تھا۔

اچانک ویرا کے ذہن کا ایک دریچہ کھل گیا اور بات کسی حد تک اس کی سمجھ میں آنے لگی۔ اکرم الٰہی ٹیکسی سے براہِ راست مائیکرو سینٹر جانے کے بجائے ساحل پر آگیا تھا۔ وہاں سے توحید کرسٹل کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو فارغ کر کے وہ شاید پیدل چل کر اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

پیچھے اکرم الٰہی کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر ویرا کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ ہوٹل میں گڑبڑ ہو چکی تھی۔ اکرم الٰہی اور بوب رافیل کی ملاقات مکمل ہو سکی تھی اور نہ اکرم الٰہی پکڑا گیا تھا۔ ہوٹل میں جو کچھ ہونا تھا اس کے لیے وہاں بہت سے لوگ موجود تھے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے والا اکرم الٰہی صرف اسی کے رحم و کرم پر تھا۔

"مجید! ایک بات سمجھ لو۔" ویرا نے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر کہا۔ "یہ آدمی مجھے پہچانتا ہے۔ میں اس کے قریب گئی تو یہ بھاگ کھڑا ہوگا۔"

"فکر نہ کرو۔ میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم یہ خیال رکھنا کہ وہ میری ٹیکسی لے کر بھاگنے نہ پائے۔"

"میری خواہش ہے کہ میں اسے زیر کروں۔" ویرا نے اپنی آرزو ظاہر کی۔

"اس پر پہلا حق تمہارا ہے۔ تم اس کے لیے گلشن اقبال سے دوڑی چلی آرہی ہو۔ پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ کہاں اترتا ہے پھر تم ہی کوشش کر لینا۔ اگر تم کوئی بہت خطرناک عورت نہیں ہو تو وہ تمہیں دیکھ کر نہیں بھاگے گا۔ پاکستانی مرد ایک عورت کو بس عورت سمجھتے ہیں۔ اس سے ڈر کر بھاگنا مردانگی کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ بھاگا تو میں اسے ٹیکسی کی ٹکر مار کر کہیں بھی گرا دوں گا۔ بس آس پاس کھلا میدان ہونا چاہیے۔"

اگلی ٹیکسی ویران عمارت کے پہلو سے گزری اور پھر ایک جگہ رک گئی۔ مجید نے اپنی ٹیکسی موڑ پر ہی روک لی مگر انجن بند نہیں کیا۔ وہ خوش تھا کہ دشمن نے اترنے کے لیے صحیح جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

ویرا نے اپنے وینٹی بیگ سے کھوکھلے نگینے والی انگوٹھی نکال کر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی ڈھیلی تھی لیکن ویرا کچھ دیر کے لیے اسے سنبھال سکتی تھی۔

اکرم الٰہی کرایہ ادا کر کے ٹیکسی سے اترا اور خالی ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔

ساحل کی ریت پر دور دور تک تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ سورج نصف النہار پر پہنچنے والا تھا۔ اکرم الٰہی نے وہیں کھڑے کھڑے آسمان کی طرف دیکھا پھر جیب سے پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

مجید نے ویرا کا اشارہ پا کر اپنی ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھا دی۔ اکرم الٰہی ہوٹل سے بدحواسی کے عالم میں فرار ہوا تھا اور وہ خود ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں تھا اس لیے اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ایک دوسری ٹیکسی نے محفوظ فاصلے سے اس کا تعاقب کیا تھا۔ اس نے انجن کی آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا اور ساحل کی طرف منہ کیے سگریٹ کا دھواں اڑاتا رہا۔

ساحل کے اس حصے میں کافی ویرانی تھی مگر کہیں کہیں اِکا دُکا افراد نظر آتے تھے۔ مجید کے لیے وہ سنہرا موقع تھا کہ وہ ٹیکسی کے اگلے حصے کی ہلکی سی ٹکر سے اکرم الٰہی کو تپتی ہوئی ریت پھانکنے پر مجبور کر دے مگر ویرا نے سختی سے اسے منع کر دیا "داستہ ٹکر کو حادثہ سمجھ کر لوگ اس کی مدد کے لیے دوڑے چلے آئیں گے۔ بس تم گاڑی اس کے قریب روک لینا۔ میں پل بھر میں اسے ٹیکسی میں گھسیٹ لوں گی۔"

مجید نے اس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کیا۔ ٹیکسی رکتے ہی اکرم الٰہی بری طرح چونک کر پلٹا۔ اسی لمحے ویرا دروازہ کھول کر عقبی نشست سے نیچے اتری اور اس نے چٹاخ کی آواز کے ساتھ اس کے داہنے رخسار پر اپنے بائیں ہاتھ کا طمانچہ جڑ دیا۔ وہ کھڑے کھڑے لہرا گیا۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے ماہرین کا دریافت کیا ہوا سریع الاثر محلول، انگوٹھی میں جڑے ہوئے رنگین ربر کے کھوکھلے نگینے سے نکل کر اکرم الٰہی کے داہنے رخسار کی جلد میں سرایت کر چکا تھا۔ اس نے مزاحمت کے لیے ہاتھ بلند کرنا چاہا جو پوری طرح اٹھنے

Downloaded from https://paksociety.com

سے پہلے بے جان ہو کر پہلوؤں میں جھول گئے۔

ویرا نے اس کے گلے میں جھولتی ہوئی ٹائی سے لگام کا کام لیا اور وہ منہ کے بل نشست سے ٹکرا کر اس طرح عقبی پائیدان میں گرا کہ اس کا آدھا دھڑ ریت پر لٹک رہا تھا۔

اندر سے مجید نے بے رحمی سے اکرم الٰہی کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا اور پیچھے سے ویرا نے دھکیلا۔ چند ہی لمحوں میں اس کا پورا وجود ٹیکسی میں سما گیا۔ ویرا پچھلا دروازہ بند کر کے پھرتی سے مجید کے برابر والی نشست پر بیٹھ گئی اور ٹیکسی چل پڑی۔

شروع سے اس وقت تک جو کچھ ہوا' غیر متوقع طور پر ہوا۔ گھر سے چلتے ہوئے یہ بات ویرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ تن تنہا اتنا بڑا معرکہ سر کر ڈالے گی۔ اکرم الٰہی کو پہچانتے ہی اس کے سر پر ایک دھن سوار ہوئی تھی کہ اسے ہر قیمت پر پکڑنا ہے۔ اس ادھیڑبن میں وہ اس سے آگے سوچ ہی نہیں سکی تھی۔

اسے نہایت آسانی سے زیر کرتے ہی وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گئی کہ اسے کہاں لے جائے۔

اس کے ذہن میں پہلا خیال اسٹیشن فور کا آیا مگر وہ پچھلی رات میری زبان سن چکی تھی کہ مجھے اور سلطان شاہ کو مقبول چوہدری کو وہاں پہنچانے میں کیا دشواری پیش آئی تھی۔ ہمارا مسئلہ حامد نے حل کر دیا تھا مگر ویرا جانتی تھی کہ اس وقت حامد بھی ہمارے ساتھ ہوٹل میں الجھا ہوا تھا۔ حامد کی واپسی کے انتظار میں اسے کسی چیک پوسٹ پر قیدی کی طرح وقت گزارنا گوارا نہیں تھا۔ اس نے وہ امکان یکسر مسترد کر دیا۔

آئی بی والوں سے اشتراکِ عمل کی وجہ سے صفدر مینشن دوسرا محفوظ ٹھکانا تھا۔ ویرا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ آئی بی والوں کی وہ عمارت نشتر روڈ پر کہیں واقع تھی۔ وہ اس طویل سڑک سے متصل' اس کے صحیح محل وقوع سے واقف نہیں تھی۔ ٹیکسی میں ایک بے ہوش قیدی کو لے کر اس گنجان آباد علاقے میں صدف مینشن کو تلاش کرنے میں سنگین خطرات مضمر تھے۔ آخر میں گلوخلاصی کا پورا یقین ہونے کے باوجود وہ اپنے ساتھ مجید کو کسی سنگین درمیانی تجربے کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں تھی۔

رنگے ہاتھوں پکڑے جانے والے مجرموں پر پولیس کے ناروا تشدد کے بارے میں وہ اخبارات میں کئی لرزہ خیز کہانیاں پڑھ چکی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ پولیس کے بارے میں ایسی کہانیاں عام ہونے کے باوجود جرائم پیشہ عناصر کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا بلکہ جرائم کی ہر نئی روپرانی لہر سے زیادہ سنگین ثابت ہوتی تھی۔

"مادام!" گاڑی ایک سڑک پر موڑتے ہوئے مجید نے ویرا کو مخاطب کیا "غدار کا پارسل تو تیار ہو گیا ہے۔ اسے پہنچانا کہاں ہے؟"

اس کا لہجہ مزاحیہ تھا۔ وہ ویرا کے ذہن میں ہونے والی اکھاڑ پچھاڑ سے بے خبر شاید یہ سوچ کر نہال ہوا جا رہا تھا کہ اس نے ایک غدار کی سرکوبی میں کسی سرکاری عورت کا ساتھ دے کر بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔

ویرا کے پاس مجید کے اس اہم سوال کا کوئی ٹھوس جواب نہیں تھا۔ اس نے نیم دلی سے کہا "وہیں لے چلو' جہاں سے تم نے مجھے اپنی ٹیکسی میں بٹھایا تھا۔"

"معاملہ خطرناک نہ ہوتا تو وہاں جانے سے پہلے میں اپنے گھر ضرور جاتا تاکہ میری بیوی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ آج میں نے اپنے ملک کے لیے کتنا بڑا کام کیا ہے۔ اسے میرا ٹیکسی چلانا پسند نہیں ہے۔ ہر وقت کہتی رہتی ہے کہ یہ کام چھوڑ کر کوئی اور دھندا کرلوں۔ اس میں عزت نہیں ہے۔ دیکھو خدا نے آج کیسی عزت دی ہے۔ اصل عزت وہ ہوتی ہے جو انسان کے اپنے دل کے اندر ہوتی ہے۔ رشتے داروں اور دوسروں کے کہنے سننے سے کچھ نہیں ہوتا۔"

ویرا نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی مگر جواب میں کچھ نہ بولی۔ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

کہنے کو اس نے کہہ دیا تھا مگر اکرم الٰہی کے بارے میں اپنے فیصلے پر مطمئن نہیں تھی۔ وہ مجھ سے رابطہ کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

موبائل فون کو ہماری تحویل میں آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے اس لیے کسی کو بھی اس کی عادت نہیں پڑ سکی تھی۔ جوں ہی ویرا کو میرے موبائل فون کا دھیان آیا' وہ فوراً بول پڑی۔ "راستے میں کوئی فون بوتھ نظر آئے تو گاڑی روک لینا۔ مجھے ایک اہم فون کال کرنی ہے۔"

"ضرور' ضرور!" مجید خوش ہو کر بولا "بس ٹیکسی ذرا پرانی ہے ورنہ اس وقت کسی زبردست انگریزی فلم کا مزہ آ رہا ہے۔ تم شاید کسی بڑے کو بتاؤ گی کہ تم نے اپنا کام کرلیا ہے۔"

"ہاں' حقیقی زندگی کبھی کبھی فلموں سے بھی زیادہ حسین اور دلچسپ ہو جاتی ہے۔"

"میں ٹیکسی نہ چلا رہا ہوتا تو آج کی اتنی بڑی خوشی سے محروم رہ جاتا۔" وہ بہت مسرور تھا۔

پہلا پبلک فون نظر آتے ہی مجید نے ٹیکسی احتیاط سے ایسی جگہ روک دی جہاں پچھلے پائیدان میں پڑا ہوا قیدی کسی راہ گیر کی نظروں میں نہ آسکے۔ ویرا ٹیکسی سے اتر کر تیزی سے بوتھ میں گھس گئی۔

کسی بھی ایمرجنسی کے لیے ہم لوگ ہر وقت فون کارڈ ضرور ساتھ رکھتے تھے۔ ویرا نے سلاٹ میں کارڈ ڈال کر میرا نمبر ملایا اور بڑی ٹون سن کر اس کا چہرہ لٹک گیا۔

ریسیور کریڈل کے ہک سے لٹکا کردہ مضطربانہ انداز میں اپنے ناخنوں کا جائزہ لینے لگی۔

Downloaded from https://paksociety.com

○☆○

میں نے جلال سے مختصر سی بات کر کے فون بند ہی کیا تھا کہ گھنٹی بجنے لگی۔

میں چونک پڑا۔ اس وقت مجھے کون فون کر سکتا تھا۔ میں نے بٹن دبانے کے بعد موبائل فون کان سے لگایا تو دوسری طرف سے ویرا کی آواز سن کر حیران رہ گیا۔

"میں نے اکرم الٰہی کو پکڑ لیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں لے جاؤں۔"

"تم تو گھر پر پڑی سو رہی تھیں۔ اکرم تم سے کہاں ٹکرا گیا؟" میں اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا۔

"وہ ہوٹل سے بھاگ رہا تھا کہ میں پہنچ گئی۔ یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ وہ ایک ٹیکسی میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے بتاؤ کہ میں کہاں جاؤں؟ گھر شاید محفوظ نہیں رہے گا۔" ویرا بہت عجلت اور گھبراہٹ کے عالم میں بول رہی تھی۔

"میں بوب رافیل کو لے کر نکل چکا ہوں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ کلفٹن بیچ سے تھوڑی دور نکلے ہیں۔" ویرا کی آواز ابھری۔

"ہم لوگ اسٹیشن فور جا رہے ہیں۔ تم فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کے ٹھیک سامنے گورا قبرستان کے بس اسٹاپ پر پہنچو۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ اول خان کی لینڈ روور تم پہچانتی ہو۔"

ویرا نے مزید کچھ کہنے سنے بغیر فون بند کر دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ویرا کسی ٹیکسی ڈرائیور کو اعتماد میں لے کر اتنی بڑی کامیابی حاصل کر گزرے گی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے اکرم الٰہی کو پکڑ کر میرے اس جھوٹ کی لاج رکھ لی تھی جو میں نے اس بارے میں بوب رافیل سے بولا تھا۔

"کون تھا؟ اکرم کہاں ہے؟" میرے فارغ ہوتے ہی اسٹیرنگ وہیل پر موجود حامد سوال کر بیٹھا۔

"وہ بھی پکڑ لیا گیا۔" میں نے مسرت سے اسے آگاہ کیا "ویرا اسے لا رہی ہے۔"

"گڈ!" حامد کے دل کی گہرائیوں سے آواز نکلی "اس کے نکل جانے پر مجھے یہ مشن ادھورا بلکہ ناکام نظر آ رہا تھا۔ شاید ہم بوب رافیل کو زیادہ سبق نہ دے سکیں لیکن اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی کھوپڑیاں ضرور توڑ سکتے ہیں۔"

یہ بات سب جانتے تھے کہ بوب رافیل ایسا قیدی نہیں تھا جسے مکافاتِ عمل کے طور پر ہمیشہ کے لیے غائب کیا جا سکے۔ اسے کسی نہ کسی مرحلے پر رہا کرنا ناگزیر تھا۔ اس وجہ سے اس کی گرفتاری میں اسپیشل ٹاسک فورس کا نام سرے سے نہیں تھا۔ اس کی گرفتاری اور پھر رہائی کے سلسلے میں ضابطے کی کارروائیاں پوری کرنے کے لیے ابتدا سے آخر تک اس کیس کی ہر ذمے داری انٹیلی جنس بیورو کو اپنے ذمے لینی تھی۔

اس اعتبار سے بوب رافیل کو ہوٹل سے براہِ راست صدف مینشن ہی منتقل کیا جانا چاہیے تھا مگر اس بارے میں آئی بی والوں کی مجبوری بھی وہی تھی جو ویرا کی تھی۔

صدف مینشن کی مہیب اور اجاڑ عمارت کے گردونواح میں رہنے یا کاروبار کرنے والوں کے لیے کوئی بات بہت زیادہ ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ عمارت پر کہیں کوئی نمایاں سائن بورڈ نہ ہونے کے باوجود سب جانتے تھے کہ صدف مینشن کسی ایجنسی کے تصرف میں ہے اور لوگ عام طور پر اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں خوف سے کہیں زیادہ رازداری کا عنصر تھا۔

لوگوں کی اس خود اختیاری احتیاط کے باوجود آئی بی والوں نے خود کو کبھی اپنے پڑوسیوں پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ خاموشی سے وہاں آتے جاتے تھے اور کسی سے کوئی تعرض نہیں کرتے تھے مگر اس عمارت میں ایک بنیادی خرابی یہ تھی کہ وہ بس ایک عمارت تھی۔ اس کا کوئی احاطہ تھا نہ وہاں صحن پایا جا سکتا تھا اس لیے گاڑیاں فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی کی جاتی تھیں۔ وہاں سے عمارت کے داخلی دروازے تک ایک کھلا راستہ تھا جو سب کی نگاہوں میں تھا۔

اس خرابی کی وجہ سے آئی بی والے دن کی روشنی میں اپنے قیدی شہر کی کسی بھی حوالات میں رکھتے تھے اور رات کا اندھیرا گہرا ہونے کے بعد انہیں خاموشی سے صدف مینشن میں منتقل کر دیتے تھے تاکہ آس پاس کی آبادی میں غیر ضروری خوف و ہراس پیدا نہ ہو۔

مگر بوب رافیل کوئی عام قیدی نہیں تھا۔ وہ شہر کے کسی لاک اپ میں بھی بھیجا جاتا، بات پھیل جاتی۔ دن کے اجالے میں اسے براہِ راست صدف مینشن لے جانا ہر اعتبار سے عقل و احتیاط کے خلاف ہوتا۔ اس مجبوری کی بنا پر یہ طے ہوا تھا کہ اسے عارضی طور پر ایس ٹی ایف کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کی منتقلی کے لیے آئی بی والوں نے ایمبولینس اور اسٹریچر کے استعمال کی تجویز بھی رد کر دی تھی۔

آئی بی کے افسران نے اپنی نگرانی میں بوب رافیل کو لینڈ روور میں پہنچایا اور چلے گئے۔ میں نے غزالہ اور سلطان شاہ کو گاڑی میں گھر بھیج دیا اور خود لینڈ روور میں حامد کے ساتھ ہو لیا۔

راستے میں موبائل فون پر ویرا سے بات ہونے سے پیشتر میں نے جلال کو ان انتظامات کے بارے میں بریف کرنا چاہا تو وہ پہلے سے باخبر تھا۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ بوب رافیل اپنی تعیناتی کے مقام سے سینکڑوں میل دور پکڑ لیا گیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

جو کچھ ہوا' وہ سو فی صد ہمارے حق میں تھا لیکن میں ویرا اور اس کے ساتھی ڈرائیور کے بارے میں سوچ سوچ کر حیران ہوا جا رہا تھا۔ ہم لوگ گھر سے روانہ ہوئے تو ہمیں پورا یقین تھا کہ وہ گہری پینک میں سوئی ہوئی تھی۔ وہ ہماری مہم میں حصہ لینے کے قابل تھی اور نہ اسے اس مہم سے کوئی دلچسپی تھی۔

میرے لیے یہ بات حیرت انگیز تھی کہ وہ سوتے سوتے اٹھی' اس نے ہمارے ساتھ آملنے کا ارادہ کیا' اسے ایک ایسا ٹیکسی ڈرائیور مل گیا جو اس کا ہم خیال اور ہم نوا تھا' وہ ایسے وقت پر ہوٹل کے قریب پہنچی کہ اکرم الٰہی وہاں سے فرار ہو رہا تھا' ویرا نے سب کچھ بھول بھال کر اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور آخر کار اسے پکڑ لینے میں کامیاب ہو گئی۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زندگی کی کوئی ٹھوس حقیقت نہ ہو' کسی ڈراما نگار کا لکھا ہوا ڈراما ہو جس میں سب کچھ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ڈراما نگار نے لکھا ہوتا ہدایت کار چاہتا ہو۔

ویرا کو سب کچھ سجا سجایا ملا تھا اور وہ ناقابل یقین مگر پے در پے اتفاقات کے سہارے ایک بڑی کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ اس کا کمال یہ تھا کہ اس نے ایک اجنبی ڈرائیور کو اس طرح شیشے میں اتارا تھا کہ وہ اپنی سلامتی کو بھول کر اندھا دھند ویرا کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا۔

میرے دل میں شدت سے یہ خواہش مچلی کہ کاش میں بھی ویرا کے ساتھ ہوتا اور یہ دیکھتا کہ وہ ایک اجنبی شخص کے ذہن میں کس طرح اترتی چلی جاتی ہے۔

ایف ٹی سی یا فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کراچی کی ایک مشہور عمارت ہے جس کی مسجد اپنی ساخت میں انفرادیت رکھتی ہے۔ ہم اس کے سامنے مقررہ بس اسٹاپ پر پہنچ کر رک گئے۔

ہمارے لیے وہ فاصلہ کم تھا لیکن ویرا کو وہاں تک پہنچنے کے لیے نسبتاً زیادہ فاصلہ طے کرنا تھا۔ میں نے اپنی سمت کی کھڑکی کا شیشہ اتار کر سگریٹ سلگالی۔

"سر!" حامد نے مودب لہجے میں مجھے مخاطب کیا "جب سے آپ کو فون پر یہ اطلاع ملی ہے کہ اکرم الٰہی پکڑا گیا ہے' آپ خاموش اور کچھ پریشان پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"پریشان نہیں' میں اندر سے بہت خوش ہوں۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مگر مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کبھی اتنے اتفاقات بھی یکجا ہو سکتے ہیں۔"

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے لب پھڑکے اور پھر ساکت رہ گئے۔

"کہو کہو.... کیا کہنا چاہ رہے تھے؟" میں نے متجسس انداز میں اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"آپ ہی کی مثال ذہن میں آ رہی تھی۔ ڈر رہا ہوں کہ آپ برا نہ مان جائیں۔"

"محاذ پر شانہ بشانہ لڑنے والے آپس میں گہرے دوست بن جاتے ہیں' ایک دوسرے کی بات کا برا نہیں مناتے۔ میرا خوف اپنے ذہن سے بالکل جھٹک دو۔"

"ہم لوگ بھی آپ کے کاموں کے بارے میں وہی سوچتے ہیں جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔"

"اتنے اتفاقات میں نے آج تک یکجا ہوتے نہیں دیکھے۔" میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"آپ واقعات کا ایک اہم کردار ہوتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں جو کچھ آتا ہے' کرتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجے میں جو کچھ سامنے آتا ہے' دوسروں کے لیے محیر العقول ہوتا ہے۔" وہ بولا۔

"مگر میں نے آج تک ایسا محسوس نہیں کیا۔" میں نے پوری ایمان داری سے کہا۔

"میں یہی نکتہ واضح کرنا چاہ رہا ہوں۔ آپ واقعات کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کرتے۔ لحہ بہ لحہ بدلتی ہوئی صورتِ حال کے مطابق فیصلے کرتے چلے جاتے ہیں اور مطلوبہ مقاصد یا نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔ دور سے تماشا دیکھنے والوں یا نتائج سننے والوں کو یقین نہیں آتا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" مجھے اس سے اتفاق کرنا پڑا "ویرا بر وقت اور صحیح فیصلے کرنے پر قادر ہے۔ وہ ذہین نہ ہوتی تو آج میرے قریبی ساتھیوں میں شامل نہ ہوتی۔"

"میں نے مادام کی بہت تعریف سنی ہے۔ انہوں نے اپنے ڈرائیور کی نفسیات سے کوئی فائدہ اٹھایا ہو گا ورنہ وہ اکرم الٰہی کی ٹیکسی کا پیچھا کرنے کے بجائے مادام کو کسی پولیس اسٹیشن میں بھی پہنچا سکتا تھا۔"

"بہرحال مجھے خوشی ہے کہ ویرا نے میری بات کی لاج رکھ لی۔ وہ ہمارا قیدی ہے۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرایا پھر بولا "اب یہی دیکھ لیں کہ بوب رافیل ہمارے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ آپ نے اس پر ایک نفسیاتی وار کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔"

میری مستفسرانہ نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ مجھے کوئی خاص بات یاد نہیں آ سکی تھی۔

"آپ اپنی دانست میں ناکام لوٹے تھے مگر آپ نے اسے یہ بتایا تھا کہ اکرم الٰہی پکڑا گیا۔ اس کے بعد ہی اس کا حوصلہ ٹوٹ سکا تھا ورنہ وہ ہم لوگوں کے سامنے ضد پر اڑا ہوا تھا۔"

"وہ اس وقت کی ضرورت تھی۔" میں نے ہنس کر کہا "اب اس کے سامنے بھول کر بھی اکرم الٰہی کا ذکر نہ کرنا۔"

"کیوں؟" اس نے بے ساختہ پوچھا "اسے بے دست و پا دیکھ کر بوب کا رہا سہا دم خم بھی ختم ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی اپنی کہانی سناتا چلا جائے۔"

"نہیں حامد' بات اتنی سیدھی نہیں ہے۔" میں نے گہری

Downloaded from https://paksociety.com

سنجیدگی سے کہا "تم بھول رہے ہو کہ بوب رافیل کو بھرے پُرے ہوٹل سے پکڑا گیا ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ہمیں اس کو رہا کرنا پڑے گا۔"

"سر! میں معذرت خواہ ہوں۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی!۔۔ وہ بولا "اس کی رہائی اور اکرم الٰہی کو پوشیدہ رکھنے میں کیا تعلق ہے؟ ہماری کوشش تو یہی ہوگی نا کہ رہا کرنے سے پہلے ہم بوب رافیل سے جو کچھ اگلوا سکتے ہیں' اگلوالیں۔ وہ مواد بعد میں ہمارے کام آئے گا۔"

"تمہاری آخری بات بالکل صحیح ہے لیکن سوال میں گہرائی نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "رہائی پانے کے بعد وہ اپنے والدین کو بتائے گا کہ اس کے ساتھ اکرم الٰہی بھی قید تھا۔ ایک نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوگا۔"

وہ بے ساختہ ہنس پڑا "مجرموں کی سرپرستی کرنے والے واقعی ان کے والدین ہوتے ہیں۔ بوب رافیل اب بھی ان کو یہی بتائے گا کہ اکرم الٰہی ہمارا قیدی ہے کیونکہ آپ نے اس کو یہ تاثر دیا ہے۔"

"وہ سنی سنائی بات ہوگی۔ بہت سے لوگوں نے اکرم الٰہی کو ٹیکسی میں بیٹھ کر فرار ہوتے دیکھا ہوگا۔ ضرورت پڑی تو ہوٹل کے عملے میں سے ہی ایسے گواہوں کو سامنے لایا جاسکے گا جو بوب رافیل کے دعوے کی تردید کریں گے۔ وہ اکرم الٰہی کی قید کا چشم دید گواہ بن گیا تو اسے جھٹلانا آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے لیے پیچیدگی پیدا ہوجائے گی۔"

وہ پُرخیال انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔ بات ذرا دیر سے اس کی سمجھ میں آئی تھی۔

اچھا ہوا کہ حامد نے وہ ذکر نکال لیا تھا۔ اسٹیشن فور پہنچنے اور قیدیوں کے ہوش میں آنے سے پہلے ان نکات کا صاف ہوجانا ضروری تھا ورنہ ہم خود اپنی دو عملی سے کوئی نقصان اٹھا سکتے تھے۔

وہ سارا ابہام صرف اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اکرم الٰہی نے ہماری توقع سے کہیں زیادہ مکّاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ مانیکرو سینٹر سے اس کے خفیہ فرار کی وجہ سے ہمارا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔

ہم اس کی باقاعدہ روانگی اور پھر ہوٹل آمد کے انتظار میں مزید کچھ وقت گنوا دیتے تو وہ بوب رافیل سے مل کر' ہماری آنکھوں میں دھول جھونکتا ہوا واپس چلا جاتا۔ غنیمت ہوا کہ آخری لمحات پر ہمیں ہوش آگیا اور ہم نے اچانک ہوٹل کے ریستوران پر دھاوا بول کر اکرم الٰہی کو سامنے آنے پر مجبور کردیا۔

شروع سے اس وقت تک ہمیں آپس میں مشورہ کرنے اور نئی حکمت عملی طے کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ بس ایک موٹی سی بات طے ہوسکی تھی کہ بوب رافیل کو آئی بی۔ کے کھاتے میں قید ہونا تھا۔

"ابھی وقت ہے۔" میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر حامد سے کہا "کوئی اور نکتہ ذہن میں موجود ہو تو اس پر بھی تبادلہ خیال کرلو۔۔۔"

"جو سر!" اس نے اپنے داہنے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "وقت کے ساتھ مسائل اور نکات سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ان سے نمٹنے کا کام آپ ہی کریں گے۔ ویسے بھی ڈسپلن کے تحت ہر مشن کا ایک چیف ہوتا ہے۔ میں احکام کی تعمیل کرتا رہوں گا۔ صرف اتنا بتادوں کہ میں نے اپنے تین آدمیوں کو ہوٹل کی نگرانی پر مامور کردیا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "یہ کام بھی بہت ضروری تھا۔ وہ کم از کم ایک بجے تک عیش کرتے رہیں گے۔ پھر اسلام آباد والوں کے ایما پر ان کے مقامی قونصل خانے سے کوئی نہ کوئی ہوٹل کا رخ ضرور کرے گا۔"

اپنی گفتگو کے دوران میں ہم بار بار اس ٹریفک کا جائزہ لے رہے تھے جو سگنل کھلنے کے دوران ڈیفنس اور کورنگی کی سمت سے آکر بڑے ریلوں کی صورت میں شارع فیصل پر آرہا تھا۔ ہم دونوں کا اندازہ تھا کہ ویرا اسی سمت سے نمودار ہو کر سگنل سے داہنی طرف آئے گی۔

آخر کار ہمیں ایک سیاہ اور پیلی ٹیکسی نظر آئی جو مڑنے والے ٹریفک کی بھیڑ سے بائیں طرف کٹ کر تیزی سے الگ ہو رہی تھی۔ ٹیکسی کا بایاں انڈی کیٹر بھی تیزی سے جل بجھ رہا تھا۔

دن کی چمکتی ہوئی تیز دھوپ میں دور دور تک ہر چیز روشن اور صاف نظر آرہی تھی۔ میں نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ اس ٹیکسی میں ڈرائیور کے برابر والی سیٹ پر ویرا براجمان تھی۔

اسی لمحے حامد نے لینڈ روور کا انجن اسٹارٹ کرلیا۔ شاید اس نے بھی ویرا کو پہچان لیا تھا۔

"چل پڑو!" اسے ہدایت دے کر میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے سر نکالا اور ہاتھ لہرا کر ویرا کو اشارہ کیا۔ ویرا نے ہاتھ ہلا کر جوابی اشارہ دیا اور دونوں گاڑیاں دھیرے دھیرے ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہوتی چلی گئیں۔

"ٹیکسی ڈرائیور بہت دلیر اور ایمان دار آدمی ہے۔" حامد نے عقب نما آئینے میں پیچھے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں راستے میں اس کی نیت نہ بدل جائے۔"

"وہ کتنا ہی بے جگر اور مخلص کیوں نہ ہو' ہم اسے اپنا گھر نہیں دکھا سکتے۔ ہمیں راستے میں کہیں نہ کہیں رکنا پڑے گا تاکہ ویرا اور اکرم الٰہی کو اپنے ساتھ لے کر ڈرائیور کو رخصت کرسکیں۔"

"یہاں سے ملیر ہالٹ کے موڑ تک سڑک اسی طرح مصروف ملے گی۔ ٹریفک کی اس بھیڑ بھاڑ میں ہم کہیں رک کر اپنا کام پورا کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔"

"پھر اسے کہاں تک ساتھ لے جاؤ گے؟" میں نے پُرتشویش

Downloaded From https://paksociety.com

لہجے میں پوچھا۔

"چھاؤنی کی حدود کے آغاز سے پہلے اسے فارغ کردیں گے۔" اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا "اس علاقے میں واپس جاتے ہوئے اسے بھی اطمینان رہے گا کہ اس نے صحیح فریق کی حمایت کی ہے۔"

میں نے چپ سادھ لی۔ سفر خاموشی اور تیزی کے ساتھ جاری رہا۔

ملیر ہالٹ ریلوے اسٹیشن سے ہم بائیں طرف مڑ گئے۔ ٹیکسی ہمارے پیچھے پیچھے تھی۔ دونوں طرف عمارتوں اور سایہ دار درختوں کا سلسلہ جلد ہی ختم ہوگیا اس سے آگے داہنی طرف شہری آبادی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بائیں طرف خاردار تاروں کی باڑھ کے پیچھے ائیرپورٹ کی زمین تھی۔

شہری آبادی کا سلسلہ ختم ہوتے ہی فوجی عمارات نظر آنے لگیں۔ چھاؤنی کا اصل علاقہ ان انتظامی عمارات سے کچھ دور شروع ہوتا تھا جہاں ملٹری پولیس کی چیک پوسٹ قائم تھی۔

حامد نے ایک قدرے سنسان علاقے میں لینڈ روور سڑک سے اتار کر کنارے پر روک لی۔ ذرا سی دیر کے لیے ویرا کی ٹیکسی دھول کے بادل میں چھپ گئی۔ لینڈ روور رکنے کے بعد غبار چھٹا تو ٹیکسی بھی پیچھے رک چکی تھی۔

"یہ مجید ہے!" ویرا نے ہماری طرف جھپٹتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں ٹیکسی ڈرائیور کا تعارف کرایا "یہ میرا ساتھ نہ دیتا تو میں... بروقت ہوٹل پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ راستے کے ٹریفک میں اس نے کسی بازی گر کی طرح اپنی ڈرائیونگ کے کمالات دکھا کر مجھے حیران کردیا۔"

میرے بعد حامد نے بھی بہت تپاک سے مجید سے ہاتھ ملائے۔ وہ ایسی بے یقینی سے باری باری ہم لوگوں کو دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔

میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بہت فراخ دلی سے شاباش دی تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "بس صاحب! پہلے میم صاحب کی اردو نے دل جیتا پھر پاکستان سے ان کی محبت نے میری غیرت کو جگا دیا اور میں ان کا غلام ہوگیا۔ غدار میری ٹیکسی میں ہے۔ جب اسے سولی چڑھاؤ تو رسی میں ایک ڈور میرے نام کی بھی باندھ دینا۔"

میں نے اپنی جیب سے ہزار ہزار کے دس نہ کیے ہوئے نوٹ نکال کر زبردستی اس کی جیب میں اڑس دیے "یہ رکھ لو۔ یہ ہماری طرف سے تمہارے بال بچوں کے لیے حقیر سا نذرانہ ہے...."

"نہیں صاحب...." اس نے اپنی جیب سے وہ نوٹ نکال کر میری طرف بڑھا دیے "اتنی بے دردی سے میری قیمت نہ لگاؤ۔ میں میم صاحب سے وعدہ کرچکا ہوں کہ ایک پیسا نہیں لوں گا۔ کرائے کا نہ انعام کا۔"

"یہ قیمت ہے نہ کرایہ، نہ انعام۔" میں نے محبت آمیز لہجے میں اسے ڈانٹا "یہ نذرانہ ہے۔ تمہاری عظمت اور حب الوطنی کے نام!"

"ہم غریب لوگوں کا کیا ہے صاحب!" وہ رندھی ہوئی آواز میں پیسے واپس کرنے پر مصر رہا "شہر میں روز دو چار گاڑیوں کے نیچے کچلے جاتے ہیں اور کوئی پلٹ کر نہیں پوچھتا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اس سے پہلے کہ کوئی ٹرک یا ٹینکر میری ٹیکسی کے ساتھ مجھے بھی پیس ڈالے، مجھے غدار سے لڑنا چاہیے۔ میں اپنے سینے پر اس کی گولی کھالیتا تب بھی مجھے کوئی غم نہیں ہوتا۔ مجھے یقین تھا کہ میم صاحب میرے گھر والوں کی دیکھ بھال کرلیں گی مگر اب میں زندہ ہوں، کمانے کے قابل ہوں۔ یہ پیسے رکھ لو۔ اس پیارے پاک وطن کی تھوڑی سی خدمت کا حق ہم غریبوں کو بھی دے دو۔ یہ پیسے واپس رکھ لو!"

فرط جذبات میں وہ بولتا ہی چلا گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگی تھیں۔

میں آنسوؤں سے دھندلائی ہوئی، ان نم آنکھوں کا سامنا نہیں کرسکا۔ مجید کے سامنے میں خود کو بہت حقیر محسوس کررہا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے پہاڑ تلے آیا ہوا اونٹ خود کو محسوس کرتا ہے۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ نوٹ خاموشی سے واپس لے لیے جو میں نے دوران سفر بڑی احتیاط سے گن کر مجید کے لیے الگ رکھے تھے۔ لمحہ بھر کے لیے میں سکتے کی حالت میں چلا گیا پھر میں نے بے اختیار مجید کو اپنے سینے کے ساتھ بھینچ کر اس بے مایہ مزدور کی پُرنور پیشانی چوم لی جو گروڑ پتی لیڈروں کے برعکس اپنی دھرتی کے لیے اپنا خون بھی دینے کے لیے تیار تھا۔

اسے دیکھ کر میرا یہ یقین راسخ ہوگیا کہ پاکستان میں جب تک ایک بھی مجید موجود ہے، کوئی اس ملک کا بال بیکا کرسکتا ہے، نہ اسے اپنے مذموم عزائم کی آماجگاہ بنا سکتا ہے۔

میرے بازوؤں کی مضبوط گرفت میں مجید کے وجود نے ایک شدید جھٹکا لیا اور شاید اس کے دل کا غبار اس کی آنکھوں سے بہہ نکلا۔ پھر وہ پرسکون ہوگیا۔

میں نے ویرا کو ہدایت کی کہ وہ مجید سے اس کے گھر کا پتا لے لے اور خود حامد کے ساتھ اکرم الٰہی کے ساکت اور گندے وجود کی طرف متوجہ ہوگیا۔

مجید اور اکرم الٰہی۔ پاکستانیوں کی دو مثالی انتہائیں تھیں جنہیں قدرت کی ستم ظریفی نے ملیر چھاؤنی کی چوکھٹ پر یک جا کردیا تھا....!

وہ کارروائی بہت تیزی سے مکمل ہوئی۔ اکرم الٰہی کو لینڈ روور کے عقبی حصے میں بوب رائیل کے ساتھ ڈالنے کے بعد ہم نے اپنے نئے دوست کو گرم جوشی سے الوداع کہا اور لینڈ روور غراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ مجید اپنی ٹیکسی کے پاس کھڑا، حسرت بھری نظروں سے ہمیں روانہ ہوتے دیکھتا رہا۔

Downloaded from http://paksociety.com

"واقعی مجید ایک عظیم، سچا اور بے لوث پاکستانی ہے۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"یہ تمہیں کہاں مل گیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا "اس کے بغیر تم کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔"

"تم لوگ مجھے نکما سمجھ کر چھوڑ آئے تھے۔ دیکھ لو، مقدر نے کیسا وسیلہ فراہم کیا۔"

ویرا کے جواب میں طنز تھا۔ میں نے پلٹ کر اسے گھورا اور اس کی زبان فوراً بند ہو گئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ میں حامد کے سامنے ایسی آزادانہ گفتگو کے حق میں نہیں تھا۔

چیک پوسٹ والوں کے لیے گاڑی اور اس کے ڈرائیور میں سے کوئی بھی اجنبی نہیں تھا۔ بس اسپیڈ بریکر اور رکاوٹ کی وجہ سے رفتار ضرور سست ہوئی مگر لینڈ روور کسی تلاشی کے بغیر ملٹری ایریا میں داخل ہو گئی۔

حامد کے استفسار پر ویرا نے اکرم الٰہی کو پکڑنے کی کہانی سنانی شروع کر دی۔

وہ سب ہماری ایک ہی مہم کا تسلسل تھا۔ تین نادر الوجود مجرم ہماری تحویل میں آ چکے تھے اور تینوں ہی الگ الگ ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر اس انجام کو پہنچے تھے۔

مقبول چوہدری کو سلطان شاہ نے ڈارٹ گن سے بلیو شاٹ چلا کر بے ہوش کیا تھا، بوب رافیل کی حساس رگوں کو غزالہ کی نرم و نازک انگلیوں نے مسل کے رکھ دیا تھا اور ویرا کے پاس انگوٹھی کے جعلی نگینے کی کہانی تھی۔

اسٹیشن فورپر تینوں قیدیوں کو الگ الگ کمروں میں پہنچانے کی کارروائیاں جاری تھیں کہ میرا موبائل فون بول اٹھا۔

دوسری طرف جلال تھا۔ اس کی آواز زندگی سے بھرپور تھی۔

"اس وقت کہاں ہو؟ کیا کر رہے ہو؟"

"قیدیوں کو ڈھونے کی بے گار میں جتے ہوئے ہیں۔" میں ٹہلتا ہوا ایس ٹی ایف والوں سے الگ ہو لیا۔

"یہ سعادت مقدر والوں کو ملتی ہے۔" ہلکے سے قہقہے کے بعد اس کی آواز آئی "مجھے تم پر رشک آنے لگا ہے۔ جہاں ہاتھ ڈالتے ہو، کامیابی کی دیوی دونوں ہاتھ باندھ کر سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔"

"تم اتنی پھونک دے رہے ہو تو تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اکرم الٰہی بھی پکڑا گیا....."

"کب....؟ کیسے....؟ کہاں سے....؟" وہ میری بات کاٹ کر تحیر زدہ آواز میں تقریباً چیخ پڑا "تم نے تو بتایا تھا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ٹیکسی پکڑ کر فرار ہو گیا اور تم ہاتھ ملتے رہ گئے۔"

"یہی ہوا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے۔ اسے ایک ساتھن نے پکڑا ہے۔"

"ساتھن....؟ یہ کیا بلا ہے؟ میں یہ لفظ پہلی بار سن رہا ہوں۔" وہ حیران رہ گیا۔

"موڈ میں آ کر میں نے بھی یہ لفظ پہلی بار استعمال کیا ہے۔ اگر لغت میں یہ لفظ کہیں موجود ہو تو اس کے معنی ساتھی کی مادہ کے ہونے چاہئیں۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"اوہ.... تو یوں کہو کہ تمہاری کسی ساتھی عورت نے اسے پکڑا ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"بوب رافیل کے ساتھ یہی ہے۔ تم نے غور نہیں کیا کہ میں نے قیدی کے بجائے قیدیوں کو ڈھونے کا ذکر کیا تھا۔ دونوں بے ہوش ہیں۔ انہیں الگ الگ کو ٹھڑیوں میں ڈالا جا رہا ہے۔"

"یہ غضب کی خبر سنائی ہے تم نے۔ بس اسی لیے مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ اکرم الٰہی کے پائے کا مجرم ایک مرتبہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جائے تو مشکل سے ہی ہاتھ آتا ہے۔"

"پیروں فقیروں کی دعا ہے کہ اپنی ہر مشکل خود بخود آسان ہوتی چلی جاتی ہے۔"

وہ ہنسا پھر بولا "ٹھیک کہہ رہے ہو۔ غالب نے شاید تمہارے لیے ہی کہا تھا کہ تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔"

"اس کام سے میں تائب ہو چکا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ کب کی اطلاع ہے؟" اس کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی "ابھی تو تم موڈ میں آ کر اردو لغت میں نئے الفاظ کا اضافہ کر رہے تھے۔ یہ موڈ کیسے بنا ہوا ہے تمہارا؟"

"تمہیں دیکھ کر رنگ پکڑ رہا ہوں۔ مسلسل سنجیدگی سے میں اکتایا ہوا تھا۔"

"چھوڑو یار۔ چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ مجھے چکر نہ دو۔ میں تم سے بہت دور، اسلام آباد میں بیٹھا ہوا ہوں۔ یہاں سے ہاتھ بڑھا کر تمہارا گلاس نہیں چھین سکتا۔"

"یہ واقعہ چند منٹ پہلے کا ہے جب میں مجید نامی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے ملا تھا۔ وہ ایک چلتا چلایا، خالص پاکستانی ہے۔ اندر سے باہر تک بالکل ایک جیسا۔ اس سے مل کر بہت شرم آئی اور پہلی بار احساس ہوا کہ ملک و قوم کے غم میں گھلنے کے لیے اکحل بہت ضروری نہیں ہے۔"

"آج تم عجیب باتیں کر رہے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ اس وقت تمہارا معدہ خشک ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں کیوں ہری ہری سوجھ رہی ہے؟"

"ہری ہری سوجھ رہی ہے!" اس نے مستفسرانہ انداز میں میرے الفاظ دہرائے "اس کا کیا مطلب ہے؟"

"تمہاری اردو بہت کمزور بلکہ ناقص ہے۔ یہ ساتھن سے بہت مختلف اور سادہ سا جملہ ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آئی بی کے تم جیسے ذمے دار افسر پر اچانک شاعری کا دورہ کیوں پڑا ہوا ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"یار' کام کے دباؤ اور مسلسل پریشانیوں میں اچانک بوب رافیل جیسی کوئی سرخ روئی حاصل ہوجائے تو تم یقین کرو کہ گنگنا کر رمبا ناچنے کو جی چاہتا ہے مگر سالا اسٹیٹس آڑے آجاتا ہے۔"

"اسٹیٹس آڑے آنے لگے تو پشتو میں غیبت شروع کردیا کرو۔" میں روانی میں کہہ گیا۔

"دیکھو' تم پھر کوئی الجھی ہوئی اور ناقابلِ فہم بات کہہ گئے۔" اس نے احتجاج کیا۔

"غیبت سے اسٹیٹس سمیت ہر چیز پس پشت چلی جاتی ہے۔ آدمی کا ذہن ہلکا ہوجاتا ہے۔ پیٹ کا ابھار بھی دور ہوجاتا ہے۔ ناپسندیدہ لوگوں کے خلاف اپنے دل کا بغض نکالنے کا موقع مفت میں ہاتھ آتا ہے۔"

"میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ آج تم واقعی موڈ میں ہو۔ بہت روانی سے فضول گوئی کررہے ہو۔"

"ابھی تک تم موج میں آکر مجھے دو مصرعے سنا چکے ہو۔" میں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا "میں بھی اپنے ذہن کی دھول جھاڑ رہا تھا۔ یوب رافیل کا ہاتھ آنا ہمارے لیے کسی خوشی کے بجائے نئی دشواریوں کا نکتہ آغاز بن سکتا ہے۔"

"اس بار ایسا نہیں ہوسکتا۔" اس کی آواز سے پختہ عزم کا اظہار ہورہا تھا۔

"کیا میں تمہاری اس خوش گمانی کا کوئی معقول سبب جان سکتا ہوں؟"

"یوں چبا چبا کے سوال نہ کرو۔ میرے سر کے آدھے بال سفید ہیں میری خوشی بے سبب نہیں ہے۔"

"دھوپ سے میرے بھی دو چار بال سفید ہوچکے ہوں گے۔ تم میرے سوال کا جواب دو۔"

"اس بار میری تجویز پر جارحانہ رویہ اپنایا گیا ہے اور ان کی بازی ان پر ہی الٹ دی گئی ہے۔"

"اب مجھے ایک مصرعہ سنانا پڑے گا۔ ایک معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔" میں نے کہا۔

"اس سے پہلے کہ وہ ہم سے یوب رافیل کے بارے میں کوئی استفسار کریں' ہماری وزارتِ خارجہ ان سے یوب رافیل کی نقل و حرکت کے بارے میں باضابطہ سوال کرچکی ہے۔"

"کیا انہیں کسی بین الاقوامی قانون کی رو سے ایسا اختیار حاصل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً۔" اس نے پورے وثوق سے کہا "سفارتی مراعات کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ کسی رانڈ کے سانڈ کی طرح پورے ملک میں دندناتے پھریں۔ یہ معاملہ امریکا کا ہے اس لیے براہِ راست سوال نہیں کیا گیا۔ بات گھما کر پوچھی گئی ہے۔"

"تم بلاوجہ مجھے کیوں گھما رہے ہو؟ میں وہی سب جاننا چاہ رہا ہوں۔"

"انہیں بتایا گیا ہے کہ کراچی میں ایک نہتہ غیر ملکی پکڑا گیا ہے جس کے پاس سے اسٹیفن کوائے کے نام کا ٹکٹ برآمد ہوا ہے۔ وہ کبھی خود کو اسٹیفن کوائے کہتا ہے اور کبھی امریکی سفارت خانے کا یوب رافیل نامی سوشل منسٹر بن جاتا ہے۔ وہ تصدیق کریں کہ یوب رافیل اسلام آباد میں ہی موجود ہے تاکہ مشتبہ شخص سے سختی سے باز پرس کی جاسکے۔ اس کے پاس کوئی شناختی دستاویز نہیں ہے۔"

"واہ!" اس نکتہ آفرینی پر میرے ہونٹوں سے بے ساختہ داد نکلی "یہ بہت موزوں طریقہ ہے۔"

"ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہر حال میں ایک بجے تک یوب رافیل کی طرف سے کسی رابطے کا انتظار کریں گے اس لیے یہ خط سوا بارہ بجے امریکی سفارت خانے میں دیا جاچکا تھا۔ اس سے پندرہ منٹ پہلے ایک پروٹوکول آفیسر نے فون پر اپنے امریکی ہم منصب سے بات بھی کی تھی۔ وہ فوری طور پر کوئی جواب نہیں دے سکے۔"

"اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہیں۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا "یہاں کا امریکی قونصل خانہ ہوٹل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان پندرہ منٹ میں کوئی نہ کوئی جانچ پڑتال کے لیے ہوٹل پہنچ چکا ہوگا۔"

"ایک بجے تک وہ تذبذب میں رہیں گے۔" جلال کا لہجہ فاتحانہ ہوگیا "ان کی طرف سے یوب رافیل کے غائب ہونے کی تصدیق ہونے تک تم اس کی ہلکی پھلکی مرمت کرسکتے ہو۔"

"تمہاری ساری گفتگو کا نچوڑ آخری جملے میں ہے۔ وہ خبیث ابھی تک ہم سب کے لیے شجرِ ممنوعہ بنا ہوا تھا۔ اب میں اسے ایسی گھتی چوٹیں لگاؤں گا کہ وہ کسی کو دکھا بھی نہ سکے گا۔"

"اس بھول میں نہ رہنا۔" وہ میرے دعوے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہنسا "یہ لوگ بہت ڈھیٹ اور بے حیا ہوتے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو بھری پریس کانفرنس میں وہ اپنے سارے کپڑے اتار دے گا۔"

"پاکستان اور بھارت آئے دن ایک دوسرے سے اپنے سفارت کاروں پر تشدد کی شکایات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی بھی شخص نے اپنی شکایت کے ثبوت میں کپڑے اتارے ہوں۔"

"ہمارا کلچر مختلف ہے۔ یہاں صرف زخموں اور زخمیوں کی تصویروں کے اجرا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ جو چاہو کرو' ہم معاملہ سنبھال لیں گے۔"

میں نے مڑ کر دیکھا تو باتوں ہی باتوں میں' میں حامد وغیرہ سے بہت دور نکل آیا تھا۔ میں فوراً ہی واپسی کے لیے مڑگیا اور فون پر جلال سے پوچھا "تم نے تالاب میں پہلا پتھر پھینک ہی دیا ہے تو ہمیں تیزی دکھانی پڑے گی...."

Downloaded from https://paksociety.com

"ہاں! تمہارے پاس بس وہی وقت ہے جو وہ تذبذب میں گزار رہے ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا' وہ بہت سرعت اور شدت سے ہوگا۔ حقیقتِ حال کو تسلیم کرتے ہی وہ بلبلانا شروع کردیں گے۔"

"کیا اسے کسی وقت صدف مینشن بھی منتقل کیا جاسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا امکان نہیں ہے۔ سورج ڈھلنے سے پہلے شاید یہ قصہ نمٹ جائے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم ذہنی طور پر اسے رہا کرنے کے لیے بالکل تیار ہو؟"

"اس معاملے میں' میں بالکل بے بساط ہوں۔ یہ اوپر کا فیصلہ ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"اس کی رہائی کراچی میں ہی عمل میں آئے گی یا اسے اسلام آباد لے جایا جائے گا؟"

"انہیں اچھی طرح ذلیل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کراچی میں رہا کیا جائے۔ یہ سب سوالات قبل از وقت ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا وہ کس انداز میں اور کتنی شدت سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

"بوب رافیل کا ذکر شروع ہوتے ہی تمہارے لہجے سے تازگی جاتی رہی ہے۔" میں نے ہلکا سا طنز کیا۔

"یہ شب و روز کا معمول ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی لیے جب کوئی بہانہ ہاتھ آتا ہے تو دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔ تم موبائل فون پر رابطے میں رہنا۔ کوئی تبدیلی رونما ہوتے ہی میں تم سے بات کروں گا۔"

میں واپس پہنچا تو حامد اور ویرا کا پتا نہیں تھا۔ ایس ٹی ایف کے دو جوان تپتی دھوپ میں میرا انتظار کررہے تھے۔

ان کی نشان دہی پر میں ایک بیرک کے کمرے میں گیا تو بوب رافیل سیمنٹ کے ننگے فرش پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے قریب پانی سے بھری ہوئی دو بالٹیاں رکھی ہوئی تھیں اور ویرا ڈونگے بھر بھر کر اس کے چہرے پر پانی ڈال رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے کمرے میں قدم رکھتے ہی بے ساختہ حیرت سے پوچھا۔

"وقت بچا رہی ہوں۔" ویرا نے اپنا کام روکے بغیر جواب دیا۔

"یہ مہمان مجرم ہے۔ پتا نہیں کب چلا جائے۔ اس لیے پہلے اسی کو ہوش میں لا رہی ہوں۔ سنا ہے غزالہ نے اس کے شانوں کی رگیں دبائی تھیں۔"

"میں جلال سے بات کررہا تھا۔ اس نے بوب کو کوٹنے کی آزادی دے دی ہے۔" میں نے بتایا۔

ویرا اپنے کام میں لگی رہی اور میں انہیں اسلام آباد کے ان واقعات سے آگاہ کرنے لگا جو جلال کے ذریعے میرے علم میں آئے تھے۔ انہیں دہراتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ امریکیوں کا ردِعمل واقعی مدافعانہ اور پُراسرار سا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ اس کی جیبوں میں رقم کے سوا کوئی شناختی کاغذ نہیں تھا۔" حامد نے بتایا "اپنے اصل نام کا ایک وزیٹنگ کارڈ اور اسٹیفن کوائے کے نام پر بنا ہوا ٹکٹ وہ خود حامد کے حوالے کرچکا تھا۔ ان دو متضاد چیزوں کے سوا اس کے پاس شناخت کے نام پر کوئی تیسری چیز نہیں تھی۔"

جب تک ویرا اس کے چہرے پر سادہ پانی انڈیلتی رہی' بوب رافیل نے اپنی پلکیں تک نہیں جھپکائیں لیکن جب فیلڈ میس سے یخ پانی لایا گیا تو دوسرا ڈونگا خالی ہونے سے پہلے اس نے جھرجھریاں لے کر اپنے پپوٹے پھڑکانے شروع کردیے۔ ویرا نے پورے استقلال سے اپنا کام جاری رکھا۔

تیسرا ڈونگا شروع ہوا تو بوب رافیل نے حلق سے خوف زدہ آوازیں نکالتے ہوئے آنکھیں جھپکائیں۔ ویرا نے ہاتھ روک لیا۔ بوب نے فرش پر ہاتھ مارے اور وہاں پھیلے ہوئے پانی کے چھپاکوں سے متوحش ہو کر ہوا میں یوں ہاتھ چلانے لگا جیسے ڈوبنے سے بچنے کی کوششیں کررہا ہو۔

ویرا نے اس کے پیٹ میں ایک ٹھوکر رسید کی اور غرائی۔ "ہوش میں آؤ ورنہ میں تمہارا چہرہ ادھیڑ دوں گی۔"

بوب رافیل چیخ مار کر تکلیف سے دہرا ہوگیا مگر اس کی یادداشت تیزی سے بحال ہو رہی تھی۔ سر پر منڈلاتے ہوئے سنگین خطرے کا ادراک کرکے وہ فوراً ہی فرش پر بیٹھ گیا۔

ویرا نے اس کے گیلے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر اسے اپنے قدموں پر کھڑا ہونے پر مجبور کردیا۔

اس کے بھیگے ہوئے بال کھوپڑی پر اسی طرف چپکے ہوئے تھے جس طرف کی کروٹ سے وہ فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا لباس شرابور ہو کر بدن سے چپکا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی تالاب یا دریا کی تہ میں سوتے سوتے اچانک باہر نکل آیا ہو۔

"تم لوگ کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟" اس نے سہمی سہمی نظروں سے اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے' خوف زدہ لہجے میں زبان کھولی "تم میرے ساتھ ایسا وحشیانہ سلوک کیوں کررہے ہو؟"

ویرا ہونٹ بھینچے اس کی بات سنتی رہی۔ جوں ہی وہ خاموش ہوا' ویرا نے اس کے پیٹ میں الٹا ہاتھ رسید کیا اور وہ اوغ کی آواز نکال کر آگے جھکتا چلا گیا۔ ویرا نے ماہرانہ انداز میں اپنی بائیں کلائی اس کی ٹھوڑی کے نیچے پھنسا کر' اوپر کی طرف زوردار جھٹکا دیا اور وہ جھکتے جھکتے' کراہ کر پھر سیدھا ہونے پر مجبور ہوگیا۔

"کتیا کے بچے! سچ سچ بتاؤ کہ تم اکرم الٰہی سے کیوں ملنے آئے تھے؟" پے در پے کئی جھٹکے دینے کے بعد ویرا نے اپنا پہلا سوال کیا۔

"اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"میں کسی اکرم ایلائی کو نہیں جانتا۔" اس نے بھرائی ہوئی

Downloaded from https://paksociety.com

آواز میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔

ویرا نے پہلی بار اس پر اپنی پوری طاقت استعمال کی اور کمرا طمانچے کی آواز سے گونج اٹھا۔

بوب رافیل اپنے قدموں پر لڑکھڑا کر رہ گیا اور اس کی زبان سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔

وہ جس انداز میں ویرا کے ہاتھوں پٹ رہا تھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کتنا ہی مکار اور چالاک کیوں نہ ہو' لڑاکا ہرگز نہیں تھا اور کوئی بے پروایانہ ضرب اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی' گھڑی کی سوئیاں دھیرے دھیرے ایک بجانے کے سفر میں مصروف تھیں۔ میں اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔

وہ آدھی آستینوں کی جس بش شرٹ اور پتلون میں تھا' وہ پانی میں شرابور ہو رہی تھیں۔ انہیں سکھانے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ اگر جلال ہنگامی طور پر اس کی طلبی کا کوئی پیغام دے بیٹھتا تو اسے اس حلیے میں واپس لے جانا قرین مصلحت نہیں تھا۔ کوئی قابل ذکر تشدد ہونے سے پہلے ہی اس کی حالت قابلِ رحم نظر آ رہی تھی۔

"ویرا! تم دفتر میں جاؤ۔ اسے ہم دیکھ لیں گے۔" میں نے ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد اردو میں کہا۔

"یہ بچنے کے معاملے میں بالکل اناڑی ہے۔ میں بہت نزاکت سے اس کا جوڑ جوڑ ہلا دوں گی۔"

"میں نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا۔" حامد نے تعریفی لہجے میں اس کی حوصلہ افزائی کی "مادام کے ہاتھ پیروں میں بجلی کی سی پھرتی ہے۔ مارشل آرٹس کے ایسے ماہر میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔"

میں نے لمحہ بھر کے لیے حامد کو گھورا اور وہ سٹپٹا گیا پھر میں تلخ لہجے میں ویرا سے مخاطب ہو گیا "بے جا ضد نہ کیا کرو۔ اس وقت یہ کوئی مظلوم آبی مخلوق نظر آ رہا ہے۔ ہمیں اس کے کپڑے سکھانے کی ضرورت ہے۔"

ویرا نے برا سا منہ بنایا اور کچھ کہے بغیر اس کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

کپڑے اتارنے کے حکم پر وہ مچل گیا۔ حامد نے فوراً ہی اپنے آدمیوں کو طلب کر لیا۔ انہوں نے بوب رافیل کو گیلے کمرے سے برآمدے میں لے جا کر اس کی بش شرٹ اور پتلون اتار لی۔ وہ بنیان اور انڈرویر میں کھڑا رہ گیا۔

"اس کے کپڑے نچوڑ کر استری سے سکھلاؤ اور اسے دھوپ میں کھڑا کر دو۔" میں نے حامد کے آدمیوں کو ہدایت دی۔ ایک شخص بوب کے گیلے کپڑے لے کر چلا گیا۔ دوسرے اسے کھلے میدان میں ہانک لے گئے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا!" حامد نے مایوسی سے کہا "دو چار تھپڑوں سے اس کا کیا بھلا ہوا ہو گا؟"

"اسے مار کر اپنا دل ٹھنڈا کر لو۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ زبان نہیں کھولے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں آپ سے بالکل متفق ہوں لیکن اسے سبق تو ملنا ہی چاہیے۔"

"ٹوٹ پھوٹ' نیل اور زخم کا خیال رکھنا۔ اس کے سوا تمہیں کھلی چھوٹ ہے۔"

"تھینک یو سر! ڈی پریکیٹس کے بجائے زندہ دشمن پر ہاتھ پیر چلانے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ دیکھنے سے آپ کو بالکل پتا نہیں چلے گا کہ اس کی رگڑائی کی گئی ہے۔" اس نے ممنونیت سے کہا اور برآمدے سے اترنے لگا۔

میں پلٹ کر اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا جو اس وقت حامد کے تصرف میں تھا۔

دفتر میں ویرا جلی بھنی بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی "سکھا دیے اس کے کپڑے؟"

"تم ہمارے ساتھ شریک نہیں تھیں اس لیے بہت سی باتوں سے بے خبر ہو۔" میں نے مصالحانہ لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے پھر بولنے لگی۔

"اب اس کے بال سنوار کر تازہ شیو بھی کر ڈالو۔ یہی ناز برداریاں کرنی تھیں تو اسے یہاں کیوں لائے تھے؟ ہوٹل میں ہی کسی وی آئی پی کمرے میں بند کر دیتا ہوتا۔"

وہ غیر ضروری طور پر تنک مزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی جسے میں خندہ پیشانی سے برداشت کرتا رہا۔ اس نے بالکل غیر متوقع طور پر اکرم الٰہی کو پکڑ کر ایک ایسا کارنامہ انجام دیا تھا کہ اس کے انعام میں ویرا کے سو نخرے بھی نظر انداز کیے جا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر کی تکرار کے بعد اس کا جوش خود بخود ٹھنڈا ہو گیا۔

شاید اس کے سکون کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میدان کی طرف سے بوب رافیل کی بے ساختہ اور دردناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔ اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ نہ سہی تو کوئی اور اکرم الٰہی کو تختہ مشق بنائے ہوئے تھا۔

ڈیڑھ بجے تک کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

ہوٹل کی نگرانی پر مامور' ایس ٹی ایف کے تین آدمیوں کی خاموشی ان اعتبار سے قابل فہم تھی کہ وہ ایک مصروف ہوٹل پر تعینات کیے گئے تھے جہاں آنے جانے والے گاہکوں میں ہر خطّے کے سفید فاموں کی بھاری تعداد شامل ہوتی تھی۔ اس بھیڑ میں ان کے لیے یہ سراغ لگانا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ وہاں کون کس نیت سے آیا تھا۔

وہ کوئی کھلی لڑائی نہیں تھی جس میں دوست' دشمن سب سامنے ہوتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ قونصل خانے سے چند ایجنٹ

Downloaded from https://paksociety.com

چائے یا کافی پینے کے بہانے ہوٹل کے ریستوران میں پہنچے ہوں اور بالا ہی بالا وہاں سے مطلوبہ معلومات سمیٹ کر خاموشی سے واپس چلے گئے ہوں۔

اگر پس پردہ ایسی کوئی کارروائی کی گئی تھی تو ہمارے بے خبر رہنے کے باوجود کہیں نہ کہیں سے اس کا ردِعمل ضرور ظاہر ہونا چاہیے تھا۔ کم از کم اسلام آباد میں ہی کوئی ہلچل ہونی چاہیے تھی۔ امریکیوں کو اعتراف کرلینا چاہیے تھا کہ بوب رافیل غائب تھا۔ اسی کے ساتھ ان کی طرف سے اسٹیفن کوائے سے ملاقات کا مطالبہ سامنے آجانا چاہیے تھا۔

بوب رافیل نے اپنے آدمیوں کو ایک بجے کی ڈیڈ لائن دی تھی۔ اسٹیفن کوائے اور بوب رافیل کی دہری شناخت رکھنے والے مشتبہ سفید فام کی گرفتاری کی خبر مل جانے اور ایک بجے کا مقررہ وقت گزر جانے کے بعد ان کی خاموشی حیرت انگیز تھی۔ جلال کا یہ اندازہ کہ ایک بجے کے بعد واقعات میں سرعت اور شدت پیدا ہوجائے گی' غلط ثابت ہورہا تھا۔

کچھ دیر بعد حامد بھی لوٹ آیا "وہ واقعی بہت ڈھیٹ اور سخت جان ہے۔ اس نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ اپنے سفارت خانے سے رابطہ کیے بغیر زبان نہیں کھولے گا۔"

"اب اسے دوبارہ کسی کمرے میں بند کرادو تو بہتر رہے گا۔" میں نے کہا۔

"وہ کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ ہم نے اسے اتنا موقع نہیں دیا کہ وہ یہاں کا جائزہ لے کر کوئی بات ذہن نشین کرسکے۔ اس کی رہائی کے بعد بھی یہ بات پوشیدہ رہنی ضروری ہے کہ وہ کہاں قید تھا۔"

میں بے اختیار مسکرا دیا۔ میرے ذہن میں بھی وہی ایک بات چکرا رہی تھی۔

"اس کے کپڑے سوکھنے کے کس مرحلے سے گزر رہے ہیں؟" ویرا نے ہچکچاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"دھلنے اور سوکھنے کے بعد اس کے بدن پر واپس پہنچ چکے ہیں۔ اس کی بش شرٹ پر بہت داغ دھبے آگئے تھے۔ وہ دھلے بغیر' پہننے کے قابل نہیں رہی تھی۔" حامد نے ادب سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب میں اس سے مل سکتی ہوں!" ویرا کی جواب طلب نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

"بالکل۔" میں نے کھلے دل سے کہا "بس اس پر ہلکا ہاتھ رکھنا۔ یہ خیال رہے کہ حامد پہلے ہی اس کی اچھی خاصی خاطر تواضع کرچکا ہے۔"

"میں مرے ہوئے کو مارنے کی قائل نہیں ہوں۔" اجازت ملتے ہی اس کے پتلے پتلے لبوں پر ساحرانہ مسکراہٹ کھیلنے لگی "میں اس سے کچھ مذاکرات کرنے جارہی ہوں۔"

میں نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ خود کو اس پر مسلط کرکے بدمزگی کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دو بجے فون کی گھنٹی بجی۔ حامد نے ریسیور اٹھایا۔ سلام دعا کے بعد وہ دوسری طرف کی بات سنتا اور وقفے وقفے سے سر ہلاتا رہا پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

وہ اول خان کی کال تھی۔ میری آواز سنتے ہی وہ تحیر زدہ آواز میں بولنے لگا "کل شام کو حامد سے میری بات ہوئی تھی تو سب کچھ وہی تھا جو میں چھوڑ کر آیا تھا' آج میں اسلام آباد میں ہوں۔ یہاں پتا چلا ہے کہ کراچی میں بساط بالکل ہی بدل گئی ہے۔ تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟"

"جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ اب تو صرف انتظار ہورہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری واپسی کب ہورہی ہے۔"

"کیوں؟" میرے سوال پر اس کی آواز تیز ہوگئی "کیا حامد سے تمہیں پورا تعاون نہیں مل رہا؟"

"حامد نے حق ادا کردیا۔" میں نے کسی مبالغے کے بغیر جواب دیا "یہ ساتھ نہ دیتا تو ہم ذرا سی بھی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے تھے۔ اس وقت ہم تین قیدیوں کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔"

"یہ میں سن چکا ہوں۔ وہ لوگ بوب رافیل کے معاملے میں کیوں خاموش ہیں؟"

"اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں۔ مجھے شبہ سا ہورہا ہے کہ کہیں انہوں نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے بوب رافیل کو قربانی کا بکرا بنانے کا فیصلہ نہ کرلیا ہو۔"

"ان معاملات میں ایسا نہیں ہوتا۔" اول خان کا لہجہ بے اعتباری لیے ہوئے تھا "ایک شخص کو بیچ منجدھار میں یوں بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے تو پوری سروس میں بددلی پھیل سکتی ہے۔"

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خاموشی پراسرار ہوتی جارہی ہے۔ جلال ہی اس معاملے پر کوئی روشنی ڈال سکتا ہے۔ چاہو تو اس سے پتا کرکے مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ ہم یہاں بالکل بے خبر بیٹھے ہیں۔"

"یہاں بھی ہر طرف حیرت اور خاموشی کا راج ہے۔ جب سے مجھے کراچی کے بارے میں اطلاعات ملی ہیں' میں جلال سے رابطے میں ہوں۔ اپنے کام کے ساتھ اسے بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"تو کیا تمہارے چیف کو اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ ہر حساس معاملے سے باخبر رہتا ہے لیکن اس بارے میں میری اس سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ کسی اور معاملے میں بری طرح الجھا ہوا ہے۔"

"امریکی شاید خاموش بیٹھے ہماری طرف سے کسی غلطی کے ارتکاب کا انتظار کررہے ہیں۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا "وہ غلطی جو بھی ہو' اس کا نقصان بوب رافیل کو براہِ راست پہنچے گا...."

"ہماری غلطی سے انہیں کوئی فائدہ کیسے پہنچ سکتا ہے۔" اول

Downloaded from https://paksociety.com

خان نے اعتراض کیا۔

"فرض کرو کہ بوب رافیل ہمارے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔" میں نے کہا "اس وقت سارا زور اس کی موت پر آجائے گا۔ یہ بات دب جائے گی کہ وہ کہاں سے اور کن حالات میں پکڑا گیا تھا۔"

"تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ اس وقت وہ بہت خراب پوزیشن میں ہیں۔ اسے قربانی کا بکرا بنا کر وہ واقعی بہتر پوزیشن میں آجائیں گے۔ ہمیں ایسی کسی غلطی سے بچنا چاہیے۔"

"ہم بہت محتاط ہیں۔ ان کو جواب کی یاددہانی کرا کے یہ جتانا ضروری ہوگیا ہے کہ ہم ان کے جال میں پھنسنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ان سے بارہ بجے رافیل کی موجودگی کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔"

"یاددہانی ہی سب سے بہتر رہے گی۔" اس نے اتفاق رائے ظاہر کیا "انہیں معلوم ہوجائے گا کہ بوب رافیل پر تھرڈ ڈگری آزمانے سے پہلے ہم ان کے جواب کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ عجیب پُرپیچ صورتِ حال تھی۔ مجرم ہٹ دھرمی پر اتر آیا تھا' اس کے مرتبوں نے چپ سادھ لی تھی' ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جمود کیسے ختم ہوگا۔

اول خان سے گفتگو ختم ہونے کے بعد پھر انتظار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کچھ دیر بعد ویرا واپس آگئی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کامیاب لوٹی ہے۔ شاید حامد نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس کی موجودگی میں ویرا میرے ساتھ محتاط رہ کر گفتگو کر رہی تھی۔ اس نے دروازے میں ویرا کی جھلک دیکھتے ہی اپنی کرسی چھوڑی اور دفتر سے نکلتا چلا گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تیر مار کر آئی ہو۔" میں نے ٹانگیں پسار کر کہا۔

"اپنی دانست میں وہ اپنی ضد پر اڑا رہا ہے لیکن میں نے اکرم الٰہی کے حوالے سے اسے چرکے دے دے کر کچھ نہ کچھ اگلوا لیا ہے۔ میں شرط لگا سکتی ہوں کہ بوب رافیل' اکرم الٰہی کے خلاف کوئی خطرناک ارادہ لے کر کراچی کے دورے پر آیا تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے بغض و عناد کی بو آرہی تھی۔"

"سلطان شاہ یہی شکایت کرتا ہے کہ تم اپنے مخاطب کو بلاوجہ سلگانے کے فن میں طاق ہو۔"

"سلطان شاہ...ایک بگڑا ہوا نابالغ بچہ ہے۔ میں اس کی پروا نہیں کرتی...."

"یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔" میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی "یہ بتاؤ کہ تم بوب رافیل کو سلگا کر کیا کچھ اگلوا سکی ہو۔ وہ اکرم الٰہی سے کیوں ملنے آیا تھا۔"

"میں نے اسے بتایا کہ اکرم نے اس کی ساری پول کھول دی ہے۔ میرا یہ جھوٹ کارگر رہا اور اس کی زبان چل پڑی۔ وہ اکرم الٰہی کو پکا بلیک میلر قرار دے رہا تھا۔"

"یہ اس کی رائے ہوسکتی ہے جس سے ہمارا متفق ہونا بالکل بھی ضروری نہیں۔ اصل حقیقت کا اندازہ اسی وقت ہوسکے گا جب ہم اکرم الٰہی کی کہانی بھی سن لیں گے۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اکرم فورڈ فاؤنڈیشن اور دوسرے امریکی اداروں سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہا ہے اور یہ بھاری رقوم مطلوبہ مقاصد پر صرف کرنے کے بجائے ذاتی استعمال میں لاتا رہا ہے۔ فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین نے جب بھی اس کا کوئی مطالبہ پورا کرنے سے انکار کیا' اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کی خفیہ سرگرمیوں کی فائل مشتہر کرنے کی دھمکی دے کر اپنا مطالبہ منوالیا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ فاؤنڈیشن کچھ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہے جن کی تشہیر سے اس کی ساکھ اور نیک نامی کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور اکرم الٰہی اس حقیقت سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے۔"

"ہر ادارے کی کچھ نہ کچھ خفیہ سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ اکرم الٰہی کو فیکس اور ٹیلکس پر جو بھی ہدایات دی جاتی تھیں' وہ ہدایات کے مطابق انہیں ضائع کرنے کے بجائے محفوظ کرلیتا تھا۔ وائس چیئرمین کو اس کی مجرمانہ ذہنیت کا اندازہ ہوا تو دیر ہوچکی تھی۔ اس کے بعد دو احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں۔ پہلی یہ کہ اکرم الٰہی کی آواز محفوظ کرلی گئی تاکہ اس کے نام سے کوئی اور فاؤنڈیشن سے فراڈ نہ کرسکے۔ اسی وجہ سے مقبول چوہدری اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھا۔" میں سمجھ گیا کہ مقبول چوہدری کے بارے میں کہا گیا فقرہ ویرا کی ذاتی رائے پر مبنی تھا بوب رافیل ایسی کوئی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"دوسری احتیاط یہ کی گئی کہ اکرم یا فریڈم انٹرنیشنل سے مراسلت کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔" ویرا نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اسے ہر پیغام فون پر دیا جانے لگا مگر پھر بھی فورڈ فاؤنڈیشن والے پچھلے ریکارڈ کی وجہ سے اکرم الٰہی کے مطالبات پورے کرنے پر مجبور تھے۔ ان کے لیے ساکھ کی قیمت چند لاکھ ڈالر سے بہت زیادہ ہے۔"

"ساکھ!" میں تحقیر آمیز انداز میں ہنا "ان کی ساکھ اب کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ وہ جب چاہتے اکرم الٰہی کی بلیک میلنگ سے چھٹکارا حاصل کرسکتے۔ اس کے لیے صرف ایک گولی کافی ہوتی۔"

"وہ شاید یہ بھی کر گزرتے لیکن بوب رافیل کے کہنے کے مطابق اکرم الٰہی بہت عیار ہے۔ اس نے وہ فائل کسی خفیہ مقام پر رکھی تھی اور فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین کو یہ بتا دیا تھا کہ اس کی موت غیر فطری انداز میں ہوئی تو اس کا سارا نقصان فاؤنڈیشن کو پہنچے گا۔ اکرم الٰہی کی ناگہانی موت پر' اس کے ہمدرد خفیہ مشتہر ختم کردیتے۔"

"حیرت ہے کہ بوب رافیل نے یہ سب اتنی تفصیل سے اگل

Downloaded from https://paksociety.com

دیا!" میں نے کہا۔

"وہ جھلا کر مختصر جواب دے رہا تھا۔ اس کے ہر جواب میں اکرم الٰہی کی کوئی نہ کوئی خامی پنہاں تھی۔ ان جوابات کو ترتیب اور تفصیل سے میں نے خود جوڑا ہے۔"

اگر وہ سب درست تھا تو اکرم الٰہی کو بے بس بلکہ قید کر لینے کے بعد وہ فائل مقبول چوہدری کے قبضے میں ہونی چاہیے تھی۔ فائل کی تشہیر یا فاؤنڈیشن کو واپسی خود مقبول چوہدری کے حق میں نہ ہوتی کیونکہ وہ پیسے کا لالچی تھا۔ بلیک میلنگ کا سب ختم ہوتا تو شاید فورڈ فاؤنڈیشن اور فریڈم انٹرنیشنل کے مراسم ہی منقطع ہو جاتے۔ بھاری آمدنی کے اس ذریعے کو مقبول اپنے ہاتھوں سے ختم نہیں کر سکتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ایسی کوئی فائل تھی تو مقبول ہی کے قبضے میں تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے بوب سے اتنی باتیں اگلوالیں۔ وہ اور بھی بہت کچھ جانتا ہوگا۔"

"یہ ایک پہلو تھا۔ دوسری کہانی بھی چونکا دینے والی ہے۔" ویرا مسکرا کے بولی۔

"اوہ! تو کچھ اور بھی باقی ہے۔" میں اپنی کرسی میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"جی ہاں!" ویرا نے اپنی گردن ہلائی "فریڈم انٹرنیشنل کی آڑ میں اکرم الٰہی ہیروئن کا ریکٹ بھی چلا رہا تھا۔"

"نہیں!" میں نے بے اعتباری سے کہا "اس قصے میں ہیروئن کہاں سے آگئی۔"

"اسے امریکا کی ایک سوسائٹی سے اس مقصد کے لیے سرمایہ فراہم کیا جا رہا تھا کہ وہ پاکستان کے راستے امریکا کو ہیروئن کی ترسیل کو روکے۔ اس نے ادھر کا رخ کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ ہیروئن کی اسمگلنگ میں بے اندازہ دولت ہے۔ اپنے مقصد کو بھول کر وہ خود اس کاروبار میں ملوث ہوتا چلا گیا۔"

"یہ بوب کے ذہن کی اختراع معلوم ہوتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"اس کے الزام میں جان ہے۔ تم شی کو کیوں بھول رہے ہو۔ وہ بھی ایک سوسائٹی ہی تھی جو ہیروئن کے انسداد کے لیے قائم کی گئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں سے شی کے قدم اکھڑنے کے بعد وہی کام کچھ این جی اوز کو سونپ دیا گیا ہو۔" ویرا کے پاس مدلل جواب موجود تھا۔

"یعنی امریکا میں ہیروئن کی اسمگلنگ روکنے کے لیے یہاں اس کی کھپت پیدا کی جائے؟"

"بالکل۔ شی کا مشن یہی تھا۔" ویرا نے زور دے کر کہا۔ "پاکستان میں شی ختم ہو چکی ہے لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں ہیروئن کا استعمال بہت تیزی کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔"

"یہاں ہیروئن کے استعمال میں اضافے کی شرح واقعی بھیانک ہو چکی ہے لیکن اس بارے میں تم جو کچھ کہہ رہی ہو' اس میں کھلا تضاد موجود ہے۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"تم امریکیوں کو نہیں جانتے۔" ویرا نے اصرار کیا "میرے بیان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ لوگ تیسری دنیا کے ملکوں میں حکومتوں اور عوام کی مدد کے نام پر این جی اوز کی سرپرستی کر کے ایک مفاد پرست طبقے کی پرورش کر رہے ہیں جو دولت حاصل کرنے کے لیے کسی بھی جائز یا ناجائز مقصد کے لیے کام کرنے پر تلا رہتا ہے۔ اگر تم زیادہ گہرائی میں جاؤ تو اندازہ ہوگا کہ یہ طبقہ اپنے مفادات کی وجہ سے امریکا کا سب سے بڑا وفادار ثابت ہوگا۔"

"یہ سب درست ہے لیکن تم کہہ رہی ہو کہ اکرم الٰہی اپنے مقصد کو بھول کر خود ہیروئن کی اسمگلنگ میں شریک ہو گیا تو پھر یہاں ہیروئن کا استعمال کیوں بڑھ رہا ہے؟"

"یہ بات میں نے نہیں' بوب رافیل نے کہی ہے۔" ویرا نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا "اچھائی کو فروغ دینے کے لیے بہت سخت محنت کی ضرورت پڑتی ہے مگر بدی اور بد عادتوں کے لیے صرف چند ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ برائی کا بیج بو دو۔ اس میں سے جو کچھ پھوٹتا ہے اکاس بیل کی طرح تیزی سے پھیلتا چلا جاتا ہے۔"

"ہیروئن خود بخود نہیں پھیل رہی' اسے وہ لوگ پھیلا رہے ہیں جو دولت کی جھنکار سننے کے لیے موت کی سوداگری پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی گردنیں اتار لو' ہیروئن کا فروغ ختم ہو جائے گا۔"

"بوب رافیل از خود کچھ اگلنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کے جلے کٹے تبصروں سے میں نے جو نتائج اخذ کیے' تمہارے سامنے رکھ دیے۔ اکرم الٰہی کے اصل کرتوتوں پر سے مقبول پردہ اٹھائے گا۔"

"وہ گھر کے قیدی ہیں۔ بوب کا قضیہ نمٹے تو ان دونوں سے پرسکون طریقے سے باز پرس کی جائے گی۔"

"یہ کام میں اس وقت بھی شروع کر سکتی ہوں۔ میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔"

میں نے اسے گھورا اور اسی لمحے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

اس بار جلال نے فون کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "ہمارے سارے اندازے دھرے رہ گئے.... یہ معاملہ بہت اونچی سطح تک گیا ہے۔ اب بوب رافیل کو ہاتھ بھی نہ لگانا!"

"کہو تو اس سے پچھلے سلوک بلکہ بدسلوکیوں کی معافی بھی مانگ لیں!"

"اب تک جو کچھ ہوا ہے' اسے بھول جاؤ۔ آئندہ کے لیے احتیاط سے کام لو۔ ابھی تک کسی خبر کی تصدیق نہیں ہوئی لیکن زبردست افواہیں گردش میں ہیں۔ مجھے اوپر سے صرف اتنا حکم ملا ہے کہ بوب کی رہائی کی تیاری کر لی جائے۔"

"دفتر خارجہ کے خط کا کیا جواب ملا ہے؟" میں نے الجھن آمیز لہجے میں سوال کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"کچھ نہیں۔ مقامی سطح پر انہوں نے مکمل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ سنا ہے کہ واشنگٹن میں امریکی صدر کو صبح چار بجے نیند سے بیدار کرکے بوب رائفل والے معاملے سے آگاہ کیا گیا تھا۔"

"اگر میری یادداشت درست ہے تو واشنگٹن کا وقت ہم سے دس گھنٹے پیچھے ہے یعنی یہ واقعہ ہمارے وقت کے مطابق ابھی دوپہر کے دو بجے پیش آیا ہوگا۔ کیا تمہیں یہ خبر واشنگٹن سے ملی ہے؟"

میرے لہجے میں موجود ہلکا سا طنز اس سے پوشیدہ نہ رہ سکا اور اس کی خفت آمیز آواز آئی "میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسلام آباد میں ہوش ربا افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔"

"تو کیا واشنگٹن والی خبر بھی ان افواہوں کا حصہ ہے؟" میں نے نرمی سے پوچھا۔

"میں امریکی صدر کی خواب گاہ میں نہیں تھا اس لیے سنی سنائی باتیں ہی تم تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"تلخی تھوک دو۔ مذاق کا برا نہیں مناتے۔ ہر افواہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی خبر ضرور ہوتی ہے۔"

"کہا جارہا ہے کہ امریکی صدر نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اسی وقت اپنے مشیروں کو طلب کیا اور غور و خوض کے بعد ہمارے وزیراعظم سے فون پر براہِ راست بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اوہ!" میں اس انکشاف پر حیرانی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ "ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ واشنگٹن کے لیے بوب رائفل کی ذات اتنی اہم ہوسکتی ہے۔"

"وہ انتہائی بد ذات ہے۔ یہ معاملہ اس کی ذات سے زیادہ امریکا کی پوزیشن کا ہے۔ رابن مائر والے معاملے کے بعد وہ مزید سبکی سے بچنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پسپائی کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"مگر یہ خاموش پسپائی کس طرح ممکن ہوسکی؟" میرا ذہن جلال کے کیے ہوئے انکشافات کے گہرے جھٹکے سے فوری طور پر سنبھلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔

"بس قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ ترین سطح پر اگر ہلکی سی معذرت بھی کرلی جائے تو بڑی سے بڑی بات پل بھر میں ختم ہوسکتی ہے۔ کچھ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ امریکی صدر معذرت کیے بغیر بوب رائفل کی گلوخلاصی کی درخواست نہیں کرسکتا تھا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "ایسی صورت میں درخواست کو رد کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ کیا وزیراعظم کو شروع سے اس معاملے سے باخبر رکھا گیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ غیر ملکی سفارت کاروں سے تعلق رکھنے والے ہر قابلِ ذکر واقعے کی سب سے پہلی بریفنگ پرائم منسٹر ہاؤس ہی بھیجی جاتی ہے۔"

"کیا اس کی رہائی کا حکم وہیں سے جاری کیا گیا ہے؟" میرا تجسس دور نہیں ہورہا تھا۔

"افواہوں کی شدت میں کہیں سے صحیح خبر نہیں مل رہی۔ مجھے چند منٹ پہلے اپنے ڈائریکٹر جنرل کا زبانی حکم ملا ہے۔ یہ تازہ ترین واقعہ ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہی حقائق سامنے آسکیں گے۔"

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب دیانا کنونشن کے مطابق بوب رائفل کو ہر حال میں رہائی مل ہی جانی تھی تو امریکی صدر کو حرکت میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا تمہیں یہ بات غیر معمولی محسوس نہیں ہوتی؟"

"ابھی صرف افواہیں ہیں۔" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "اگر ان کی تصدیق ہوجاتی ہے تو جواز ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہ محض اپنے سفارتی استحقاق کی بنا پر رہا ہوتا تو پریس اس معاملے کو اچھالتا' سب کچھ ریکارڈ پر آجاتا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان سفارتی سرد مہری پیدا ہوسکتی تھی۔ امریکا کی عالمی رسوائی الگ ہوتی۔ ہوسکتا ہے کہ ان تمام تلخ اثرات سے بچنے کے لیے بالائی سطح پر چند منٹ کی ایک فون کال کو ترجیح دی گئی ہو۔"

"تو کیا اب اس کی رہائی خاموشی سے عمل میں آئے گی؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ افواہیں درست ہیں تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ پریس میں اس بارے میں ایک لفظ بھی نہیں آنے پائے گا۔" اس کا لب و لہجہ بہت محتاط تھا۔

"کیا یہ غنڈا گردی بلکہ دادا گیری نہیں ہے؟" میری آواز میں مایوسانہ تلخی اتر آئی "علاقے کے دادا گیر بھی یہی کرتے ہیں۔ کسی کو دھکا نا ہو تو اپنے کارندوں کو بھیجنے کے بجائے خود موقع پر پہنچ کر اپنا فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ یہ کرسی یہاں سے ہٹالو۔ ان کا مخاطب جانتا ہے کہ اس نے کرسی نہ ہٹائی تو اس کا انجام کیا ہوگا...."

"تم بہت دور چلے گئے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہوتا رہتا ہے۔ تم یقین کرو کہ افواہیں درست ثابت ہوئیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس میں ہماری بہت بڑی اخلاقی فتح ہوگی۔ ہم نے اپنی کاوشوں سے انہیں پاکستان میں اس حال کو پہنچا دیا کہ امریکا کی عزت بچانے کے لیے وہاں کے صدر کو ہمارے سربراہ سے رجوع کرنا پڑا۔"

"شاید میری کھوپڑی ہی الٹی ہے جو میں تصویر کو دوسرے رخ سے دیکھتا ہوں!"

"میں تم سے زیادہ حساس طبیعت کا مالک ہوں لیکن میں ذرا بھی مایوس یا افسردہ نہیں ہوں۔ دراصل تم امریکیوں سے اس قدر نالاں ہو کہ تمہیں ان کی ہر حرکت میں سازش اور مکاری کی بو آتی ہے۔"

"تو کیا حقیقت میں ایسا نہیں ہے؟" میں نے مجروح لہجے میں سوال کیا۔

"مان لو کہ کم از کم اس بار ایسا نہیں ہے۔ یہ معاملہ بہت

Downloaded from https://paksociety.com

باعزت انداز میں طے ہونے جارہا ہے۔"

"تم کہتے ہو تو میں مانے لیتا ہوں۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"یہ بتاؤ کہ اب محترم و معظم بوب رافیل صاحب کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہیں کہاں پہنچایا جائے؟"

"کہیں نہیں۔ میرے دونوں افسر اسٹیشن فور کے لیے نکل چکے ہیں۔ وہ تمہارے پاس رکیں گے۔ میں پوزیشن واضح ہوتے ہی تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ بوب رافیل کی رہائی کہاں اور کس طریقہ کار سے عمل میں آئے گی۔"

"کیا اول خان کو اس تازہ ترین تبدیلی کا علم ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ میرے رابطے میں ہے مگر ابھی یہ بات اس کے علم میں نہیں ہے۔ ہدایات ملنے کے بعد میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے کیونکہ اس وقت تم ہی بوب رافیل کے نگران اعلیٰ ہو۔"

"اور کچھ ہو یا نہ ہو' کم از کم ایک پیش گوئی پوری ہوگئی کہ بوب کا معاملہ آج سورج غروب ہونے سے پہلے نمٹ جائے گا۔ اس میں عزت ملتی ہے یا ندامت ہاتھ آتی ہے' یہ تم جانو اور تمہارا کام جانے۔"

"ہاں' یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ زیادہ سوچ سوچ کر اپنا خون نہ سلگاؤ۔ میں ایک مدت سے سرکاری ملازمت کررہا ہوں۔ جب اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر عمل کرنا پڑتا ہے تو آدمی ایسے ہی ڈپریشن سے دوچار ہوتا ہے مگر میں اس وقت مطمئن ہوں۔ تم بلاوجہ سوچ سوچ کر بال کی کھال نکالے جارہے ہو۔ میرے اگلے فون کا انتظار کرو۔ شاید میں تمہاری مزید تسلی کرا سکوں۔"

جلال نے میری دل جوئی کے لیے ایک چھوٹی سی تقریر صادر کرکے فون بند کردیا۔

"وہ صحیح کہہ رہا ہے!" سوال و جواب کے معمول سے فارغ ہو کر ویرا نے جلال کے موقف کی تائید کی۔

"کہہ رہا ہوگا مگر میں اس فیصلے سے ذرا بھی متفق نہیں ہوں۔ چور رنگے ہاتھوں پکڑا جائے تو اسے سرِعام جوتے مار کر اس کا منہ کالا کرنا چاہیے۔ ہم اپنے چور کو خاموشی سے چھوڑنے جارہے ہیں۔"

"یہ تم نے فرض کرلیا ہے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا کہ وہ کیسے چھوڑا جائے گا۔"

"تم میری بات لکھ لو کہ میرا مفروضہ بالکل صحیح ثابت ہوگا۔ سمجھوتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"ایسا ہو بھی جائے تو تمہیں اور حامد کو ذاتی طور پر خوش ہونا چاہیے۔ تم دونوں نے چند گھنٹوں کی محنت سے امریکا کے صدر کو اپنے سامنے سرنگوں کرلیا ہے۔ انا کا گھاؤ جسمانی زخم سے کہیں زیادہ کاری ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... تھوڑی دیر کے لیے زبان بند کرلو۔ میں خاموشی سے سگریٹ نوشی میں مصروف رہنا چاہتا ہوں۔" میری وہ فرمائش سن کر ویرا نے مسکراتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی۔

"میرے لیے یہاں بیٹھ کر خاموش رہنا شاید ممکن نہیں ہوگا۔ میں حامد کو تلاش کرتی ہوں۔"

وہ اپنی مخصوص چال میں دروازے سے نکل رہی تھی تو عقب سے اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ وہ منافق نہیں تھی۔ کچھ کہہ رہی تھی تو اپنے ضمیر کے مطابق درست ہی کہہ رہی ہوگی۔

میں نے سر جھٹک کر پیکٹ سے سگریٹ نکالی اور اسے سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

○☆○

کیبن روم میں اضطراب کے عالم میں ٹہلتے ہوئے امریکیوں نے میری آہٹ پر چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور ان کے چہروں پر چھائی ہوئی سنجیدگی کچھ اور گہری ہوگئی۔

بوب رافیل میرے پیچھے تھا۔ اس کے عقب میں انٹیلی جنس بیورو کے مقامی دفتر کے وہ دونوں افسران تھے جنہوں نے ہوٹل کے حفاظتی عملے سے مل کر ہمیں شناخت کے مشکل مرحلے سے بچایا تھا۔ وہاں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ حامد کسی عام شہری کے سامنے اپنے ایس ٹی ایف کے شناختی کارڈ کی نمائش کرکے فورس کی رازداری کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا اور ہوٹل والے ہماری باضابطہ شناخت کے بغیر ہمیں بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھے۔

ان پر نظر پڑتے ہی بوب رافیل "جان" کہہ کر تیزی سے ان دونوں کی طرف لپکا تھا مگر ان میں سے زیادہ لمبے اور معتدل امریکی نے خشک لہجے میں اسے محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔

"جان! کس قدر تذلیل و جان لیوا انتظار کے بعد اپنوں کی صورت نظر آئی ہے اور تم کیا کہہ رہے ہو؟" بوب رافیل نے نہایت دکھ بھرے لہجے میں شکایت کی۔

"ہاں بوب!" اسی امریکی نے گمبھیر آواز میں کہا "یہ زندگی کا ایک حصہ ہے۔ ابھی تمہاری منتقلی عمل میں نہیں آئی۔ تم ہمارے معزز دوستوں کی تحویل میں ہو۔ تمہیں ان کی ہدایات سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔"

اس اثنا میں' میں لمبی میز کے سرے پر ان دونوں تک پہنچ چکا تھا۔ ان دونوں نے پُرتپاک مصافحوں کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔ عینک والے کا نام جان اسمتھ تھا اور اس کا ساتھی راجر بروک تھا۔

انہوں نے آئی بی کے افسران سے بھی اسی تپاک سے ہاتھ ملائے لیکن بوب رافیل کے ساتھ ان کا رویہ بدستور سرد مہرانہ تھا۔

ہمیں کیبن روم کے دروازے تک پہنچانے والا سیکیورٹی افسر دروازے سے ہی واپس جاچکا تھا۔

ہم مستطیل میز کے سرے کو چھوڑ کر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ آئی بی کے افسران میرے ساتھ تھے۔ بوب رافیل اپنے ہم قوموں

Marked from https://pksociety.com
Downloaded from https://pksociety.com

کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ان کے خشک رویے کی وجہ سے بوب کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی۔

"رسمی گفتگو کے آغاز سے پہلے میں تمہاری اجازت سے ایک سرکاری حکم بوب کو سنانا چاہتا ہوں۔" جان نے کہا۔ اس نے براہِ راست مجھے مخاطب کیا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے میں حیران ہوا کہ اس نے مجھے آئی بی والوں پر کیوں ترجیح دی تھی لیکن مجھے فوراً ہی اپنے ذہن کے کسی نہاں خانے سے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ میں سب سے پہلے کمیٹی روم میں داخل ہوا تھا۔ اس سے انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ٹیم میں میری پوزیشن قائدانہ تھی۔ وہ بہت معمولی سا نکتہ تھا مگر تجربے کار سفارتی افسران کے لیے کسی کے آگے، پیچھے، دائیں یا بائیں ہونے کی اہمیت مسلمہ تھی۔ پروٹوکول کے ان روایتی قاعدوں کی روشنی میں وہ مہمانوں کے استقبال میں تقدیم و تاخیر کے اصولوں پر عمل کرتے تھے۔

"ضرور، ضرور!" میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

جلال کے اصرار پر میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس اجلاس میں شریک ہونے پر آمادہ ہوا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ آنے والوں میں سے کوئی مجھے ڈپٹی کی حیثیت سے نہ پہچان لے۔

ان دنوں امریکی ایجنٹ خارش زدہ کتوں کی طرح ہر طرف سے عتاب میں آئے ہوئے تھے مگر میں جانتا تھا کہ وہ اس عالم میں بھی میری تلاش سے غافل نہیں تھے۔ میں نے ان سے اپنا تعارف مظہر خان کے نام سے کرایا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے دیکھ کر ان دونوں میں سے کسی نے کسی غیر معمولی ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"بوب رافیل!" جان نے اسے یوں مخاطب کیا جیسے کسی تحریری فرمان کے ابتدائی الفاظ پڑھ رہا ہو۔

بوب نے چونک کر پھٹی پھٹی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے لیے یہ بات غیر معمولی تھی کہ جان نے رواج کے برعکس اسے اس کے پورے نام سے مخاطب کیا تھا۔ جان کے چہرے پر چھائی ہوئی اجنبیت دیکھ کر بوب کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں اور اس کا بایاں ہاتھ بے ساختہ اپنی پیشانی پر پہنچ گیا۔

وہ آنکھیں پھاڑے بدستور جان اسمتھ کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

ذرا سے توقف کے بعد جان نے اسی انداز میں اپنی بات جاری رکھی "تم پاکستان میں اپنی تعیناتی کے دوران میں آج اپنے فرائض سے غفلت اور اختیارات سے تجاوز کے مرتکب ہوئے ہو جس کی بنا پر ریاست ہائے متحدہ امریکا کو اپنے دوست ملک، پاکستان کے سامنے شرمندگی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس بنا پر ایک صدارتی فرمان کے تحت تمہیں فوری طور پر ملازمت سے برطرف کردیا گیا ہے اور تم ہر سفارتی رعایت سے محروم ہوچکے ہو....."

"نہیں جان...!" بوب نے تقریباً رو دینے والی آواز میں اس کی بات کاٹ دی "تمہیں سب کچھ معلوم ہونا چاہیے۔ یہ تم مجھے کیا خبر سنا رہے ہو؟"

"افسوس کہ سب کچھ یوں ہی ہے۔ برطرفی کے بعد تم اسلام آباد نہیں جاؤ گے۔ کراچی سے میسر پہلی پرواز سے تمہیں واپس امریکا جانا ہے۔" جان نے سپاٹ لہجے میں اپنی بات پوری کرڈالی۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سلگتے ہوئے وجود میں ایک ٹھنڈی سی، سکون کی لہر سرایت کرتی جارہی ہو۔ میرا دل چاہا کہ میں چوڑی میز پھاند کر جان کا منہ چوم لوں مگر ہم وہاں ذاتی خوشیوں کے اظہار کے لیے نہیں، بوب رافیل جیسے سفارتی آوارہ گرد کو اس کے اصل مالکان کے حوالے کرنے کے لیے آئے تھے۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔

"یہ ظلم ہے جان، یہ ظلم ہے۔" بوب رافیل نے انتہائی مایوسی کے عالم میں احتجاج کیا "تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ میں ان تینوں کے سامنے کچھ بھی نہیں دہرا سکتا۔ میرے وہم و گمان میں بھی....."

"بوب! پلیز شٹ اپ!" جان کی آواز سخت اور درشت ہوگئی "مجھے تمہارے جذباتی صدمے کا اندازہ ہے۔ مگر میں اپنے منصب کی ذمے داریوں سے مجبور ہوں۔"

"میں ابھی اور اسی وقت سفیر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" بوب نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"میری طرح وہ بھی ریاست کے ملازم ہیں۔ یہ حکم نامہ ان ہی کی وساطت سے مجھ تک پہنچا ہے۔ یہاں کوئی تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے، واشنگٹن جاکر کہنا۔ اب خاموش رہو۔"

بوب نے میز کی سطح پر کہنیاں ٹکا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

مجھے پورا یقین تھا کہ امریکیوں نے بوب رافیل کی ڈرامائی برطرفی کا وہ کھیل محض ہماری دل جوئی کے لیے رچایا تھا۔ امریکا پہنچتے ہی بوب رافیل کو ملازمت سمیت تمام مراعات واپس مل جانی تھیں لیکن بوب چونکہ خود متاثر ہوا تھا اس لیے وہ یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ اپنی برطرفی کو حقیقت سمجھ کر منہ لٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔

امریکا پہنچنے کے بعد بوب کو جو بھی انعام ملتا وہ بعد کی بات تھی۔ وقتی طور پر یہی کافی تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل کے معاملے میں دم کے بل ناچنے والے امریکیوں کے صدر کی خفت اور شرمندگی ایک فرمان کی صورت اختیار کرچکی تھی۔

"صدارتی فرمان کا نچوڑ تم نے سن لیا۔" جان نے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ یہاں سے جاتے ہوئے ہمیں بوب کو اپنے ساتھ لے جانے میں کسی رکاوٹ یا دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"وہ اس کمرے میں قدم رکھتے ہی تمہاری تحویل میں آچکا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہمیں کسی دستاویز کا تبادلہ نہیں کرنا تھا پھر بھی ہم رسم نبھانے کے لیے میز کے گرد بیٹھے ہیں۔"

"شکریہ!" جان نے میز پر سے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ میز اتنی چوڑی تھی کہ ہم دونوں کو اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا پڑا۔

"ہمیں امید ہے کہ صدر کی اس تادیبی کارروائی کے بعد ایسے کسی ناخوشگوار واقعے کا اعادہ نہیں ہوگا۔" میں نے پرجوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے چہکتا ہوا تبصرہ کیا۔

"شاید یہ اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری واقعہ ہوگا۔ دوسروں کو اس سے عبرت حاصل ہوگی۔" وہ منافقانہ انداز میں مسکرایا تو اس کے سفید دانتوں کی قطاریں کسی بھیڑیے کے دانتوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"کیا بوب کی برطرفی کا صدارتی فرمان پریس کو بھی جاری کیا جائے گا؟" میرے ساتھ بیٹھے ہوئے آئی بی کے ایک افسر نے پوچھا۔

"نہیں۔ انتظامی تقرریاں' تبادلے اور معزولیاں اندرونی معاملات ہوتے ہیں پھر بھی پریس والے اپنی دلچسپی کی خبریں تلاش کرہی لیتے ہیں۔ فی الحال یہ فرمان ہماری داخلی دستاویز ہے۔"

"ہمارے ذریعے بھی یہ خبر نکل سکتی ہے۔" میں نے پوچھا۔ "ہمیں اپنی رپورٹ دینی ہوگی۔"

"کیوں راجر؟" جان نے اپنے ماتحت سے پوچھا "یہ اچھا احتیاطی سوال ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

"نہیں جان! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" راجر نے اپنے افسر کے رتبے کا لحاظ کیے بغیر بے خوفی سے کہا "جب تک بوب امریکا پہنچ نہیں جاتا' یہ فرمان خفیہ رہنا چاہیے۔"

"ذرا اپنی بات کی وضاحت کرو۔" جان نے ناک پر اپنی عینک نیچے سرکا کر کہا۔

"اس فرمان کے ذریعے بوب کو فوری طور پر ہر سفارتی تحفظ سے محروم کردیا گیا ہے۔ پتا نہیں پروازوں کی کیا پوزیشن ہے' اسے کتنے گھنٹے کراچی کے مرکزی علاقے میں گزارنے پڑیں۔ خبر پھیلنے کے بعد کسی بنیاد پرست نے اسے مار دیا تو کیا ہوگا۔"

اپنی سلامتی کے بارے میں اس اندیشے کو سن کر بوب نے اپنا چہرہ ہتھیلیوں سے نکالا اور تشویش سے ہم تینوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ واقعی خوف زدہ اور پریشان تھا' اداکاری نہیں کررہا تھا۔

"بہت اہم بات اٹھائی ہے تم نے!" جان نے مضبوطی سے اپنی شہادت کی انگلی فضا میں لہرا کر کہا پھر فیصلہ کن لہجے میں مجھ سے بولا "تم اپنے افسران بالا کو دی جانے والی رپورٹ میں اس کا ذکر کرو مگر یہ رپورٹ کانفیڈنشل ہو۔ انسانی تحفظ کے معاملات پر راجر گہری نظر رکھتا ہے۔ میں کبھی بھی اس کی رائے کو نظرانداز کرنے کی غلطی نہیں کرتا۔"

راجر کی زبان سے بنیاد پرست کا لفظ سنتے ہی مجھے غصہ آیا مگر میں اپنی باری آنے تک خاموش رہا۔ جان نے اپنی بات پوری کرلی تو میں نے کہا "بوب جیسے غیرذمے دار آدمی کو کوئی بنیاد پرست کیوں مارے گا؟ ہاں' کوئی سرپھرا محب وطن ضرور اس کی جان کے درپے ہوسکتا ہے۔ قاتل کوئی بھی ہو' وہ صرف قاتل ہوتا ہے' اسے کسی اور حوالے سے نام دینا زیادتی ہے۔"

"سوری مازر۔" جان نے جلدی سے کہا "بنیاد پرست کی اصطلاح ہم مذہبی انتہاپسندوں کے لیے استعمال کرتے ہیں....."

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر ہلکی سی ترشی سے کہا "اسی لیے میں اصلاح ضروری سمجھتا ہوں۔ پاکستانی تمہارے مخصوص مفہوم میں بنیاد پرست نہیں ہوتے وہ اعتدال پسند ہیں۔"

"اگر تمہیں اس لفظ پر ایسا ہی اعتراض ہے تو میں اسے واپس لیتا ہوں۔" راجر نے بدمزگی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے جلدی سے کہا "میں پاکستانیوں کی بہت عزت کرتا ہوں مگر قرب وجوار کی مسلح تحریکوں کی وجہ سے یہاں ایک ایسا عنصر ضرور درآمد ہوا ہے جو ہماری تعریف پر پورا اترتا ہے۔ میں اس کی نشان دہی کررہا تھا۔"

"جب تم نے اپنے بیان میں ترمیم کرلی ہے تو یہ وضاحت غیر ضروری ہے۔" جان نے راجر سے کہا پھر مجھ سے مخاطب ہوگیا۔ "اگر کوئی بات رہ نہ گئی ہو تو ہم یہ اجلاس ختم کرلیں۔"

میں نے استفسار طلب نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنے سروں کو اثبات میں خفیف سی جنبش دی اور سب نے تقریباً ایک ساتھ ہی کرسیاں چھوڑ دیں۔

جلال نے جب فون پر مجھے یہ بتایا کہ ہمیں شام کے سات بجے بوب رافیل کو اپنے ساتھ لے کر اس عمارت میں پہنچنا ہے اور اسے وہاں آنے والوں دو امریکیوں کے سپرد کرکے لوٹ آنا ہے تو خود اسے بھی صحیح طرح علم نہیں تھا کہ اس ملاقات میں مزید کیا کچھ ہوسکتا ہے۔

بس اسے ایک بات کا پورا یقین تھا کہ امریکیوں کے ریکارڈ میں میری کوئی تصویر نہ ہونے اور میری ظاہری ہیئت میں ہونے والی بعض اختیاری تبدیلیوں کی وجہ سے اس بات کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا کہ آنے والوں میں سے کوئی مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچان سکے۔

ہم تینوں بوب کو لے کر مقررہ وقت پر وہاں پہنچے تو احاطے میں امریکا کے سفارتی نمبروں والی مخصوص رجسٹریشن پلیٹ کے ساتھ ایک جیپ پہلے سے موجود تھی جس میں دو مسلح محافظ نظر آرہے تھے۔

وہاں سے گزر کر کانفرنس روم میں داخل ہونے تک مجھے یہی

Downloaded from https://paksociety.com

دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں کسی وجہ سے مجھے پہچان نہ لیا جائے مگر غنیمت ہوا کہ تعارف کا مرحلہ خیر و خوبی سے گزر گیا۔

اس کے بعد مختصر سے اس اجلاس میں جو کچھ ہوا' میرے لیے وہ غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ دل خوش کن بھی تھا۔ ہم امریکیوں پر اپنا دباؤ آخری حد تک بڑھانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور وہ مرحلہ وار پسپا ہوتے ہوتے' آخر کار دیوار سے جا لگے تھے۔

اپنی خفت مٹانے کے لیے انہوں نے صدارتی فرمان کا جو ڈھکوسلا پیش کیا تھا' میرے لیے وہ ذرا بھی قابلِ اطمینان نہیں تھا۔ ہمارے لیے یہ معلوم کرنا ناممکنات میں سے تھا کہ بوب کو امریکا پہنچنے کے بعد بلکہ کمیٹی روم سے نکال لے جانے کے بعد کن نوازشات کا مژدہ سنایا جائے گا۔

بوب کی معافی اور حوصلہ افزائی کے خدشوں کے باوجود وہ پیش رفت میری توقع سے زیادہ اطمینان بخش تھی۔ ایک مرتبہ وہ مردود اپنے وطن پہنچ جاتا تو اس کے معاملے کی تشہیر کر کے پاکستان سیاسی سطح پر خاصی سرخ روئی حاصل کر سکتا تھا کیونکہ برطرفی کے فرمان میں امریکی صدر کی ڈھکی چھپی معذرت غیر معمولی بات تھی۔

میں ان خیالات میں الجھا رہا۔ آئی بی کے دونوں افسران بھی میرے اخذ کیے ہوئے نتائج سے متفق تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ جان اسمتھ کراچی کے قونصل خانے میں سی آئی اے مشن کا مقامی چیف تھا اور غالباً اسی کے ایما پر بوب نے اکرم الٰہی سے ملنے کے لیے اسلام آباد سے کراچی تک دوڑ لگائی تھی۔

میرے لیے اس انکشاف پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ خود بوب نے بھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ جان سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے اسے اس کی برطرفی کا فرمان سنا رہا تھا۔

اس مختصر اور کامیاب اجلاس کے بعد اسٹیشن فورمین میرے لیے فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں رہا تھا۔ ویسے بھی پچھلی رات سے اس وقت تک میں مسلسل بیداری اور بھاگ دوڑ سے دوچار رہا تھا اور آخری مرحلے سے نمٹ جانے کے بعد تکان نے پوری شدت سے میرے اعصاب پر حملہ کر دیا تھا۔ میرے ایما پر ان دونوں نے گاڑی کا رخ گلشن اقبال کی طرف کر لیا جہاں وہ تینوں میری واپسی کے منتظر تھے۔

راستے میں' میں نے جلال کو فون پر اپنی رپورٹ دی تو اس نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ جتانا ضروری سمجھا کہ بوب رافیل کی رہائی کے سمجھوتے کے بارے میں میری مایوسی اور ناامیدی غیر ضروری تھی۔

"اس وقت جو کچھ ہوا ہے اس پر تمہاری خوشی قابلِ فہم ہے۔" میں نے خوش دلی سے کہا "میں تمہارے اندازوں کی داد دیتا ہوں۔"

"تمہارے الفاظ سے کسی خفت کا اندازہ ہو رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ ہمارے موجودہ حریف اونٹ کی طرح کینہ پرور ہیں۔ ضرورت پڑنے پر گدھے کو بھی اپنا باپ بنا لیتے ہیں ورنہ ہر ایک کو آنکھیں دکھاتے پھرتے ہیں۔"

"گدھے کا نام عزت سے لو۔" جلال نے ہلکے سے قہقہے کے بعد کہا "گدھا ان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے انتخابی نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"یہ اپنی شکست کھلے دل سے قبول نہیں کرتے۔ اس وقت جھکے ہیں تو جلد ہی کہیں نہ کہیں اس کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔" میں نے اپنے شبے کا اظہار کر دیا "ہمیں اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"یہ لڑائیاں چلتی رہتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"فی الحال صرف اور صرف آرام۔" میں نے کسل مندی سے کہا "فریڈم انٹرنیشنل والے دونوں بدمعاش اب ہر حمایت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان پر کل کچھ کام کیا جائے گا۔"

"میں بھی ان ہی کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا کیونکہ بوب رافیل ان کی حمایت کرتے ہوئے مارا گیا ہے۔"

"یہ سب دکھاوا ہے۔ انہوں نے اسے بتا دیا ہو گا کہ اس کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔"

"وہ اسے کہیں بھی کھپا لیں لیکن اب وہ فارن سروس کیڈر میں نہیں آ سکے گا۔ ایک بار بدنامی یا ناکامی کا گہرا داغ لگ جانے کے بعد وہ دنیا کے کسی بھی ملک کے لیے قابلِ قبول نہیں رہے گا۔"

"اول خان کو بھی بتا دینا کہ اب تک یہاں کیا ہو چکا ہے۔ وہ فکر مند تھا۔"

"ہر ایک کی نظریں کراچی پر مرکوز تھیں۔ مجھے کئی اہم افراد کو یہ خبریں پہنچانی ہوں گی۔"

"اس پوری مشق میں مجھے ایک ذاتی فائدہ حاصل ہوا ہے۔ اگر سی آئی اے کا جان اسمتھ مجھے نہیں پہچان سکا تو غالباً اب کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکے گا۔"

"تمہیں سب سے زیادہ خطرہ شاید اوبرائن ڈی ہنٹ سے تھا۔ تمہارے خلاف اس نے منظم انداز میں کام کیا تھا۔" جلال نے اپنی معلومات کی روشنی میں مجھے ایک ذاتی فائدہ حاصل ہوا ہے۔ ظاہر کی "عملی طور پر تم اس فکر سے اسی وقت آزاد ہو گئے تھے جب وہ شیری کے قتل پر خوف زدہ ہو کر یہاں سے دہلی بھاگا تھا۔"

شیری کے نام پر میں ذرا سی دیر کے لیے سوچتا رہا پھر مجھے یاد آ گیا کہ وہ اوبرائن کی کتیا کا نام تھا جسے سلطان شاہ نے زہریلی گیس دے کر اوبرائن کے مقفل فلیٹ میں ہلاک کیا تھا۔

"اب اوبرائن بھی جہنم واصل ہو چکا ہے جہاں سے اس کی

Downloaded from https://paksociety.com

لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ کسی وقت اسے بھی دیکھا جائے گا۔"

"وہ کون ہے؟"

"ہماری قونصلیٹ کا میجر بخشی۔" میں نے اسے بتایا "میں کرنل جمال دستی کے نام سے اس سے روبہ رو مل چکا ہوں۔ بعد میں اسے شبہ ہو گیا تھا کہ کرنل جمال دستی اور ڈینی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے بتادیا۔ اب مشتبہ سفارت کاروں کی فہرست میں اس کا نام سب سے اوپر آجائے گا۔ بھارت نے نئی دہلی سے ہمارے کسی بھی سفارتی ملازم کو نکالا تو جوابی کارروائی کے طور پر سب سے پہلے میجر بخشی کو یہاں سے روانہ کیا جائے گا۔ آج کل ایسی کارروائیوں میں ذرا سی شدت آئی ہوئی ہے۔"

"فوری طور پر وہ میرے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسے خوش فہمی ہے کہ کرنل جمال دستی پاکستان چھوڑ کر آج کل مسقط کے کسی ہوٹل میں بیروں کی فوج سے کام لے رہا ہے۔"

"پھر بھی تمہارا اور اس کا آمنا سامنا ہوا تو اس کے اندیشے بیدار ہو جائیں گے۔" جلال اس وقت مجھ پر مہربان تھا "ہمارے لیے تمہاری سلامتی بہت اہم ہے۔ میں اس خطرے کو ذہن میں رکھوں گا۔"

وہ اپنے بڑوں سے رابطہ کر کے انہیں تازہ خبر سنانے کے لیے بے چین تھا اس لیے اس سے گفتگو کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں آئی بی والوں نے مجھے گھر پہنچا دیا۔ میرے بارے میں انہیں کچھ ایسی بریفنگ دی گئی تھی کہ میرے دوستانہ رویّے کے باوجود وہ ادب و احترام کی ایک حد سے تجاوز نہیں کر رہے تھے۔ میرے اصرار کے باوجود انہوں نے چائے نوشی سے معذرت کی اور واپس روانہ ہو گئے۔

میں گھر میں داخل ہوا تو ہر طرف اندھیرے کی چادر گہری ہو چکی تھی اور روشنیاں جل رہی تھیں۔

میرے لیے دروازہ کھولنے کا فرض سلطان شاہ نے انجام دیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے مجھ سے پہلا سوال ہی کیا تھا کہ میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

"تم میری آواز پہچان گئے نا؟ میں نیا بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے گفتگو کا آغاز عجیب انداز میں کیا گیا۔ اس کا لہجہ دبا دبا اور پُرجوش تھا۔

"پہچان گیا، تم کیسی ہو؟" میں نے راہ داری میں داخل ہوتے ہوئے روا روی میں پوچھا۔

غزالہ اور ویرا شاید بے چینی سے میری واپسی کی منتظر تھیں۔ میرے کان سے موبائل فون لگا دیکھ کر ویرا کا منہ بن گیا۔ میں ان دونوں کو ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"کل رات تمہاری وجہ سے مجھے اتنی مار کھانی پڑی کہ ابھی تک میری بوٹی بوٹی دکھ رہی ہے۔" میرے کانوں میں نیا کی میٹھی اور شکایتی آواز گونجی "مگر دیکھ لو کہ میں پھر بھی تمہیں فون کر رہی ہوں؟"

"کس نے مارا تمہیں؟" میں نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔ "اس وقت تم کہاں ہو؟"

میرے دوسرے سوال کو نظر انداز کر کے وہ بتانے لگی "مقبول کے بھاگنے کے بعد باجی نے اپنی دونوں بیٹیوں اور نوکر کے ساتھ مل کر گھونسوں اور لاتوں سے میرا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔"

"مگر کیوں؟ تمہارا قصور کیا تھا؟" مجھے وہ خبر سن کر نیا سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔

"میں نے تمہاری کہی ہوئی باتیں باجی کے سامنے مقبول کو بتادی تھیں۔ تم نے ٹھیک کہا تھا' وہ اس بری طرح گھبرایا کہ اسی وقت گھر سے چلا گیا اور باجی کو مجھ پر غصہ آگیا۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "ان کا خیال تھا کہ میں نے اپنی بے وقوفی سے ان کی ایک موٹی اسامی کو بھگا دیا..... یوں سمجھو کہ میں خدا کے گھر سے واپس لوٹی ہوں۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ نسرین ایسی بدمعاش عورت ہو گی ورنہ میں تمہیں کوئی اور ترکیب بتا دیتا۔"

"باجی کہہ رہی تھیں کہ مجھے وہ باتیں مقبول کے سامنے نہیں بتانی چاہیے تھیں۔ انہیں الگ بٹھا کر پوری کہانی سنا دیتی اور پھر وہ خود مقبول سے نمٹ لیتیں۔ رات کو غصے میں انہوں نے مجھے نوکری سے بھی نکال دیا۔"

"اچھا ہوا کہ تم گند سے نکل گئیں۔ گزارے کے لیے میں تمہیں کچھ رقم دے دوں گا۔ کوشش کرو کہ تمہیں کوئی دوسری نوکری مل جائے۔ بعض اوقات تکلیف کے پردے میں راحت اور عزت بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔"

"مجھے پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج کے اخبار میں مقبول والی اکارڈ کی خبر پڑھ کر باجی کا سارا غصہ اتر گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ مقبول چوری کی کار چلا رہا ہو گا۔"

"وہ خبر پڑھ کر تمہیں میرا بھی یقین آگیا ہو گا کہ میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔"

"میں نے تو تم پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کر لیا تھا.... یقین نہ ہوتا تو تمہارے کہنے پر کیوں چلتی؟"

"مجھے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ غلط راستوں پر پڑ جانے کے باوجود تم اندر سے ایک اچھی لڑکی ہو اسی لیے میں نے تم سے اپنے دل کی کچھ باتیں کر لی تھیں۔"

"اخبار پڑھ کر باجی دوپہر کو میرے گھر آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے معافی مانگ لی اور میں کسی نانے کے بغیر آج پھر ڈیوٹی پر ہوں مگر باجی کے گھر پر آرام کر رہی ہوں۔ فرصت تھی تو تمہیں فون کر لیا۔"

"خدا کا خوف کرو نیا۔ کسی نے سن لیا تو وہ مار مار کر تم سے میرا

Downloaded from https://paksociety.com

فون نمبر اگلوالیں گے۔"

"میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔ لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں ہیں۔ باجی نرگس کے ساتھ کسی گجراتی سیٹھ کی دعوت میں گئی ہوئی ہیں۔ میں بالکل اکیلی ہوں۔ ہماری باتیں کوئی نہیں سن سکتا۔"

"میری وجہ سے تمہیں مار کھانا پڑی۔ تم نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مجھے فون کرلیا۔ آئندہ کسی شدید ضرورت کے بغیر مجھے فون نہ کرنا۔ میرے ساتھ تم بھی مشکل میں پڑجاؤ گی۔"

فون پر اس کے ایک گہرے سانس کی آواز آئی پھر اس نے کہا۔ "تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تم مجھ سے شادی کرکے میرا دامن خوشیوں سے بھردو۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے نیا نے میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔ میں نے بوکھلا کر کہا "ہوش کی باتیں کرو نیا۔ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔ تمہارے دماغ میں یہ فتور کیوں پیدا ہورہا ہے۔"

"یہ فتور نہیں' دل کی مجبوری ہے ژالر نگ۔" نیا جذباتی ہونے لگی "کل پٹتے ہوئے میں تمہارے بارے میں سوچتی رہی تھی۔ رات کو تم خوابوں میں مجھے اپنے ساتھ لیے نہ جانے کہاں کہاں گھومتے رہے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ تم شادی شدہ ہو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم چار شادیاں کرسکتے ہو۔ میں دل کھول کر تمہاری پہلی بیوی کی خدمت کروں گی؟"

"تم پاگل ہوگئی ہو۔ تمہاری شادی کے بعد تمہاری ماں' تین بہنوں اور چھوٹے بھائی کا کیا بنے گا۔ تمہاری روزی کا سہارا ختم ہوتے ہی وہ دربدر ہوجائیں گے۔"

"تم ان فکروں میں نہ پڑو۔ میں نے سب سوچ لیا ہے۔" اس نے اپنی رو میں میری بات کاٹ دی "میں باجی کی الماری سے مقبول کی ساری دولت چرا کر اپنی ماں کے قدموں میں ڈال دوں گی۔ تم میرا ساتھ دو گے تو باجی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ میرا گھر آباد ہوجائے گا اور میری ماں بھی زندگی کی بہت سی خوشیاں دیکھ لے گی۔"

"مقبول کی دولت باجی کے پاس کہاں سے آگئی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"اس نے کافی دنوں سے ایک بند بریف کیس باجی کے پاس رکھوایا ہوا ہے۔ شاید اس میں وہی رقم ہے جو اس نے تم سے اور دوسروں سے ٹھگ لی تھی۔ باجی آج ہی کہہ رہی تھیں کہ وہ بس ہفتے عشرے تک مقبول کنگلے کا انتظار کریں گی پھر بریف کیس کا تالا توڑ کر اس کے سارے مال پر قبضہ کرلیں گی کیونکہ اس نے دھوکا دے کر ان کی بیٹی نرگس کا دل توڑا ہے۔ تم ہاں کردو تو میں الماری سے وہ بریف کیس ہی اڑالوں گی۔"

"اتنی لمبی باتیں کس سے ہورہی ہیں؟ کب فرصت ملے گی تمہیں؟" دروازے کی طرف سے ویرا کی اونچی آواز آئی۔

میں نے پلٹ کر اسے آنکھیں دکھائیں اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی آنکھیں نکال کر دھمکاتی ہوئی میری خواب گاہ میں گھس آئی۔

"یہ کس عورت کی آواز آئی تھی ابھی؟" نیا الٹا پوچھ رہی تھی "بہت تیز معلوم ہوتی ہے۔"

"بیوی تھی میری۔" میں نے اتنی آہستگی سے کہا کہ میرے الفاظ ویرا کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں پھر بات جاں لاگی "بہت بدمزاج اور تند خو عورت ہے۔ میری زندگی حرام کی ہوئی ہے۔"

"تم بالکل پروا نہ کرو۔" میرے الفاظ نے نیا کو ذرا بھی پریشان نہیں کیا۔ وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی "تحمل اور اخلاق سے کام لے کر میں اس کا دل موم کرلوں گی۔ تمہاری پریشانیاں بھی دور ہوجائیں گی۔"

"وہ کسی بھی وقت ادھر نکل آئے گی۔ تم مجھے اپنی باجی کا نمبر دے دو۔ میں پھر کسی وقت تم سے بات کروں گا۔"

"نہیں!" اس نے فوراً انکار کردیا "تم یہاں فون نہ کرنا۔ باجی شک میں پڑجائیں گی۔ میں کل بھی بدن میں درد کا بہانہ بناکر دھندے پر نہیں بیٹھوں گی۔ رات کو موقع دیکھ کر تمہیں فون کروں گی۔"

وہ عجیب خود سر لڑکی تھی۔ اپنے خوابوں کا گناہ میرے سر لادنے پر تلی ہوئی تھی۔ میرا دل چاہا کہ اسے سختی سے ڈانٹ کر اس کے سر سے شادی کا بھوت اتار دوں لیکن اس نے مقبول کی دولت کا ذکر کرکے میرے دل میں ایک شبہ پیدا کردیا تھا۔ اس کی تائید یا تردید ہونے تک میں نیا سے رابطہ برقرار رکھنے کا ہنگامی فیصلہ کرچکا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے "موقع ملے تو تم ہی فون کرلینا۔"

"موبائل فون اپنے پاس ہی رکھنا۔ تمہاری بیوی نے بات کی تو میں بولے بغیر فون بند کردوں گی۔" اس نے مجھے مشورہ دیا "تم سمجھ لینا کہ میں نے تمہیں فون کیا تھا۔"

"تمہیں اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اسے دلاسا دیا "کام کے سلسلے میں میرے پاس فون آتے رہتے ہیں۔ میرے بعض دوست شان جتانے کے لیے اپنی آپریٹر سے نمبر ملواتے ہیں۔ میری بیوی مجھے بلادے گی۔"

"نہیں' میں اس سے بات نہیں کروں گی۔" نیا مصر تھی "تم ان بیویوں کو نہیں جانتے۔ بات چیت تو دور کی بات ہے۔ بیویاں غیر عورت کی سانسوں سے ہی سب کچھ پڑھ لیتی ہیں۔ تمہاری بیوی کو وقت سے پہلے کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا تو وہ مجھے اس قابل ہی نہیں رہنے دے گی کہ میں تم سے شادی کرسکوں۔"

"اچھا بابا' جو تمہاری سمجھ میں آئے وہ کرنا مگر مجھ سے بات ضرور کرلینا۔"

میرے اصرار پر وہ خوش ہوگئی۔ "تم اتنے پیارے ہو... اتنے

Downloaded from https://paksociety.com

پیارے ہو کہ بس۔"

میں نے بٹن دبا کر وہ کال منقطع کردی۔

ویرا میرے پہلو میں کسی فوج دار کی طرح تنی کھڑی تھی۔ کال ختم ہوتے ہی اس نے آنکھیں نکال کر ترش لہجے میں سوال کیا "یہ کس سے اتنے لمبے راز و نیاز ہو رہے تھے؟"

"دنیا تمہاری ذات پر ختم نہیں ہو جاتی۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔"

"غزالہ کو یہ سن کر ذرا بھی خوشی نہیں ہوگی۔" اس نے مجھے دھمکی دی۔

"کوشش کرکے دیکھ لو۔ وہ میری خوشی میں خوش رہنے والی ایک معصوم اور فرماں بردار بیوی ہے۔ تمہاری باتوں میں نہیں آئے گی۔ اس نے آج تک تم سے کوئی شکوہ نہیں کیا تو کسی اور سے کیا کہے گی۔"

"یہ مت کہو' وہ بہت گھنی ہے۔ باتوں ہی باتوں میں بارہا زہریلے اشارے کنائے کر چکی ہے مگر میں ہمیشہ انجان بن کر اسے ٹال جاتی ہوں تاکہ گھر میں کوئی فساد کھڑا نہ ہو۔"

اسی وقت سلطان شاہ وہاں آپہنچا اور سرہلاتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولا "یہاں ویرا کے ساتھ خوش گپیاں ہو رہی ہیں اور ہم اس انتظار میں بیٹھے سوکھ رہے ہیں کہ تم فون پر اپنی بات ختم کرتے ہی ہمارے پاس آؤ گے۔ شرفا دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کیا کرتے۔"

"شرط یہ ہے کہ دوسرے بھی شرفا ہوں' تم جیسے نہ ہوں۔" ویرا بول پڑی۔

"تو کیا ہم لچے لفنگے اور بدمعاش ہیں؟" سلطان شاہ نے جل کر پوچھا۔

"یہ فیصلہ تم خود کرسکتے ہو کہ تم کیا ہو۔ میں نے ایسی کوئی ناروا بات نہیں کہی۔" ویرا اطمینان سے بولی۔

ان دونوں کی بحث کا فائدہ اٹھا کر میں خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ ڈرائنگ روم میں غزالہ اطمینان سے بیٹھی ٹیلی وژن پر پروگرام دیکھ رہی تھی۔ اسے میرے پاس آنے والی فون کال کی کوئی فکر تھی' نہ کمرے میں ویرا کے پہنچنے کا کوئی اندیشہ۔ اس کی بے نیازی پر میرا دل چاہا کہ اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں مگر ویرا اور سلطان شاہ کی قریب آتی ہوئی آوازوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لڑتے ہوئے باہر آرہے تھے۔

"کل سے آپ مسلسل مصروف ہیں' تھک گئے ہوں گے۔" غزالہ نے میری طرف محبت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا "جلدی سے نہا دھو کر کھانا کھالیں پھر آرام کی تیاری کریں۔"

میری حالت دیکھ کر اس نے اپنے تجسس کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اپنی آمد کے بعد کے واقعات کے بارے میں کچھ پوچھنے کے بجائے اسے میرے آرام کی فکر ہو گئی تھی۔

"تم اسٹیشن فور سے بوب رائیل کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے تھے۔ اتنی کہانی ہم نے ویرا سے سن لی ہے۔ یہ بتاؤ کہ آگے کیا ہوا؟" سلطان شاہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہونا کیا تھا؟" پروگرام کے مطابق دو امریکی افسر وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ بوب کو ان کے حوالے کرکے ہم تینوں واپس چلے آئے۔ یہ سب ویرا کی موجودگی میں طے ہو چکا تھا۔"

"اس کے سوا کچھ نہیں ہوا؟" ویرا نے حیرت اور مایوسی سے سوال کیا۔

"کچھ اور ہونے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ تم خود بتاؤ کہ وہاں اور کیا ہو سکتا تھا۔"

"تم خود کو اوّل درجے کا باتونی اور باریک بین سمجھتے ہو۔ تمہاری اور ان کی باتیں بھی ہوئی ہوں گی۔ ان میں کوئی کام کی بات بھی سامنے آسکتی تھی۔"

"وہ دونوں اناڑی نہیں تھے۔ اپنا آدمی واپس لینے کے لیے امریکیوں نے اپنے خراٹ افسر بھیجے تھے۔ وہ ضرورت سے زیادہ بات کرنے سے گریز کر رہے تھے اس لیے ہم واپس آگئے۔"

"میں نہیں مان سکتی۔" ویرا نے اپنی گردن جھٹک کر کہا "تم کوئی بات چھپا رہے ہو؟"

میں کچھ دیر تک۔۔۔ ان دونوں کو زچ کرتا رہا پھر انہیں پوری

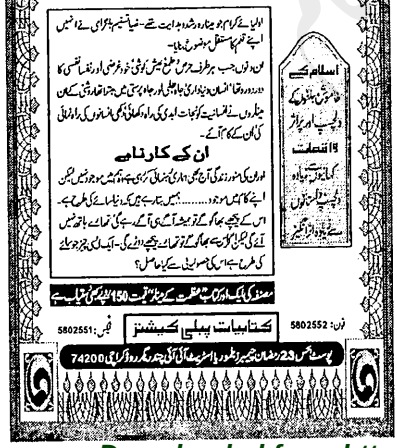

Downloaded from https://paksociety.com

بات بتادی۔ میں خود بھی تھکا ہوا تھا۔ ان دونوں کی تفتیش سے فارغ ہو کر جلد از جلد غزالہ کے مشوروں پر عمل کرنا چاہتا تھا۔

بوب رافیل کی برطرفی کی خبر میری طرح ان کے لیے بھی اطمینان بخش تھی۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں کہ جو کچھ ہوا' وہ بہت آبرومندانہ انداز میں ہوا تھا۔

"تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ فون پر تم کس سے باتیں کر رہے تھے؟" وہ موضوع سمیٹتے ہی ویرا نے ایک مرتبہ پھر موبائل فون پر آنے والی نیا کی کال کا ذکر نکال دیا۔

غزالہ کو شاید ویرا کا تحکمانہ لہجہ پسند نہیں آیا۔ اس نے سنجیدگی سے کہا "چھوڑو ویرا۔ یہ نہیں بتانا چاہتے تو تم کیوں اصرار کر رہی ہو۔ ایک ساتھ رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ایک دوسرے پر مسلط رہیں۔"

"الفاظ میری سمجھ میں نہیں آئے مگر نسوانی آواز میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ کر کہا "کیا اب بھی تم اپنی رائے پر قائم رہو گی؟"

ویرا کے انکشاف پر غزالہ کے چہرے کے تاثرات میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ وہ سکون سے بولی "ہو سکتا ہے کہ نیا نے فون کیا ہو۔ یہ کل اسے اپنا فون نمبر دے آئے تھے۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو۔"

"اسی کا فون تھا۔" میں نے فاتحانہ لہجے میں کہا اور ویرا اپنی جگہ پر بل کھا کر رہ گئی "وہ کام کی لڑکی ہے اس لیے میں اسے وقت دے رہا ہوں۔ وہ کسی وقت ہمارے کام آسکتی ہے۔"

"اپنی بات کرو۔ سب کو نہ لپیٹو۔" ویرا نے کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے کی کوشش کی "ایسی آوارہ اور پیشہ ور لڑکی تمہارے ہی کام آسکتی ہے۔ ہم میں سے کسی کو اس سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"آج کے دن کی کامیابیوں کو تلخی سے برباد نہ کرو۔" غزالہ کا بگڑتا ہوا موڈ دیکھ کر سلطان شاہ نے اعلان کیا "جب تک ڈیٹی نما دھوکر نکلے' کھانے کی میز تیار ہو جانی چاہیے۔"

غزالہ فوراً ہی اٹھ کر کچن کی طرف چل دی۔ معمول کے برعکس ویرا نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

"تم بیٹھی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ کچن میں جا کر غزالہ کا ہاتھ بٹاؤ۔" سلطان شاہ نے اسے شرم دلائی۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ چند ثانیوں کے لیے ملتوی کر دیا تاکہ نئی بحث کا انجام دیکھ سکوں۔

"کبھی کبھی تم بھی گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹایا کرو۔" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ہم سے زیادہ کھاتے ہو تو اتنا کام بھی کیا کرو۔ عورتیں تمہاری زر خرید غلام نہیں ہیں۔"

"عورتوں کے کام عورتوں کو ہی زیب دیتے ہیں۔ چلو شاباش' جلدی سے کچن میں جاؤ۔"

"تم بہت حرام خور ہو گئے ہو۔" ویرا ملامت بھرے لہجے میں بولی "تم جیسے مردوں کو کسی مال بردار جہاز کے کارگو ہولڈ میں ٹھونس کر دو چار مہینوں کے لیے یورپ یا امریکا کے کسی شہر میں ڈال دیا جائے تو اپنے کام کر

جائے گی۔ وہاں ہر شخص اپنا کام خود کرتا ہے۔"

"کبھی کبھی میں اپنا ہی نہیں' تمہارا کام بھی کر دیتا ہوں۔" سلطان شاہ نے بے پروائی سے کہا "یہ جلے کٹے طعنے تم ڈیٹی کو سناؤ۔ اس شخص نے آج تک پانی کا گلاس بھی خود سے نہیں لیا۔"

سلطان شاہ نے اپنی بلا میرے سر ٹالنے کی کوشش کی تھی جو رائیگاں گئی۔

ویرا منہ بنا کے کہہ رہی تھی "پانی کے گلاس تم کو ہی مبارک ہوں۔ ہم اسکاچ والے لوگ ہیں۔ اپنا گلاس لبریز ہو تو اتنی احتیاط سے اٹھاتے ہیں کہ ایک بوند بھی نہیں چھلکنے پاتی۔"

"لاحول ولا قوۃ" سلطان شاہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا "مجھے معلوم تھا کہ کھانے سے پہلے تم کسی نہ کسی بہانے سے ایک دو گلاس ضرور چڑھاؤ گی۔ اسٹیشن فور سے یہاں آتے ہی تمہاری پرانی عادتیں دوبارہ ابھر رہی ہیں۔"

ویرا نے مزید جلانے کے لیے اسے آنکھ ماری اور مسکراتے ہوئے بولی "وہ سنگلاخ ویرانہ تھا' یہ گلشن ہے۔ یہاں عربی' عجمی اور افریقی طالب علموں کی سہولت کے لیے بہت سی دکانوں سے شراب مل جاتی ہے تو میں اس سہولت سے فیض کیوں نہ اٹھاؤں؟ میں تمہاری طرح کفران نعمت نہیں کرتی۔"

سلطان شاہ اسے کوئی جواب دیے بغیر ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا۔

"تم جلدی سے نہا کر آجاؤ۔ میں تمہارے لیے بھی ایک تگڑا گلاس بنا کر لا رہی ہوں۔ تمہاری ساری تکان اتر جائے گی۔" ویرا نے مجھ سے کہا "کل تم نے نیا پر محنت کی اور آج بھی سارا دن مصروف رہے ہو۔ تھک گئے ہو گے۔"

میری تکان کا خیال اسے بھی آیا مگر دیر سے آیا۔ شاید اس لیے کہ وہ میری بیوی نہیں تھی!

وہ مے نوشی کے ارادے سے اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ میں نہانے کے لیے اپنی خواب گاہ سے ملحق باتھ روم میں گھس گیا۔ نیم گرم اور پھر ٹھنڈے پانی کے تیز شاور نے ذرا سی دیر میں میری طبیعت تازہ کر دی۔ بدن پر پانی پڑا تو اشتہا کی خواہش جاگ اٹھی۔ مجھے یاد آیا کہ ہم نے وہ سارا دن محض چائے وغیرہ پر گزارہ کیا تھا۔ اسٹیشن فور پر سارا دن کچھ ایسے حالات رہے کہ ہم میں سے کسی کو دوپہر کے کھانے کا دھیان تک نہیں آیا تھا۔

میں غسل مختصر کر کے باہر نکل آیا۔ کمرے سے نکل کر میں نے کچن میں جھانکا تو غزالہ روٹیاں پکا رہی تھی۔ سلطان شاہ مقدور بھر اس کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ویرا نے اس وقت کچن میں جانے سے انکار کر دیا تھا اس لیے غزالہ پر کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا اور کھانا لگنے میں تاخیر ہونے کے روشن امکانات نظر آرہے تھے۔

میں ڈرائنگ روم میں پہنچا تو ویرا صوفے پر نیم دراز' سگریٹ کا کش [illegible] تھی۔ سامنے میز پر مونڈ دار دونوں شفاف

Downloaded from https://paksociety.com

گلاسوں میں موجود سیال کا رنگ خطرناک حد تک گہرا تھا۔

ایک گلاس لبریز تھا' دوسرا نصف رہ گیا تھا۔ ویرا نے خاصی بے صبری سے مے نوشی کی ابتدا کی تھی۔

"کیا نیٹ ہی بھرلائی ہو؟" میں نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"فنٹی فنٹی' یعنی نیما نیم ہے۔" وہ میری آنکھوں میں جھانک کر مسکرائی "اسکاچ میں برابر کا ٹھنڈا یخ پانی ملایا ہے۔ تیزی سے پیو گے تو نیما والا سرور تازہ ہو جائے گا۔"

"اب وہ مجبور لڑکی نہ جانے کب تک تمہارے ذہن پر سوار رہے گی۔" میں نے ترحم آمیز لہجے میں کہا۔

"دیکھو ڈینی! تم میرے شوہر نہیں' دوست ہو۔ سمجھے؟" اس نے آگے جھک کر تیز لہجے میں سرگوشی کی "میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں... تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ میرے سامنے تمہارے جھوٹ نہیں چل سکتے۔ سچ سچ بتاؤ کہ کل اسے اس کے اڈے سے نکال کر کہاں لے گئے تھے؟"

"صرف ساحلِ سمندر تک۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا "ہم کہیں بھی گاڑی سے نہیں اترے۔ نسرین کے گھر سے ساحل اور پھر واپس۔"

ویرا کچھ کہے بغیر چند ثانیوں تک میری آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر اس نے اپنا گلاس اٹھالیا "گلاس اٹھاؤ... یہ پہلا لمبا جام تمہاری نیما کے نام ہوگا۔"

"میں نے شراب نوشی ترک کردی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔

"ہائیں!" ویرا کی آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیل گئیں۔ "کیا میں تمہارے دعوے پر اعتبار کرلوں؟"

"گلاس سامنے ہے اور میں تمہیں پیتے ہوئے دیکھوں گا۔ میرے دعوے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا؟"

"مگر کیوں؟ تم نے اتنا بڑا فیصلہ اتنی خاموشی سے کب اور کیسے کرلیا۔"

"بڑے فیصلے خاموشی سے اور اچانک ہی کیے جاتے ہیں۔" میں نے اسے سنجیدگی سے جواب دیا "اپنا گلاس ختم کرکے میرا گلاس بھی تم ہی پی لینا۔ اپنے کمرے کا ایک چکر لگانے سے بچ جاؤ گی۔"

میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ میرے اس فیصلے کا محرک کیا تھا۔

میرے انکار پر ویرا اپنے گلاس کو لبوں تک لے جانا بھول بیٹھی تھی۔ اس نے پوچھا "ایسا تو نہیں کہ تم نے میرے ساتھ بیٹھ کر پینے سے توبہ کی ہو۔ غزالہ ہماری ایسی بیٹھکوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی۔"

"میرے اس فیصلے کا غزالہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا فیصلہ ہے۔ کہیں بھی میرے ہاتھ میں شراب دیکھ لو تو تم میرا ہاتھ توڑ دینا۔ نہیں پیٹی تو پھر کہیں بھی نہیں پینی۔"

"شاید تمہیں اپنے اوپر اعتماد نہیں رہا۔ ڈرتے ہو کہ کہیں زیادہ پی کر بہک نہ جاؤ۔" اس نے ٹٹولنے والے انداز میں کہا۔

"تم جو چاہو' سمجھ سکتی ہو۔ میں کوئی صفائی پیش نہیں کروں گا۔" بات کرتے کرتے میری نظر اس کے گلاس پر پڑی اور میں نے بے ساختہ اسے ٹوک دیا "دیکھو' تمہارا گلاس ٹیڑھا ہو رہا ہے۔ اسکاچ گرنے والی ہے۔"

اس نے چونک کر اپنا ہاتھ سیدھا کیا۔ گلاس اوپر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ہونٹوں سے لگالیا۔

تیز اسکاچ کا بقیہ نصف گلاس ایک ہی سانس میں خالی کرکے اس نے میز پر رکھا تو اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیرنے لگی تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ تیز اسکاچ کا لمبا گھونٹ لیا جائے تو حلق سے معدے تک آگ کی ایک لکیر سی تیرتی چلی جاتی ہے اور اس لذت انگیز سوزش سے آنکھوں میں خود بہ خود آنسو آجاتے ہیں۔

ویرا چند ثانیوں تک خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتی رہی پھر دوبارہ بھولے ہوئے موضوع پر آگئی "تو تم نیما کو صرف ساحلِ سمندر تک لے گئے تھے۔"

"تم بلاوجہ اس بات پر اپنا سر کھپا رہی ہو۔ میں تم سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

"پھر آج اس نے تمہیں کیوں فون کیا تھا؟" ویرا نے دوسرا' بھرا ہوا گلاس اپنے سامنے سرکالیا۔

"اس وقت کافی الکحل تمہارے معدے میں اتر چکی ہے اس لیے مجھے زبان کھولنی ہی پڑے گی۔" میں نے پہلو بدل کر کہا "کل وہ

الجھن

پوچھا ایک کسان کے بیٹے نے دوسرے کسان کے بیٹے سے "تمہارے ابا آج کل بڑی الجھن میں دکھائی دیتے ہیں۔ بات کیا ہے؟"

دراصل ان کے پاس پچیس ہزار روپے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان سے بھینس خریدیں یا سیکنڈ ہینڈ اسکوٹر۔ ان پیسوں میں صرف ایک ہی چیز آسکتی ہے۔"

"بھئی اسکوٹر خرید لیں تو بہتر ہے۔ اگر وہ بھینس پر بیٹھ کر سفر کریں گے تو لوگ ہنسیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے... لیکن انہوں نے اسکوٹر سے دودھ دوہنے کی کوشش کی تو لوگ اس سے بھی زیادہ ہنسیں گے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

مقبول کو خوف زدہ کرکے بھگانے پر تلی تھی۔ آج مسروقہ اکارڈ کی خبر اخبار میں پڑھنے کے بعد اس کی مالکن یا نائکا نے اسے معاف کردیا۔ یہ باتیں وہ میرے علم میں لانا چاہتی تھی۔"

"تمہاری گفتگو اس سے جان چھڑانے والی نہیں تھی۔ تم فون کرنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کررہے تھے بلکہ اس کا نمبر لے کر خود اس سے رابطہ برقرار رکھنے کے خواہاں تھے۔ تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"

میں ویرا کو اس کے سوال کا مسکت جواب دے سکتا تھا مگر میں اس موضوع پر زبان کھولنے سے گریز کررہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "وہ بھی جان چھڑانے کی کوشش تھی۔ کیا تم مجھے اتنا ہی گیا گزرا سمجھتی ہو کہ جو عورت چند سکوں کے مول ہر وقت حاصل کی جاسکتی ہے' اس کے لیے میں اپنا وقت برباد کرتا پھروں گا۔"

"اس وقت میں تمہارے بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ شراب تمہارے خون میں رچی ہوئی تھی۔ آج تم نے اچانک اسے ترک کردیا۔ راجر بروک کی زبان سے بنیاد پرست کا لفظ سن کر تم یکایک بھڑک اٹھے تھے۔ میرے لیے یہ باتیں کسی خاص سمت کی نشان دہی کررہی ہیں۔ ایسی حالت میں تم کوئی بھی فیصلہ کرسکتے ہو۔"

"حالت!" میں بے ساختہ ہنس پڑا "تم کس حالت کی بات کررہی ہو؟ کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میرا دماغ چل گیا ہے' میں پاگل ہوگیا ہوں۔"

"جہاں بات ہورہی ہے' اسے وہیں رہنے دو۔" اس نے دوسرے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "اسے اتنا آگے مت لے جاؤ۔ مجھے تم اس وقت کسی خاص رو کے زیر اثر آئے ہوئے نظر آرہے ہو۔"

میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر ویرا کی طرف دیکھا۔ وہ پوری طرح سنجیدہ تھی۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' میرے لیے دلچسپ لیکن ذرا غیر واضح تھا۔ میں نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میں پوری طرح ہوش وحواس میں ہوں۔ تمہیں سینگ نہیں ماروں گا۔ تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو' ذرا کھل کر کہو۔"

اسی وقت سلطان شاہ نے ڈائننگ ٹیبل پر چمچے سے ایک پلیٹ کو بجانا شروع کردیا۔ وہ اس کی طرف سے میز تیار ہونے کا اعلان تھا۔

"اپنی یہ بے تکی موسیقی بند کرو۔" ویرا نے گلاس سے مزید ایک گھونٹ لے کر کہا "ہم بہرے نہیں ہیں۔ ایک منٹ میں میز پر آرہے ہیں۔"

"آجاؤ۔" وہ اپنا گلاس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی "اچھا ہے کہ اس گفتگو میں سب شامل ہوجائیں ورنہ بعد میں ہر ایک کو الگ الگ پوری بات بتانے میں میرا دماغ خالی ہوجائے گا۔"

"تمہاری باتوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہ پہلے ہی خالی ہوچکا ہے۔" میں نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی "مگر پھر بھی میں تمہارے نادر خیالات سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں۔"

کچن کے معاملات میں اس وقت ویرا کے عدم تعاون کے اثرات زائل کرنے کے لیے سلطان شاہ نے پوری طرح غزالہ کا ہاتھ بٹایا تھا۔ وہ دونوں میز لگائے ہمارے منتظر تھے۔ ویرا نے وہاں پہنچتے ہی تعریفی نظروں سے میز کا جائزہ لیا اور سلطان شاہ کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے بولی "شاباش! اسی طرح غزالہ کا ہاتھ بٹاتے رہا کرو تاکہ مجھے سکھ کا سانس لینے کا موقع مل سکے۔ چند دنوں میں خاصے گھڑ ہوجاؤ گے۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ مجھے وقت پر ناشتا اور کھانا تیار نہیں ملا تو میں بلا تکلف ہوٹل بازی شروع کردوں گا۔"

"ہونہہ!" ویرا نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا اور کہا "اس وقت کڑوی باتیں مت کرو۔ تمہیں جشن منانا چاہیے کہ ڈینی نے شراب نوشی ترک کردی ہے۔"

ان دونوں کے لیے وہ واقعی بڑی خبر تھی۔ ان کی تحیر زدہ نگاہیں میری طرف اٹھیں۔ ویرا کے برعکس میرے دونوں ہاتھ خالی تھے۔ غزالہ کی آنکھوں میں محبت' اپنائیت اور فخر سے ملی جلی چمک تیرنے لگی۔

"کیا ویرا واقعی سچ کہہ رہی ہے؟" سلطان شاہ نے تحیر زدہ لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

"ہاں!" مجھ سے پہلے ویرا بول پڑی "مگر یہ اتنی زیادہ خوشی کی بات نہیں ہے۔ راجر بروک نے بنیاد پرستی کا طعنہ دے کر ڈینی کے ذہن میں دبی ہوئی کسی چنگاری کو ہوا دے دی ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈینی نے شراب چھوڑ دی اور اب شاید گندے بازار کی دلدل میں پھنسی ہوئی ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دے کر ایک اور نیکی کمانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ نیا کو اپنا گھر اور اپنا شوہر مل جائے گا' ڈینی کا ضمیر مطمئن بلکہ کچھ زیادہ ہی مطمئن ہوجائے گا..."

اس وقت ویرا اسکاچ کے زیر اثر کچھ زیادہ ہی بول رہی تھی۔ اس نے کئی باتوں کو غیر ضروری طور پر یک جا کرکے اپنے طور پر ایک کہانی بنالی تھی جس کی تردید ضروری ہوگئی تھی۔

میں نے درمیان سے ہی اس کی بات کاٹ دی اور کہا "نیا تمہارے اعصاب پر چھائی ہوئی ہے حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ وہ فورڈ فاؤنڈیشن کے خلاف بنائی ہوئی' اکرم الٰہی کی فائل تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے۔"

ویرا حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی جیسے یکایک میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

گی۔ غیر متوقع طور پر ہمارا یہ مشن نہایت آسان ثابت ہوا۔ رستم نے بیرا کے محاصرے کے بعد اپنے نواسے سمیت خودکشی کرلی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرالیا گیا۔ تفتیش کے دوران میں اس نے انکشاف کیا کہ رستم نے اسے موساد میں شامل کرایا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے اخبار کے ذریعے اطلاع ملی کہ رابن ہامی امریکی یہودی موہنی پنڈت سے ملنے اس کے گھر آرہا ہے۔ رابن، پنڈت اور رستم پر برہم تھا۔ اس نے منوہر لال کی خواب گاہ میں موہنی پنڈت کو گولی مار کر ہلاک کردیا مگر خود میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگیا۔ پنڈت منوہر لال کو اسلام آباد منتقل کردیا گیا۔ اس کی خواہش کے احترام میں موہنی پنڈت کی آخری رسومات وہیں پنڈت کی موجودگی میں ادا کی گئیں۔ وہ کچھ بولنے پر آمادہ نہیں تھا اس لیے مجھے اور اول خان کو اسلام آباد طلب کیا گیا۔ ایر پورٹ پر اطلاع ملی کہ موہنی پنڈت کی لاش کی اسلام آباد روانگی کے بعد سے ائرپورٹ پر چند مشکوک افراد کراچی سے جانے والے مسافروں پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ میں رابن ہائز کے زندہ بچ جانے اور اس سے بھیانک انتقام کے فرضی دعوے پر پنڈت کی زبان پر لگے قفل کو کھلوانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے انکشاف کیا کہ رستم پاکستان میں رہ کر اور دیگر جرائم کے علاوہ ایران کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا۔ اسی اثنا میں ہمارے علم میں آیا کہ رستم کی خودکشی کے حوالے سے ایک نام نہاد بین الاقوامی تنظیم فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں اقلیتوں کے انسانی حقوق کی پامالی کا واویلا مچا رہی ہے۔ اسلام آباد میں ہمیں کراچی سے خبر ملی کہ

.... ایر پورٹ پر مشکوک افراد کا تعلق داؤد سے تھا۔ [illegible] کی پرچیوں کے علاوہ چھوٹے بڑے جرائم بھی کرتا تھا۔ ہماری اسلام آباد سے واپسی تک داؤد کا اسٹیشن فور پہنچایا جاچکا تھا۔ ٹشو کے بعد اس نے بتایا کہ اسے ٹیلی فون پر ایک نامعلوم شخص نے پہلے موہنی پنڈت کی لاش اور پھر ایر پورٹ کی نگرانی کرنے کا کام پچاس ہزار روپے کے عوض سونپا تھا۔ داؤد اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی رہائی سے بہت خوف زدہ تھا' اسے ڈر تھا کہ وہ مارا جائے گا۔ اول خان نے بتایا کہ ایجنسیوں نے فریڈم انٹرنیشنل کو کلیرنس دے دی ہے۔ ٹیلی فون ڈپارٹمنٹ میں اول خان کے دوست کے ذریعے ہمیں داؤد کو موصول ہونے والی کالوں کے ریکارڈ سے مائیکرو آفوز کا علم ہوا۔ اپنے بارے میں داؤد کا خدشہ درست ثابت ہوا اور وہ ہم سے رہائی حاصل کرنے کے ۲۴ گھنٹوں کے اندر مارا ڈالا گیا۔ اسی دوران میں انکشاف ہوا کہ مائیکرو آفوز اور فریڈم انٹرنیشنل ڈیفنس کے علاقے میں ایک ہی عمارت میں واقع ہیں۔ داؤد کے قتل کے بعد اس عمارت پر کامیاب کارروائی کی گئی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر پہنچ گیا۔ عمارت سے ہمیں اس کا ماموں اکرم الٰہی ہاتھ آگیا۔ وہ اپنے بھانجے سے سخت نالاں تھا۔ میں اپنی ایک کوشش کے ذریعے مقبول چوہدری کو اس کے بل سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے اسٹیشن فور منتقل کردیا گیا۔ اکرم الٰہی کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگائی جاچکی تھی جس کے ذریعے ہمیں علم ہوا کہ مقبول چوہدری پر برسنے والی افتاد کے بعد ایک امریکی سفارت کار اس سے ملاقات کرنے اسلام آباد سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی جاری تھی۔ ہم اسے اس امریکی سفارت کار کے ساتھ قابو کرنا چاہتے تھے اور اس مقصد کے لیے ہوٹل میں موجود لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہم غلطی کر چکے ہیں۔ ملبے میں نمایاں تبدیلی کی وجہ سے ہم اسے نہیں پہچان سکے تھے جبکہ وہ ہمیں دور سے شناخت کرسکتا تھا۔ حسب توقع وہ ریستوران میں بوب رائفل کے ساتھ موجود تھا۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی۔ مگر ویرا کی بروقت آمد کی وجہ سے وہ ہمارے قابو میں آگیا۔ ہوٹل میں بوب رائفل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی پی والوں سے رابطہ کیا' اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور بوب رائفل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہوکر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بظاہر انسداد ہیروئن کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کرکے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کی فائل اس کے قبضے میں تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کرلیا تھا۔ ہمارے لیے اس فائل کا حصول بہت ضروری تھا۔ مجھے نیا نے بتایا کہ مقبول چوہدری نے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں ایک بریف کیس رکھوایا تھا اور اس کی حفاظت کی تاکید کی تھی میں نے یہ بتا کر کہ نیا اکرم الٰہی کی مرتب کردہ فائل تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے سب کو حیران کردیا۔ ویرا حیرت سے منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی جیسے یکایک میرے سر پر سینگ اگ آئے ہوں۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

"اکرم الٰہی کی فائل سے نیا کا کیا تعلق نکل آیا؟" ویرا نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"مجھے اس سے بلاوجہ باتیں کرنے کا شوق نہیں تھا۔" میں نے ہلکے سے طنز سے کہا "وہ لاعلمی میں کچھ کارآمد باتوں کی نشاندہی کر بیٹھی تھی۔ میں اس سے ہونے والی گفتگو کو طول دینے پر مجبور ہوگیا تھا۔"

"پھر تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟" ویرا نے سوال کیا "ہوسکتا ہے کہ کل اسے تم سے بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ اس وقت وہ روانی میں تمہیں بہت کچھ بتا سکتی تھی۔"

"وہ ضرور بتاتی اور میرا ارادہ بھی یہی تھا کہ اس سے ہر بات اگلوالوں مگر تم ایک مصیبت بن کر میرے سر پر مسلط ہوچکی تھیں۔ تمہاری کسی بے جا مداخلت سے وہ بھڑک جاتی تو اسے سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ اس الجھن سے بچنے کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ میں اس سے گفتگو مختصر کردوں۔"

"تمہاری باتوں سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے تم اس سے رومانس لڑا رہے ہو۔" ویرا نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا

"اپنے لب ولہجے سے تم اس پر فدا ہوئے جارہے تھے۔"

میں نے بے بسی سے غزالہ کی طرف دیکھ کر ایک گہرا سانس لیا اور مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "اگر یہ کسی لڑکی سے عشق لڑا رہے تھے تو مجھے فکر مند ہونا چاہیے۔ تمہیں کیا پریشانی تھی؟"

"اگر تم نے ڈینی کو بالکل ہی بے لگام چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو مجھے ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈینی پورے شہر میں عشق لڑاتا پھرے' میں اسے بالکل نہیں روکوں گی۔"

"حالات کی ستائی ہوئی لڑکیاں باہر سے بہت خود غرض اور شاید سنگ دل نظر آتی ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں مداخلت کرکے ان دونوں کو خاموش کردیا۔ "لیکن اندر سے وہ بہت حساس ہوتی ہیں۔ کسی پر ذرا بھی بھروسا ہوجائے تو اس کو اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھتی ہیں۔ یہی حال نیا کا بھی ہے۔..."

"یعنی وہ تمہیں اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر تائید طلب لہجے میں استفسار کیا۔

میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی "تم شروع ہی

Downloaded from https://paksociety.com

سے میری اور اس کی ملاقات کے بارے میں بدگمانیوں میں مبتلا تھیں لیکن یقین کرو کہ ہم گاڑی میں ساحل تک گئے اور واپس آئے تھے۔ میں نے نسرین کو پوری رقم ادا کی تھی مگر نیا کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اسی بات نے اس کا دل موہ لیا تھا۔"

"اور تم نے اس کی توقعات پر پورا اترنے کی کوششیں شروع کردیں۔" ویرا نے لقمہ دیا۔

"بار بار دخل اندازی مت کرو۔" میں نے ناگواری سے کہا۔ "ایک مرتبہ پوری بات سن لو پھر جو کچھ کہنا چاہتی ہو' اطمینان سے کہتی چلی جانا' میں بالکل نہیں بولوں گا۔"

"اس بارے میں تمہارا اعتراف ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ کہہ ڈالو' میں سن رہی ہوں۔"

"یہ اعتراف نہیں' حقیقت ہے کہ وہ مجھ سے کچھ عجیب سی توقعات وابستہ کر بیٹھی ہے جن کا پورا ہونا ناممکنات میں سے ہے۔" میں نے بات شروع کی "مگر اس نے ایک ایسے بریف کیس کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا جو مقبول چوہدری نے کچھ دن پہلے نسرین کے پاس رکھوایا تھا۔"

"اس بریف کیس میں کیا ہے؟" میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی سلطان شاہ بول پڑا۔

میں مسکرا کر رہ گیا "وہی بتانے جارہا ہوں۔ نیا کا خیال ہے کہ اس بریف کیس میں مقبول کی بھاری دولت ہوگی۔ مجھے شبہ ہے کہ اس میں وہی کاغذات ہیں جو اکرم الٰہی نے فورڈ فاؤنڈیشن کی مشتبہ سرگرمیوں کے بارے میں یک جا کیے تھے۔ اپنے ماموں کو قیدی بنانے کے ساتھ ہی مقبول نے ان کاغذوں پر بھی قبضہ کرلیا ہوگا۔"

"اور تم اس بریف کیس پر قبضہ کرنے کے لیے نیا کو استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"مجھے نیا کی ذات میں اس سے زیادہ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے اقرار کیا۔

"شرم کی بات ہے۔" ویرا نے یکایک ہی اپنی کینچلی بدل لی "تم اس کے جذبات سے کھیل کر اپنا آلۂ کار بنانا چاہ رہے ہو۔ تمہارا ضمیر اس فعل پر تمہیں ملامت نہیں کرے گا؟"

"میں اپنی کسی ذاتی غرض کے حصول کے لیے اسے دھوکا دیتا تو میرا ضمیر مجھے ضرور ملامت کرتا۔ وہ ایک پیشہ ور لڑکی ہے۔ نسرین کے ایما پر اب تک نہ جانے کتنے مردوں کو فریب دے چکی ہے۔ اگر میں ایک عظیم تر اور قومی مقصد کے لیے اسے استعمال کرلوں گا تو مجھے ذرا بھی ملال نہیں ہوگا۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وقت نے تمہیں اتنا سفاک بنادیا ہوگا۔" ویرا منہ بنا کے بولی۔

"اپنے اندازے کی غلطی پر ڈینی کو الزام نہ دو۔"

سلطان شاہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا "تمہارا خیال تھا کہ ڈینی اس لڑکی سے سادی کے لیے پر تول رہا ہے۔"

"تم خود سن چکے ہو۔" ویرا نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی "ڈینی کی نیّت جو بھی رہی ہو' یہ نیا سے فون پر بہت والہانہ انداز میں باتیں کررہا تھا۔"

"اور کچھ نہیں' یہ ذہنیت کا فتور ہے۔" سلطان شاہ غزالہ سے مخاطب ہوکر کہا "آدمی کے اپنے دماغ میں گند بھرا ہوا ہو تو وہ دوسرے کو بھی گندہ سمجھتا ہے۔"

غزالہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی "اس بات کو اب یہیں ختم کردو۔"

"ابھی تو بات ڈالی ہی نہیں گئی تھی۔ ویرا چاہے تو میں زبان بند کیے لیتا ہوں۔"

"میں آج پیش گوئی کررہی ہوں کہ تمہارا حشر بیا۔ کوّے جیسا ہوگا۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے جواب "تم چاہو یا نہ چاہو' تمہارے پلّے نیا جیسی کوئی آوارہ لڑکی پڑے گی۔"

"دوسروں کے بارے میں رائے زنی کرنے سے پہ آدمی کو اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہیے۔" سلطان ش نے بے پروائی سے کہا "آج کل کی آزادیوں میں سب کچھ چوپٹ ہوکر رہ گیا ہے۔"

سلطان شاہ کا وہ وار خاصا برمحل اور کاری ثابت ہوا ویرا اس کے جواب میں فوری طور پر ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی اور غزالہ کو وہ ناخوش گوار موضوع تبدیل کرنے کا سنہرا مو ہاتھ آگیا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مقبول کے بریف کیس میں اکرم الٰہی کے کاغذات ہوں گے؟"

"یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ثابت ہوسکتا ہے۔" میں نے بحث سے بچنے کی کوشش کی۔

"غزالہ کا سوال معقول ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی تائید کی "اگر وہ بریف کیس کئی دن پہلے نسرین کے پاس رکھوایا گیا تھا تو اس میں کاغذات کی موجودگی کا امکان کیسے نہیں آتا۔"

"تمہاری یہ منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" ویرا خفّت مٹانے کے لیے زبان کھولی۔

"چند روز پہلے حالات پوری طرح مقبول چوہدری کے کنٹرول میں تھے۔" سلطان شاہ اسی سے مخاطب ہوکر بو "اکرم الٰہی اس کی قید میں پوری طرح بے بس تھا۔ مانگے سینٹر کی پوری عمارت پر اس کا مکمل تسلط تھا۔ اسے کاغذات نسرین کے پاس رکھوانے کی کیا ضرورت تھی؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات یوں اچانک پلٹا کھا جائیں گے۔ آئی بی والوں کے بھیجے ہوئے' سادہ پوش احتجاجی وفد کی جارحانہ کارروائیوں سے پہلے مائیکرو سینٹر اس کا ناقابلِ تسخیر قلعہ تھا۔" غزالہ نے دلائل میں اضافہ کیا۔

"یہ سب درست ہے مگر یہ نہ بھولو کہ ہم منظم جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ فورڈ فاؤنڈیشن یا اس میں گھسے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کے لیے اکرم الٰہی کو مروانا کوئی بڑا کام نہیں تھا مگر وہ ان کاغذات کی وجہ سے اسے زندہ رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اکرم مارا گیا اور وہ فائل غلط ہاتھوں میں چلی گئی تو فورڈ فاؤنڈیشن کو عالمی سطح پر رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اکرم سے فائل واپس لیے بغیر وہ اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔"

"میں خاک نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" سلطان شاہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اسٹیشن فورپر ویرا نے اپنے طور پر رافیل سے بازپرس کی تھی۔" میں نے ان دونوں کو آگاہ کیا "اکرم الٰہی کی فائل میں فورڈ فاؤنڈیشن کی خفیہ اور مذموم سرگرمیوں کا ناقابلِ تردید ریکارڈ موجود ہے۔ باب رافیل نے بتایا کہ وہ اسی ریکارڈ کی بنا پر فاؤنڈیشن کو بلیک میل کر کے لمبی لمبی رقمیں بٹور رہا تھا اور وہ مجبور تھے۔"

"اور یہ بات مقبول چوہدری بھی جانتا تھا۔" ویرا نے موقع پاتے ہی میری بات آگے بڑھائی۔

"اکرم الٰہی انہیں بلیک میل کر رہا تھا' مقبول چوہدری ان کا دوست تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی ان کاغذات کی تلاش کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ امریکی سفارت کاروں نے فریڈم انٹرنیشنل سے زیادہ مقبول چوہدری کی حمایت میں احتجاج کیا تھا۔ جوں ہی انہیں پتا چلا کہ مقبول چوہدری کا تختہ الٹ دیا گیا ہے اور اکرم دوبارہ میدان میں آگیا ہے تو ان پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی اور اسی بوکھلاہٹ میں بوب رافیل' اسلام آباد سے کراچی دوڑا چلا آیا۔"

"بریف کیس کی بات اب بھی واضح نہیں ہو سکی۔" غزالہ نے مجھے ٹوک دیا۔

"حیرت ہے کہ تم پر بھی سلطان شاہ کا سایہ پڑنے لگا ہے۔" اس مرتبہ بھی ویرا نے میرا ساتھ دیا "سیدھی سی بات ہے۔ مال کمانے کے لیے مقبول چوہدری بھی ان کاغذات سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنے آقاؤں کو تاثر دیا ہو گا کہ وہ اکرم الٰہی کے سازوسامان میں ان کاغذات یا کسی فائل کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ اسے یہ اندیشہ بھی رہا ہو گا کہ کہیں یہ کاغذات کسی اور کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔"

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

روشنی کے مینار
اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات
ضیاء تسنیم بلگرامی کے قلم سے
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

عظمت کے مینار
ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا واحد مجموعہ
قیمت ۱۵۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

ایمان کا سفر
محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ
وہ فن پارے' جن کی آپ کو تلاش ہے۔
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کچرا گھر
محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ
جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔
قیمت ۱۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

آدھا چہرہ
محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ جو بلیک میل کر کے بہادری میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں
قیمت ۲۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

کالی کہانیاں
جرائم' جادو' شیطان' ارواح طلسم و مزاح' اسرار و خوف سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں
قیمت ۳۰۰ روپے ڈاک خرچ ۱۶ روپے

نک ویلوٹ کی چوریاں
مشہور سپورٹنگ ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چُراتا ہے۔
قیمت جلد اوّل ۴۰ جلد دوم ۴۰
ڈاک خرچ فی جلد ۱۶ روپے

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس ۲۳ سعید منزل نمبر ۱ میکلوڈ روڈ کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com

فاؤنڈیشن والے اپنے آدمی مائیکرو سینٹر نہ بھیج دیں۔ اس نے فوری طور پر سارے کاغذات بریف کیس میں مقفل کرکے نرگس یا نسرین کے گھر پر حفاظت سے رکھوادیے۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے راز ایک قحبہ خانے میں پہنچ چکے ہوں گے۔" وہ اپنے ذہن سے نشے کے اثرات جھٹکنے میں کامیاب ہوچکی تھی۔

"ویری گڈ!" سلطان شاہ نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "اب پوری طرح صورتِ حال واضح ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے کہ نیما کے بارے میں تمہیں ڈینی کے نیک عزائم کا بھی اندازہ ہوچکا ہوگا۔"

"میرے سامنے اب اس کمینی کا نام نہ لینا۔" ویرا غصیلے لہجے میں بولی "مجھے ایسی لڑکیوں سے سخت نفرت ہے جو زبردستی ہر مرد کے گلے کا ہار بننے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"نادرہ سے بھی تمہیں اسی لیے نفرت تھی۔" سلطان شاہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا "تمہیں ہر اس عورت یا لڑکی سے نفرت ہوجاتی ہے جو کسی بھی وجہ سے ڈینی سے مراسم استوار کرنے لگے۔"

مجھے ڈر تھا کہ سلطان شاہ کے اس الزام پر ویرا بھڑک اٹھے گی لیکن میری توقع کے برعکس، وہ مسکراتے ہوئے بولی "ڈینی کو میں اپنا دوست سمجھتی ہوں اور دوست ایک دوسرے کے خیرخواہ ہوتے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ غزالہ اور ڈینی کے درمیان تیسرے درجے کی کسی عورت کی وجہ سے کوئی تلخی پیدا ہو۔"

ایسی چھوٹی موٹی تلخیوں کے لیے ویرا کا وجود ہی کافی تھا اس کے لیے مزید کسی اور کی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر ویرا سے کہا "تم واقعی ایک عظیم اور راست باز عورت ہو۔"

"عورت نہیں، لڑکی کہو۔" ویرا نے شگفتہ انداز میں فوراً میری تصحیح کرنی ضروری سمجھی۔ "روایتی طور پر ہر غیر شادی شدہ خاتون لڑکی ہوتی ہے بلکہ بعض عورتیں خاصے باوقار شوہروں اور کئی کئی بچوں کی مالک ہونے کے باوجود خود کو مس یا لڑکی کہلوانا پسند کرتی ہیں۔ دانستہ اپنے نام کے ساتھ مسز نہیں لگاتیں تاکہ انہیں عمر بھر شک کا فائدہ ملتا رہے۔"

"ایسا مغرب میں ہوتا ہوگا۔ یہاں شک کی صورت میں نقصان ہی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔" سلطان شاہ بولا "خاص طور پر عورت پر ذرا بھی شک ہوجائے تو اس کی عمر بھر کی نیک نامی خاک میں مل جاتی ہے۔"

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر سلطان شاہ کی نکتہ آفرینی کو خراجِ تحسین پیش کیا پھر بولی "یہاں تک ہم چاروں کے درمیان اتفاقِ رائے ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب اس بریف کیس کا کیا کیا جائے۔"

"تم نے گڑبڑ کردی ورنہ ڈینی نے شاید آج ہی نیما کو شیشے میں اتار لیا ہوتا۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"اب وہ کل رات تمہیں فون کرے گی؟" ویرا نے مجھ سے استفسار کیا۔

"ہاں، اس شرط پر کہ اسے موقع مل سکا ورنہ انتظار طول پکڑ سکتا ہے۔"

"تم نے اس پر کافی زور دیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر تمہیں فون کرے گی۔" ویرا نے پُریقین لہجے میں کہا۔

"اتنے واضح نتیجے پر پہنچنے کے بعد کل رات تک کون انتظار کرے گا؟" سلطان شاہ بولا۔

"مجبوری ہے۔" میں نے جواب دیا "میں اسے فون نہیں کرسکتا۔ نسرین کے اڈے پر اس کی پوزیشن مخدوش ہوجائے گی۔"

"تم پورے حالات سے باخبر ہو، اس لیے تمہارا قیاس بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ ہم بے خبری میں اس فائل کی نوعیت پر شکوک و شبہات کا اظہار کررہے تھے۔" سلطان شاہ نے مفاہمانہ لہجے میں کہا "اب ہمیں وقت ضائع کیے بغیر اس فائل کو اپنی تحویل میں لے لینا چاہیے۔"

"لے سکتے ہو تو لے لو۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے فرمان جاری کردیا۔

سلطان شاہ نے غصیلی نگاہوں سے اسے گھورا لیکن کوئی کڑوا کسیلا تبصرہ کرنے کے بجائے قدرے توقف اختیار کیا پھر بولا "آج کل شہر میں ڈکیتیوں کا زور ہے۔ ہم بھی نسرین کے گھر ڈاکا ڈال سکتے ہیں۔"

"تم بھول رہے ہو کہ وہ صرف نسرین کا گھر نہیں بلکہ بے راہ روی کا ایک باقاعدہ اڈا ہے۔" میں نے اسے یاد دلایا "اس کے زیرِ سایہ کام کرنے والی لڑکیاں گاہکوں کے ساتھ اس کی چار دیواری میں بنے ہوئے کمروں میں محصور رہتی ہیں۔ کسی بھی گڑبڑ کی صورت میں بھڑکے ہوئے گاہکوں میں سے کسی نے آتشیں اسلحے کا استعمال شروع کردیا تو تم کسی بدنصیب خنجیے کی طرح بن کھلے مرجھا جاؤ گے۔ یہ خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔"

"پھر کیا کیا جائے؟" سلطان شاہ نے میری تاویل قبول کرتے ہوئے سوال کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"انتظار اور صرف انتظار۔" میں نے پورے سکون سے جواب دیا "اب نیا سے دوبارہ بات ہونے کے بعد ہی کوئی لائحہ عمل طے کیا جاسکے گا۔"

کھانے کی میز تیار تھی۔ ہم چاروں نے اپنی اپنی کرسیاں سنبھال لیں تو سلطان شاہ نے قدرے حیرت سے کہا "باتوں میں الجھ کر ہم سب سے اہم نکتہ بالکل ہی فراموش کر بیٹھے۔ کیا یہ درست ہے کہ تم شراب نوشی ترک کرچکے ہو؟"

"اب یہ ایک حقیقت ہے۔ تمہیں اس پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"یقین نہیں آتا کہ تم جیسا پرانا پاپی اتنی آسانی سے تائب ہوسکتا ہے۔"

"اب بلاوجہ حجت مت کرو۔" غزالہ نے منہ بنا کر سلطان شاہ سے کہا "اچھے فیصلے اسی طرح اچانک کیے جاتے ہیں۔ تمہیں اس پر اتنی حیرت کیوں ہے؟"

"مچھلی اگر سمندر چھوڑ کر ساحل کی ریت پر زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلے تو حیرت ضرور ہوگی۔" سلطان شاہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "دیکھنا ہے کہ ڈینی کا یہ فیصلہ کتنے دن چلتا ہے۔"

"یہ تم نے میرے دل کی بات کی ہے۔" ویرا نے کھلے دل سے اس کی حوصلہ افزائی کی "بسیار نوشی کی انتہا کے بعد میں بھی ماضی میں کئی بار ایسے جذباتی فیصلے کرچکی ہوں لیکن ان پر کبھی بھی زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی۔ ہفتے عشرے کے بعد ایسا ہر فیصلہ خود بہ خود ٹوٹ جاتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ ان کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا" غزالہ نے پورے اعتماد سے کہا "یہ جب بھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں' سوچ سمجھ کر کرتے ہیں اور پھر اس پر قائم رہتے ہیں۔"

وہ تینوں اس بارے میں اپنے اپنے انداز میں رائے زنی کرتے رہے۔ میں سر جھکائے' خاموشی سے کھانے میں مصروف رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میں غزالہ کے پندار کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔

کھانے سے فارغ ہوکر میں ڈرائنگ روم میں ٹیلی وژن کے سامنے آبیٹھا۔ سلطان شاہ نے میری تقلید کی۔ چند منٹ بعد ویرا بھی ہمارے ساتھ آملی۔ غزالہ کچن سمیٹنے میں مصروف تھی۔

"آج سب کچھ بہت تیزی سے ہوتا چلا گیا۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد سلطان شاہ بولا "لیکن اب مجھے یہ بات عجیب سی لگ رہی ہے کہ ایک اجنبی اور مقامی ٹیکسی ڈرائیور' ویرا پر کوئی شبہ کیے بغیر آسانی کے ساتھ اس کی ہر ہدایت پر عمل کرتا چلا گیا۔ کیا تمہیں یہ بات غیر فطری محسوس نہیں ہورہی؟"

"واقعات سے الگ تھلگ ہوکر سوچو گے تو یہ واقعی عجیب واقعہ محسوس ہوگا مگر ویرا نے اس کی حب الوطنی سے فائدہ اٹھایا اور اس سے کام لیتی چلی گئی۔ بعد میں مجید کو خود بھی اندازہ ہوگیا کہ وہ کسی غلط عورت کا آلہ کار نہیں بنا ہے۔"

"بعد میں تو سب کچھ سامنے آگیا۔ مجھے الجھن یہ ہے کہ اس نے ویرا کی باتوں پر من وعن یقین کیسے کرلیا جب کہ اکرم الٰہی ایک مقامی تھا اور ویرا ایک مستند سفید فام ہے۔"

"ویرا سفید فام ضرور ہے لیکن اس کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ ایک مدت سے یہاں رہ رہی ہے۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ غیر ملکیوں کو اپنی زبان بولتے دیکھ کر عام لوگوں کو کیسی حیرت اور خوشی ہوتی ہے۔ ایسے غیر ملکیوں کے لیے ہر ایک اپنائیت محسوس کرنے لگتا ہے۔"

"ابتدا میں وہ میری اردو سے ہی مرعوب ہوا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ مجھے کسی پاکستانی مرد کی غیر ملکی بیوی سمجھ رہا تھا" ویرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عورتوں کے لیے ہر دل میں نرم گوشہ موجود ہوتا ہے پھر ویرا غیر ملکی اور خوب رو ہے۔ وہ اردو داں ہے۔ اردو اتنی بڑی زبان نہیں ہے کہ غیر ملکیوں میں اس کا استعمال عام ہو" میں نے وضاحت کی "مجید کی ساری فطری حمایت اور ہمدردی ویرا کے ساتھ تھی پھر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اکرم الٰہی مشتبہ انداز میں دوڑ لگاتا ہوا ہوٹل سے نکلا اور اپنے سامنے آنے والی پہلی خالی ٹیکسی میں سوار ہوکر وہاں سے فرار ہوگیا۔ وہ ایک سادہ لوح اور محب وطن آدمی تھا۔ اس کے پاس ویرا کی کہانی پر یقین کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔"

"ویرا کی سچائی کا ثبوت سامنے آنے سے پہلے اس کے ذہن میں یہ خوف بھی رہا ہوگا کہ اگر ویرا کوئی مجرمانہ مقصد لے کر اپنے گھر سے نکلی تھی تو ڈرائیور کے عدم تعاون کی صورت میں اس پر ہتھیار بھی نکال سکتی تھی" سلطان شاہ نے تفہیمی لہجے میں گویا خود کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"منطق کی حد تک تم یہ دلیل دے سکتے ہو" ویرا بولی "لیکن ہم دونوں کے درمیان ابتدا سے آخر تک شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ واقعات کے ڈھب اور اس کی

Downloaded from https://paksociety.com

ذہنی کیفیت کا اندازہ تم اسی ایک بات سے لگا سکتے ہو کہ گلشن اقبال میں اس نے دگنے کرائے کے لالچ میں تیز رفتاری کے جوہر دکھانے شروع کیے تھے لیکن آخر میں جب اس پر یہ عقدہ کھلا کہ وہ اپنے ملک کے ایک غدار کے خلاف مہم سر کر رہا ہے تو اس نے کرائے کی مد میں یا اپنی خدمات کے عوض ایک پیسا بھی لینے سے انکار کر دیا۔ سب کچھ اچانک نہیں ہوا۔ کڑیاں یکے بعد دیگرے کھلی تھیں۔"

"ویرا نے گیارہ بجے اپنی منزل پر پہنچنے کے بارے میں فکرمندی ظاہر کی تھی" میں نے سلطان شاہ کی ذہنی کیفیت کا ادراک کرتے ہوئے آخری نکتہ پیش کیا" وہ ڈرائیونگ کے سارے کمالات دکھانے کے باوجود چند منٹ کی تاخیر سے وہاں پہنچا تو اکرم الٰہی فرار ہو رہا تھا۔ اسے قلق ہوا ہوگا کہ وہ چند منٹ پہلے وہاں نہیں پہنچ سکا۔ وہ ذہین اور حساس آدمی تھا۔ غیبی ہوتا تب بھی سمجھ لیتا کہ وقت کتنا اہم تھا۔ ویرا چند منٹ پہلے ہوٹل پہنچ جاتی تو شاید اکرم الٰہی کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع نہ ملتا۔"

"ہونہہ!" سلطان شاہ نے تضحیک کے انداز میں کہا "ویرا چند منٹ پہلے پہنچ گئی ہوتی تو کون سا تیر مار لیتی۔ کسی کو کچھ پتا نہیں تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ تم نے آخری لمحات میں ریستوران پر چڑھائی کر کے اسے بدکنے پر مجبور کر دیا ورنہ تمہیں بھی معلوم ہے کہ ایس ٹی ایف کے مسلح اور ذہین کارندے آخر تک ہوٹل میں داخل ہونے کے راستوں کی کڑی نگرانی کرتے رہے۔ انہیں آخر تک بھنک نہیں مل سکی کہ اکرم الٰہی بدلے ہوئے حلیے میں ان کی ناکوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔ وہ اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور وہ وہاں پہنچنے کے بعد' خطرہ بھانپتے ہی' سو نمک پول کی سمت سے فرار ہو چکا تھا۔"

"تم نرے بدھو ہو" میں ہنس پڑا "میں حقائق کی نہیں' مجید کی سوچ کی بات کر رہا تھا۔"

"ہاں' اس کے نزدیک تو ویرا ہی اس واقعے کی ہیرو بلکہ ہیروئن تھی اور تم جانتے ہو کہ ہیروئن کتنی بھیانک شے ہے۔ تمہارا پیدا کیا ہوا فساد فی سبیل اللہ نہیں ہے۔ تمہاری اصل لڑائی ہیروئن سے ہے۔"

"تم حقائق کو دھندلا سکتے ہو' جھٹلا نہیں سکتے" ویرا تلملا کے بولی "میں نے تن تنہا اکرم الٰہی کو فرار کے بعد پکڑا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے ڈینی کی حاشیہ برداری کرنے کے سوا کیا تیر مارا۔"

"میں اکیلا نہیں تھا' غزالہ بھی میرے ساتھ تھی"

سلطان شاہ نے غزالہ کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر مدافعانہ لہجے میں کہا "یہ بتائے گی کہ ہم وہاں کیا کر رہے تھے۔"

"کیا بات ہے؟" غزالہ نے اپنا نام سن کر حیرت سے پوچھا "میرے بارے میں کیا بحث ہو رہی ہے؟"

"ویرا جاننا چاہتی ہے کہ بوب رافیل اور اکرم الٰہی کے سلسلے میں تم نے کیا کارکردگی دکھائی ہے" سلطان شاہ نے اپنے سر آیا ہوا سوال بہت خوش اسلوبی سے غزالہ کے سر ڈال دیا۔

"میں کیا کر سکتی تھی؟" غزالہ نے شانے اچکا کے بے بسی سے کہا "ہمیں کو جو ذمے داری سونپی گئی تھی' ہم نے پوری کی۔ اکرم الٰہی ہماری طرف سے ہوٹل میں داخل نہیں ہوا تھا۔"

"یہ بلاوجہ تمہیں مجھ سے لڑوانے کی کوشش کر رہی ہے۔" ویرا نے صفائی پیش کی "میں نے تمہاری کارکردگی کے بارے میں کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا۔ یہ سلطان شاہ کی شرارت ہے۔"

"اپنی بات تبدیل مت کرو۔ ابھی تم دعویٰ کر رہی تھیں کہ تم نے اکرم الٰہی کو پکڑا مگر میں نے اور غزالہ نے یکجا ہونے کے باوجود کوئی تیر نہیں مارا۔ ہم دونوں بس ڈینی کی حاشیہ برداری کرتے رہے۔"

"وہ میری اور تمہاری بات تھی۔ میں نے غزالہ کا نام نہیں لیا تھا" ویرا غرائی۔

"ہم دونوں ایک ساتھ تھے" غزالہ نے بات کی نوعیت سمجھے بغیر وضاحت کی "ہمارے سامنے کچھ بھی نہیں تھا پھر ہم کیا کرتے؟ طویل انتظار کے بعد جوں ہی گڑبڑ کا پیغام ملا' اندر پہنچ گئے۔ ہوٹل کے اگلے اور پچھلے حصے کے درمیان اتنا فاصلہ حائل ہے کہ ایک طرف کچھ بھی ہوتا رہے' دوسری طرف کانوں کان پتا نہیں چلتا۔"

غزالہ کی آمد سے ان کی بحث نے پھر طول پکڑ لیا تھا مگر میں ان کی موشگافیوں سے زیادہ محظوظ نہیں ہو سکا کیونکہ اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی۔

میں نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" سلام دعا کے بعد اس نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا "اسلام آباد میں عجیب ہلچل مچی ہوئی ہے اور افواہوں کے طوفان میں کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تم کیا کر گزرے ہو۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"میں کچھ بھی نہیں کر رہا۔ کھانا کھانے کے بعد ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" اس کی اضطراری آواز ابھری "تمہیں جو کچھ کرنا تھا، کر گزرے ہو اور اب چین کی بانسری بجا رہے ہو لیکن میں اسلام آباد سے ابھی ابھی اسٹیشن فور پہنچا ہوں۔ دارالحکومت کی فضاؤں میں بس دو نام سرگوشیوں کی طرح گونج رہے ہیں۔ امریکی صدر اور پاکستان کا ڈینی... حامد کی کہانی بھی حیران کن ہے۔ تم نے بوب رافیل پر کیسے ہاتھ ڈال دیا؟ امریکی سفارت خانے میں سوشل منسٹر کا عہدہ بہت اہم ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہوگا۔" میں نے دل ہی دل میں اس کے اضطراب سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے کہا "ہمارا نشانہ بوب رافیل نہیں تھا بلکہ ایک مشتبہ امریکی تھا جس نے اسٹیفن کوائے کے نام سے اسلام آباد سے کراچی کا سفر کیا تھا۔"

"اوہ!" اول خان کی تحیر زدہ آواز میرے کانوں میں گونجی "اس کا مطلب ہے کہ وہ محض کسی اتفاق کی بنا پر اپنی گردن تمہارے ہاتھوں میں دے بیٹھا اور امریکی صدر کی جان کا روگ بن گیا۔"

"یہ حقیقت نہیں بلکہ وہ موقف ہے جو آئی بی والوں نے اختیار کیا ہے۔"

"حامد نے مجھے بتایا ہے کہ اسٹیشن فور پر اس کا بہت برا حشر کیا گیا تھا۔"

"بُرے اور بھلے کے بارے میں تو بوب رافیل ہی کچھ کہہ سکتا ہے۔ پہلے میں نے اس پر کچھ تجربہ کیا اور پھر ویرا نے اپنے داؤ آزمائے اور وہ خاصی باتیں اگلتا چلا گیا۔"

"لیے... یعنی تمہیں معلوم تھا کہ تم نے بوب رافیل کو اپنی گرفت میں لیا ہے؟" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"اکرم الٰہی سے اس کی گفتگو ریکارڈ کی گئی تھی۔ وہ کسی خاص مشن پر صبح کی فلائٹ سے کراچی اور پھر مقررہ ہوٹل کے ریستوران میں پہنچا تھا۔ وہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا تو شاید میں اپنا منہ پیٹنے پر مجبور ہو جاتا۔"

"سنا ہے کہ وقت کے فرق کو نظر انداز کر کے منہ اندھیرے امریکی صدر کو گہری نیند سے جگایا گیا تھا۔"

"ابتدائی افواہوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ بعد کے واقعات نے اس افواہ کی تائید کر دی۔ میں نے جس وقت بوب رافیل کو اس کے ہم وطنوں کے حوالے کیا، امریکا میں دفتری اوقات کار کا آغاز ہی ہوا ہوگا۔ میرے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ سارے فیصلے نہایت سرعت سے کیے گئے تھے۔"

"اگر امریکی صدر نے اپنا تھوکا ہوا چاٹا ہے تو بوب رافیل کی واپسی ایک انعام سے کم نہیں تھی۔ تم مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ وہ کس طرح تمہارے ہاتھ لگا۔ اسٹیفن کوائے اور بوب رافیل کا کیا چکر تھا؟"

ہم بوب رافیل ہی کی راہ پر لگے ہوئے تھے۔ اس کی احتیاط اور رازداری اپنی جگہ پر تھی مگر اکرم الٰہی نے اسے بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ ایس ٹی ایف والے مائیکرو سینٹر کی نگرانی کرتے رہے...

"کہانی کا یہ حصہ مجھے معلوم ہے۔" اول خان نے اضطراری انداز میں میری بات کاٹتے ہوئے کہا "حامد سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔ اس نے اسٹیفن کوائے کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔"

"ہم نے اسے بوب رافیل کی حیثیت میں پکڑا تھا۔ بعد میں اس کی زبان سے یہ حقیقت اگلوائی کہ اس نے اسلام آباد سے کراچی تک کا سفر اسٹیفن کوائے کے نام سے کیا تھا۔ باتوں کے چکر میں آ کر اس نے اپنے بیان کی تصدیق کے لیے خود ہی اپنے ٹکٹ کا بقیہ حصہ ہمارے حوالے کیا تھا۔ وہیں سے اس کی بدبختی کا آغاز ہو گیا۔"

"صاف ظاہر ہے کہ تم نے اسے بوب رافیل تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہوگا اور اسٹیفن کوائے کی مشتبہ حیثیت میں تم اس کے ساتھ ہر من مانا سلوک کر سکتے تھے۔" اول خان فوراً ہی پوری بات سمجھ گیا۔ اس نے فون پر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "حیرت ہے کہ حامد نے اس اہم ترین واقعے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اس نکتے کی اہمیت نہ سمجھ سکا ہو۔ اسے علم نہیں تھا کہ میری اور جلال کی کیا گفتگو ہو چکی تھی۔ یہ جلال کا مشورہ تھا کہ میں بوب رافیل کو اس کی سفارتی شناخت استعمال کرنے کا موقع نہ دوں۔ میں نے اپنی گفتگو اسی ڈھب پر جاری رکھی اور وہ نہایت بے بسی سے میرے ٹریپ میں پھنستا چلا گیا۔"

"اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہاں کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ اپنے دہرے نام کا اعتراف کر کے اس نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی ماری تھی۔ نام کے بارے میں ثبوت حاصل ہو جانے کے بعد تم اس کی چمڑی بھی ادھیڑ سکتے تھے۔"

"ہمیں معلوم تھا کہ وہ بوب رافیل ہی ہے اور ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود اسے جلد ہی سفارتی مراعات کے

Downloaded from https://paksociety.com

دیا تا کنونشن کے تحت رہا کرنا پڑجائے گا مگر ہم نے اسے اسٹیفن کوائے قرار دیا۔"

"تمہیں اس کا پورا اختیار تھا۔" اس نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے تائید کی "تمہارے سامنے دو باتیں تھیں۔ ایک اس کا دعویٰ اور دوسرا اس کا اعتراف جس کا ثبوت بھی موجود تھا۔ تمہیں پورا حق حاصل تھا کہ ان دو میں سے کسی ایک کو مسترد کردو۔"

"اس بارے میں حامد کو کوئی لکچر دینے نہ بیٹھ جانا۔" میں نے اسے تاکید کی "جلال سے میرا براہِ راست رابطہ رہا۔ حامد کو ذرا بھی علم نہیں کہ میرے اور اس کے درمیان کیا باتیں ہوتی رہیں۔ اسے اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا کہ میں نے یوب رائیل کو دانستہ ایک ایسی راہ پر ڈالا تھا کہ وہ اپنے خفیہ سفر کے حوالے سے کوئی بات چھپائے۔"

"جو کچھ بھی ہوا ہے' یہ طے ہے کہ اس بار تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ آئی بی والے اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کچھ اتنی سرعت سے رونما ہوا کہ خبروں اور افواہوں کے ساتھ تمہارا نام سینہ بہ سینہ پھیلتا چلا گیا۔ یہ بات ہر ایک کے لیے حیران کن تھی کہ امریکا جیسے طاقت ور ملک کے سفارت خانے میں مامور ایک سوشل منسٹر پر کس بنیاد پر ہاتھ ڈالا گیا ہوگا۔"

"واقعات اسی طرح رونما ہوتے ہیں مگر ان کا ذکر چلتا رہتا ہے۔" یہ بتاؤ کہ تم اپنے مشن سے فارغ ہوکر آئے ہو یا دوبارہ شہر سے باہر جانے کا کوئی پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں تو اپنی دانست میں فارغ ہوکر ہی آیا ہوں۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس کا جواب آیا "لیکن ایسی ملازمت میں ہر وقت پابہ رکاب رہنا پڑتا ہے۔ پتا نہیں کب کیا حکم آجائے۔"

وہ ایک انتہائی خفیہ ادارے بلکہ تنظیم سے وابستہ تھا جو ذہنوں میں بستی تھی اور پاکستان کی سرزمین پر پوری طرح فعال تھی مگر دستیاب کاغذات پر کہیں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اس کے مشن کے بارے میں کوئی سوال نہیں پوچھا۔ ویسے مجھے یہ خلش ضرور تھی کہ جب اسپیشل ٹاسک فورس کے اسٹیشن ملک بھر کے شہروں میں پھیلے ہوئے تھے تو شمال میں کسی کام کے لیے وہاں کے کسی مقامی اسٹیشن کے سربراہ سے کام لینے کے بجائے اول خان کو کیوں طلب کیا گیا تھا۔

"اچھا ہوا کہ تم لوٹ آئے۔ حامد نے کاموں کے سلسلے میں تمہاری کمی کا احساس نہیں ہونے دیا لیکن اس سے وہ دوستی اور بے تکلفی نہیں ہے جو تمہارے ساتھ ہے۔ تمہارے نہ ہونے کی وجہ سے میں چھاؤنی کی چیک پوسٹ پر ایک بار پھنس گیا تھا۔"

"فون پر حامد نے مجھے بتایا تھا۔ اب تم جس وقت بھی آؤ گے' تمہارا شناختی کارڈ بن جائے گا۔"

"تو کیا کرنل جمال دستی کا کارڈ تلف کردوں؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"وہ نام اب بہت مخدوش ہے۔ اسے تلف ہی کردو۔ وہ کسی بھی وقت تمہاری جان کا جنجال بن سکتا ہے۔ بظاہر یوب رائیل کا معاملہ نمٹ گیا ہے مگر جان اسمتھ کے آدمی اس وقت بھی ہوٹل کے عملے اور گاہکوں سے ذاتی رابطے کرکے یہ جاننے کی کوششیں کررہے ہیں کہ اس کی گرفتاری کن حالات میں ہوئی تھی اور اس میں کون سی ایجنسیاں ملوث تھیں۔"

"تو کیا یہ خبر درست ہے کہ جان اسمتھ کراچی میں سی آئی اے کا مقامی چیف ہے؟"

"چند روز پہلی تک مجھے بھی یہی غلط فہمی تھی۔ جان اسمتھ صرف کراچی کے لیے نہیں بلکہ ایک بڑے خطے کے لیے کام کررہا ہے۔ وہ پورے پاکستان کے ساتھ ایران اور افغانستان میں بھی سی آئی اے کو کنٹرول کرتا ہے۔ میں اسی کے پیدا کیے ہوئے ایک فتنے کے سدِباب کے لیے کراچی سے باہر گیا ہوا تھا۔"

"شدید خواہش کے باوجود میں نے اس بارے میں تم سے کوئی سوال نہیں پوچھا!"

"اچھا کیا۔ اب بھی خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ مجھے اصل خوشی اس بات کی ہے یوب رائیل کو بری طرح رگڑنے کے ساتھ تم نے ایک اور زیادہ بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔"

"جب مناسب سمجھو تو مجھے اس سے آگاہ کردینا.... فی الحال تم نے مجھے نئی الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"تمہیں خود اندازہ ہوجانا چاہیے۔ تم آئی بی کے دو مقامی افسران کے ساتھ براہِ راست سی آئی اے کے ایک بڑے عہدے دار سے ملے ہو اور اسے شبہ بھی نہیں ہوا کہ تم ڈبل ہوسکتے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ درمیانی خراب دور گزر چکا ہے اور اب تم ماضی کی طرح ایک بار پھر امریکیوں کے لیے محض ایک نام بن کر رہ گئے ہو۔"

"واقعی' تم نے بالکل صحیح نتیجہ اخذ کیا ہے۔" میں نے کھلے دل سے اعتراف کیا "شروع سے اب تک میرا ذہن اس

Downloaded from https://paksociety.com

نکتے کی طرف مبذول نہیں ہوسکا تھا۔ ایسی صورت میں کرنل جمال دستی والا مفروضہ واقعی دفن ہوجانا چاہیے۔"

"اب اپنی الجھن کے بارے میں بتاؤ الو۔ میرا خیال ہے کہ میں نے تم سے سیدھی سیدھی باتیں کی ہیں۔"

"اگر جان اسمتھ تین اہم ملکوں میں سی آئی اے کی سرگرمیوں کا نگران ہے تو وہ کراچی میں کیا کررہا ہے؟ اس کی تعیناتی کا بہتر مقام اسلام آباد ہونا چاہیے۔ وہاں وہ زیادہ باخبر رہ سکتا ہے۔"

"اسلام آباد ہمارے ملک کا حساس ترین شہر ہے۔ وہاں ہماری ایجنسیوں کا نیٹ ورک اور حفاظتی حصار بہت مضبوط ہے۔ ہر مشتبہ شخص پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ ہمارے دشمنوں نے اپنے تلخ تجربات کی بنا پر آئی بی اور آئی ایس آئی کو بھی افسانوی درجے پر فائز کیا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی بنا پر اسے کراچی میں رکھا گیا ہو۔"

"آئی بی والے یہاں بھی ہیں بلکہ یہاں تو ان کے پاس صدف مینشن جیسی خوف آور عمارت بھی ہے۔"

"ادارہ ایک ہی ہوتا ہے مگر مقام کی اہمیت کے اعتبار سے اس کی عمومی کارکردگی مختلف ہوتی ہے۔ اسلام آباد میں ان کے بہترین اور تجربے کار آدمی یک جا ہیں اور اب تو تم بھی آدھے آئی بی والے ہوگئے ہو۔"

اس نے آخری فقرہ ہنسی کے دوران میں ادا کیا تھا مگر میں نے سنجیدگی سے کہا "وقتی طور پر کسی سے بھی مل بیٹھوں' ایس ٹی ایف سے میری وابستگی کمزور نہیں ہوسکتی کیونکہ تم لوگ میرے طریقوں کے مطابق کام کرتے ہو۔"

"اسلام آباد میں فون پر جلال سے دو مرتبہ بات ہوئی تو میں نے اندازہ لگایا کہ وہ تمہارے ساتھ بہت بے تکلف ہوچکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے پاس بلانے کی کوشش کرے۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ ہماری بے تکلفی میں اضافہ ہوا ہے۔ خشک' نازک اور اعصاب شکن فرائض کی مسلسل ادائیگی سے اکتا کر اس نے مجھ سے کچھ بے سروپا باتیں بھی کی ہیں جنہیں میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ترقی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے لوگ اپنے بڑے عہدوں کے حصار میں گھرتے چلے جاتے ہیں۔ اپنے ماتحتوں سے کھل کر بات نہیں کرسکتے' جاننے والوں سے سوچ سوچ کر ہر لفظ بولتے ہیں۔ انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ان کے کسی قول یا فعل سے کوئی اہم سرکاری راز افشا نہ ہوجائے۔ یہ بوجھ حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو انسان کسی قریبی دوست کے ساتھ فضول گوئی کرکے دل کی بھڑاس نکال لیتا ہے۔ اور بس!"

"تمہارا تجزیہ قابلِ قدر ہے۔ اسلام آباد کو ویسے بھی گریڈوں کا شہر کہا جاتا ہے۔ میل جول اور سماجی زندگی میں بھی لوگ ایک دوسرے کے گریڈ کا دھیان رکھتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جلال اسی تصنع سے اکتایا ہوا ہو۔" اول خان کو مجھ سے فرصت سے بات کرنے کا موقع ملا تھا تو وہ ہر ہر موضوع کے ساتھ مکمل انصاف کرنے پر تلا ہوا تھا۔

مجھے اپنے شانے پر ہلکے سے دباؤ کا احساس ہورہا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا "اب ہمیں ان دو قیدیوں کو دیکھنا ہے جو تمہارے اسٹیشن فور میں بند ہیں۔ کل صبح وہیں ملاقات ہوگی۔"

"ابھی کیوں نہیں آجاتے؟" اول خان نے جھٹ سے سوال کردیا "وہ دونوں بُرے حال میں ہیں اور ان کی زبانیں چل پڑی ہیں لیکن حامد اس صورتِ حال سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسے نہیں معلوم کہ تم ان سے اپنے کن سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ابھی آجاؤ تو صبح دیر تک نیند پوری کرسکتے ہو۔ میں بھی اپنا وزن ہلکا کرلوں گا۔"

"تمہیں اپنا کون سا وزن ہلکا کرنا ہے؟" میں نے حیرت زدہ آواز میں پوچھا۔

"فنڈز آگئے ہیں۔ تمہارا وہ ادھار ادا کرنا ہے جو اوبرائن ڈی ہنٹ کے قتل کے لیے تم نے رستم ایرانی کو ادا کیا تھا۔" اس نے یاد دلایا "ایس ٹی ایف کافی دن تمہاری مقروض رہی ہے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ مجھے رقم کی اتنی زیادہ حاجت نہیں ہے۔ رستم کو وہ رقم ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں گمان بھی نہیں تھا کہ میں وہ رقم تم سے وصول کروں گا۔ ویسے تم اصرار کررہے ہو تو میں آجاؤں گا۔"

اس مرحلے پر میں نے ذرا بھی اشارہ نہیں کیا کہ اکرم الٰہی کی خفیہ فائل کے بارے میں حالات نے یکایک کیا قلابازی کھائی تھی۔ اسے نیا والے معاملات کی بھنک بھی مل جاتی تو وہ گفتگو زیادہ طول پکڑ سکتی تھی۔

"تم جانتے ہو کہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی کھوپڑیوں میں کیا کچھ موجود ہے اور اس میں سے کیا کچھ اگلوا کر ہم اپنے کام کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اعصاب ٹوٹ پھوٹ جائیں تو مجرموں کے لیے رات کی ہیبت بہت زیادہ ڈراؤنی ہوجاتی ہے۔ دن کے اجالے کے مقابلے میں وہ اندھیرے میں زیادہ آسانی سے سچ بولنے پر مجبور ہوجائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چند منٹ میں یہاں سے نکل رہا

Downloaded From https://paksociety.com

ہوں۔" میں نے گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا اور فون بند کردیا۔

ویرا نے کچھ ہی دیر پہلے خاصی مے نوشی کی تھی مگر مباحثے میں الجھ جانے کے باعث اس کا خاصا خمار اتر چکا تھا۔ پھر بھی وہ اس وقت باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ معمول کے برعکس اس وقت سلطان شاہ نے بھی میرے ساتھ جانے کے لیے ضد نہیں کی۔ میرے لیے گھر سے اسٹیشن فور تک کا فاصلہ زیادہ طویل نہیں تھا لیکن پھر بھی میں ان میں سے کسی کی پیش کش کا منتظر تھا۔

"آپ چاہیں تو میں ساتھ چلوں؟" غزالہ نے شاید میری آنکھوں سے میری وہ خواہش پڑھ لی۔

"نہیں، نہیں۔" سلطان شاہ جلدی سے بول پڑا "تم جاکر کیا کروگی۔"

میں جلدی سے اپنے کمرے میں گھس گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ غزالہ میری خواہش کے سامنے کسی کے مشورے کو وقعت نہیں دے گی۔

سلطان شاہ کے لہجے کی بوکھلاہٹ سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ویرا کے ساتھ ایک لمبی مدت گزار لینے کے باوجود اس نفسیاتی خوف سے نجات نہیں پاسکا تھا جو اسے ویرا کی طرف سے تنہائی میں لاحق رہتا تھا۔

ویرا بظاہر سلطان شاہ سے ہر وقت کسی نہ کسی مسئلے پر الجھتی رہتی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں سلطان شاہ کے لیے پسندیدگی کے جراثیم پرورش پارہے تھے۔ سلطان شاہ سے ہر وقت مخالفت کے اظہار پر کمر بستہ رہنے کے جواب وہ اس سے نفرت نہیں کرتی تھی۔ بس اپنی پیش رفت کے جواب میں منفی ردِعمل کا سامنا کرنے کی وجہ سے چڑچڑے پن کا شکار رہتی تھی اور وہی اس کی کمزوری تھی۔

مجھے غزالہ کی روانگی پر سلطان شاہ کی تشویش کا سبب معلوم تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ہم دونوں کی غیر حاضری میں ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان کچھ خوش گوار سی جھڑپیں ضرور ہوسکتی تھیں، کسی بڑے فساد کا امکان نہیں تھا کیونکہ ویرا اپنے تمام تر جارحانہ تیوروں کے باوجود کچھ اخلاقی حدود سے بہت زیادہ تجاوز نہیں کرتی تھی۔

غزالہ میرے ساتھ چلی تو سلطان شاہ نے ایک بار پھر اسے روکنے کی کوشش کی مگر غزالہ نے بات ہنسی میں اڑادی۔ "تمہیں ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں، تمہارے ساتھ ویرا بھی گھر میں رہے گی۔"

"یہی تو میری پریشانی کی جڑ ہے۔" سلطان شاہ کراہا "آپ پی کر بہکے گی اور میرے لیے مسائل کھڑے ہونے شروع ہوجائیں گے۔ اس کے ساتھ سے بہتر ہے کہ میں اکیلا عیش کرتا رہوں۔ تم اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

میں نے اس کی سنی ان سنی کردی اور غزالہ کے ساتھ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گو رات ہوگئی تھی مگر زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی۔ گلشن اقبال کی سڑکوں پر ٹریفک کے ہجوم میں قدرے کمی ضرور آئی تھی مگر پھر بھی یونیورسٹی روڈ پر بھرپور ٹریفک کی روانی بہار دکھا رہی تھی۔

ہم دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں اسٹیشن فور پہنچ گئے۔

اول خان نے بہت تپاک سے ہمارا استقبال کیا۔ حامد بھی پورے ادب واحترام کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

اس وقت پاکستان میں بے شمار این جی اوز کام کررہی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں بعض اپنی سماجی اور معاشرتی سرگرمیوں کے بارے میں مخلص رہی ہوں مگر ہمارے تجربے نے ثابت کردیا تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل اس نقاب کی آڑ لے کر خود غرضی، مفاد پرستی اور اس سے بھی بڑھ کر، ملک سے غداری کی راہ پر گامزن تھی۔

وہ زہریلا پودا اکرم الٰہی کا لگایا ہوا تھا جو وقت کے ساتھ بار آور ہوکر پاکستان کی جڑوں میں زہر پھیلا رہا تھا اور اس کے بدترین دشمنوں کو اپنا سایہ فراہم کررہا تھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اکرم الٰہی کے برعکس، اس کا بھانجا مقبول چوہدری زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس نے اپنے ماموں کو منظر سے ہٹاتے ہی اپنے مذموم عزائم کے حصول کی کارروائیاں بہت تیز کردی تھیں مگر مقبول کی ان حرکتوں سے اکرم الٰہی کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہوتی تھی۔

مقبول چوہدری کی گرفتاری میں نرگس کے نام کا گہرا دخل تھا۔ اکرم الٰہی نے اول خان کی موجودگی میں اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ اس کے بھانجے نے مائیکرو سینٹر سے فرار ہوکر اپنی دوست، نرگس کے گھر پناہ لی ہوگی۔

میں نے نرگس اور پھر اسی کے حوالے سے اس کی ماں نسرین کے بارے میں پوری کہانی اول خان کو سنادی۔ نیما کا نام میں نے دانستہ گول کردیا۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کہ مقبول چوہدری کا ایک مشتبہ بریف کیس نسرین کی تحویل میں تھا۔ دونوں مجرموں سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس کا ذکر خود بہ خود سامنے آجاتا۔

ہم نے اکرم الٰہی کے بارے میں اس وقت کوئی فیصلہ

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں کیا تھا کہ اسے زندہ رکھ کر چھوڑ دینا تھا یا اس کے جرائم کی پاداش میں خاموشی سے کیفرِ کردار کو پہنچا دینا تھا۔ اس بے یقینی کی وجہ سے حامد نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ اس کا کوئی آدمی غیر ضروری طور پر اکرم الٰہی کی نظروں میں نہ آنے پائے۔

اس احتیاط کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے میں نے غزالہ کو اول خان کے دفتر میں چھوڑا اور خود حامد کے ساتھ اس کمرے کی طرف چل دیا جس میں اکرم الٰہی قید کی صعوبتیں جھیل رہا تھا۔

وہاں موجود محافظ نے ہم دونوں کو پوری مستعدی سے تعظیم دی۔ حامد باہر ہی رک گیا اور میں دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

سپاٹ فرش، ننگی دیواروں اور بند دروازوں اور کھڑکیوں کے سوا اس کمرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اونچی چھت سے لٹکا ہوا ایک بلب کمرے میں اجالا کر رہا تھا۔ اس اجالے میں اکرم الٰہی کسی گٹھڑی کی صورت میں سمٹا ہوا فرش پر پڑا.... کراہ رہا تھا۔

میرے قدموں کی چاپ سن کر اس نے فرش سے سر اٹھایا اور پھٹی پھٹی، دہشت زدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر بولا "اوہ.... تو آخر کار تم بھی اپنے اصل روپ میں سامنے آ ہی گئے۔" اس کے حلق سے رک رک کر اور پھنسی پھنسی آواز برآمد ہو رہی تھی۔

"جب تم نے اپنا اصلی چہرہ بے نقاب کر دیا ہے تو یہ سب ہونا ہی تھا۔" میں نے درشت لہجے میں کہا "میرا اندازہ تھا کہ تم مظلوم ہو اور تمہارا بھانجا تمہاری بے خبری میں فریڈم انٹرنیشنل کو گندا کر رہا ہے مگر...."

"خدا کی قسم، تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں ہی بول پڑا "سارا قصور مقبول چوہدری کا ہے۔ وہ پکا نمک حرام ہے۔ اس نے بڑھاپے میں میرا منہ کالا کر دیا۔ میں بے قصور ہوں۔"

"شٹ اَپ!" میں نے سرد لہجے میں جھاڑ دیا "اب یہ اداکاری نہیں چلے گی۔ بوب رافیل سے ملاقات کے لیے مائیکرو سینٹر سے فرار ہو کر تم نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود لی ہے۔"

"میں مجبور تھا۔" وہ بے بسی سے کراہا "مجھے اس سے ملنے میں ہمیشہ ہی ایسی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ وہ اپنی غیر سفارتی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ مجھ سے ذرا بھی بے احتیاطی سرزد ہوتی تو وہ مجھے مروا دیتا۔"

وہ سراسر جھوٹ بول رہا تھا۔ بوب رافیل کو یہ ضرور معلوم تھا کہ فریڈم انٹرنیشنل میں گڑبڑ ہوئی ہے لیکن اسے صحیح اندازہ نہیں تھا کہ اکرم الٰہی کن حالات سے دوچار تھا۔ اس نے اکرم سے فون پر بھی بہت مختصر گفتگو کی تھی۔ اس سے ملنے کے لیے اکرم الٰہی نے جو پراسرار اور رازدارانہ طریقہ اختیار کیا، وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار تھا۔

"وہ تم سے کیوں ملنے آیا تھا؟" میں نے اس بحث میں الجھے بغیر پوچھا۔

"وہ کافی عرصے سے میرے چکر میں ہے۔ دھوکا دے کر مجھے ٹھکانے لگانا چاہتا ہے۔ وہ سوچ کر آیا تھا کہ میں اس وقت مقبول کے عذاب سے تازہ تازہ آزاد ہوا ہوں، اس کے دباؤ میں آ کر کاغذات اس کے حوالے کر دوں گا۔"

اس کے اعصاب واقعی جواب دے چکے تھے۔ اس نے میری کسی محنت کے بغیر ازخود وہ اہم ترین اعتراف کر لیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ اپنی بات جاری رکھے گا مگر وہ درمیان میں ہی خاموش ہو کر ہانپنے لگا۔

میں چند ثانیوں تک اسے گھورتا اور سوچتا رہا پھر میں نے آگے بڑھ کر اس کی پشت کے نچلے حصے پر زور سے ٹھوکر لگائی اور وہ چیخ کر فرش پر تڑپتا رہ گیا۔ غالباً وہ اس وقت اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

"میں کچھ پوچھوں تو جواب مکمل ہونے تک رکے بغیر بولتے رہو ورنہ ٹھوکروں سے تمہاری پشت لہولہان کر کے رکھ دوں گا۔"

"مم.... میری اس سے زیادہ بات نہیں ہوئی۔ ہماری ملاقات مشکل سے چند منٹ جاری رہی پھر تم نمودار ہو گئے۔" وہ چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان جلدی جلدی بولنے لگا "وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میری اور مقبول کی لڑائی نے حالات بگاڑ دیے ہیں۔ کوئی ایجنسی 'فریڈم انٹرنیشنل' کے پیچھے لگ گئی تو وہ کاغذات کسی بھی لمحے میری تحویل سے نکل جائیں گے۔"

"بولتے رہو!" اس کی گفتگو میں وقفہ آتے ہی میں نے اسے ٹوکا "خاموش ہوئے تو میری ٹھوکر ایک نیا زخم پیدا کر دے گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ یہ بہت برے لوگ ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لے کر دوبارہ بولنا شروع کر دیا "محض اپنے کاغذوں کی وجہ سے مجھے برداشت کر رہے ہیں۔ یہ ایک بار جس کے خلاف ہو جائیں، اسے کبھی معاف نہیں کرتے۔ کاغذات واپس لیتے ہی مجھے اپنے راستے سے ہٹا کر مقبول کو

Downloaded from https://paksociety.com

سامنے لے آئیں گے۔ ان کی شہ پر مقبول مجھے معزول کر ہی چکا تھا مگر تم نے دخل دے کر مجھے آزاد کرا دیا۔ یہ لوگ ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔ بوب کو پتا نہیں کہاں سے پتا چل گیا کہ میں مقبول کی قید سے نکل کر دوبارہ آزاد ہو گیا ہوں۔ اس نے کل بہت رات گئے مجھے فون کر کے آج صبح ہوٹل کے ریستوران میں ملنے کا حکم دیا تھا مگر تم نے آکر پوری بازی الٹ دی۔"

"انسانی حقوق کے بارے میں جاری کیا جانے والا پیغام کس کا بنایا ہوا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس وقت قیدی بنایا جا چکا تھا۔ مجھے مقبول کی زبانی پتا چلا کہ اسے وہ پیغام فورڈ فاؤنڈیشن سے ہی ملا تھا۔ اس نے ہدایت کے مطابق فریڈم انٹرنیشنل کی طرف سے وہ متن اخباروں کو جاری کر دیا۔ وہ اسی سلسلے میں میرے ذریعے فورڈ فاؤنڈیشن کے وائس چیئرمین سے رقم کا مطالبہ کرنا چاہ رہا تھا۔"

ایک پرانا سوال میرے ذہن سے صاف ہو گیا۔ میں نے دوبارہ تازہ موضوع کی طرف آتے ہوئے پوچھا "تمہارے جمع کیے ہوئے وہ کاغذات اب کہاں ہیں؟"

"مقبول چوہدری میری آستین کا سانپ ثابت ہوا ہے۔" وہ پشیمان آواز میں بولا "اسے شروع سے آخر تک ہر بات کا علم تھا۔ وہ میرا بھانجا ہے۔ میں نے کبھی اس سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جب تک وہ کاغذ میرے قبضے میں ہیں، ہم محفوظ رہیں گے اور ہمیں فورڈ فاؤنڈیشن سے امدادی رقوم ملتی رہیں گی۔"

"میں نے پوچھا تھا کہ وہ کاغذات اب کہاں ہیں!" میں نے سختی سے اسے یاد دلایا۔

"وہ مقبول چوہدری کے پاس ہوں گے۔" اس نے بلا توقف کہا "اس کی قید سے رہائی پانے کے بعد میں نے کل رات ہی اپنی تجوری اور الماریوں کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں سے فائل اور بھاری نقدی غائب ہے۔"

"نقدی غائب ہے؟" میں نے چونک کر کہا "جب مقبول ہر چیز پر قابض ہو چکا تھا تو اسے رقم چرانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارے ہٹ جانے کے بعد سب کچھ اس کا ہو چکا تھا۔"

اکرم الٰہی نے اپنی اٹھی ہوئی گردن فرش پر ڈال دی اور مایوسانہ آواز میں کہا "وہ صورت حرام ثابت ہوا۔ میں شروع ہی سے اس کے کچھ نہیں سمجھ سکا۔ وہ بگڑا ہوا تھا۔ اس کے ٹھاٹ باٹ شاہانہ تھے۔ وہ یقیناً لمبی رقموں کا مقروض رہا ہوگا۔ میری دولت پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے پہلی فرصت میں اپنے پرانے قرضے چکائے ہوں گے۔ اس نے تجوری سے اپنی ضرورت کی رقم نکال لی۔ باقی رقم اور بونڈز وغیرہ جوں کے توں رکھے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں نہیں چھیڑا۔"

"اور فائل کہاں تحلیل ہو گئی۔" میں ہر بات اس کی زبان سے سننے کا خواہاں تھا۔

میں نے فائل اسے بتا کر تجوری میں رکھی تھی۔ میرے ساتھ کوئی برا واقعہ پیش آنے پر اسے وہ فائل پریس کو جاری کرنی تھی۔ جب اس نے میرا تختہ الٹا تو اس کے لیے بھی وہ فائل اتنی ہی اہم تھی۔ اس نے اسے کہیں اور پہنچا دیا۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس نے وہ فائل کسی کو واپس نہیں کی تھی۔ ایسا ہو چکا ہوتا تو بوب رافیل اسلام آباد سے کراچی نہ آتا۔"

"اسے اس کے ستاروں کی گردش کراچی لائی تھی۔ اب وہ ساری زندگی کراچی کے نام سے ڈرتا رہے گا۔"

"وہ کہاں ہے؟ میں تو ہوٹل سے بھاگ گیا تھا مگر تم نے اسے وہیں گھیر لیا تھا۔" اس نے پوچھا۔

وہ اکرم الٰہی کا پہلا سوال تھا۔ میں نے اس کا گول مول جواب دینا ضروری سمجھا۔ اس کی کہانی بھی وہی ہے جو ابھی تم نے سنائی ہے۔ اگر تم نے کہیں بھی جھوٹ بولا ہوتا تو میں اسی وقت ٹھوکریں مار مار کر تمہارا بھیجا بہا دیتا۔"

"مگر وہ اب ہے کہاں؟" اکرم الٰہی نے خوف زدہ لہجے میں اپنے سوال کا پہلا حصہ دہرایا۔

"وہ کسی کتے کی طرح پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اگر وہ سفارتی افسر نہ ہوتا تو اس وقت تم سے بھی بُرے حال میں ہوتا۔ اب وہ رہا ہو کر اپنے ریوڑ میں جا چکا ہے۔" میں نے بات کھول دی۔

میرا جواب سن کر اس کی بے نور آنکھوں میں امید کی چمک سی کوند گئی اور اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "اگر تمہیں قاعدے قانون کا اتنا پاس ہے تو تم یقیناً کسی ذمے دار سرکاری ایجنسی کے آدمی ہو۔ تمہارا تعلق آئی بی سے ہے نا؟"

"اپنے ذہن سے اس بات کو جھٹک دو۔ ہم جو بھی ہیں، مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ ظالموں اور غداروں کی کلائی توڑ ڈالتے ہیں۔ جب تک تم مظلوم نظر آتے رہے، ہم نے مدد کر کے تمہیں آزادی دلائی لیکن تمہارے اصل کرتوت سامنے آجانے کے بعد اب ہم تمہارے سب سے بڑے

Downloaded from https://paksociety.com

دشمن ہیں۔ جلد ہی تم اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے۔"

میرے ان الفاظ نے اسے دہلا دیا۔ وہ گھگیا کر رو پڑا اور فرش پر اس کے جسم کے گرد نمی کا ایک دائرہ سا پھیلتا چلا گیا۔

"خدا کے لیے، مجھے نہ مارنا۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں بے گناہ ہوں..... سارا قصور مقبول کا ہے....."

اس وقت وہ اپنی ہی بکھیری ہوئی آبی غلاظت میں پڑا ہوا تھا۔ مجھے اس کے قرب سے گھن آنے لگی۔ میں نے بلند آواز میں اسے لتاڑا اور واپسی کے لیے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

باہر حامد میرے انتظار میں برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھ آیا۔

اکرم الٰہی کے ہاتھ پیر کھلے ہوئے تھے اس وجہ سے میرے نکلتے ہی مسلح محافظ نے اس کے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر سے بولٹ کر دیا۔ اکرم الٰہی تو پھر بھی بہت صحت مند اور بہتر حالت میں تھا۔ اس سے بھی گئے گزرے بلکہ قریب المرگ مجرموں کو جب اپنے آس پاس موت کے بھیانک سائے رقص کرتے نظر آتے ہیں تو وہ اپنی ساری توانائیاں یک جا کر کے نکل بھاگنے کی دیوانہ وار کوشش کر ڈالتے ہیں۔ ایسے کسی خطرے کے تدارک کے لیے اس کے کمرے کا بند رہنا ہی بہتر تھا۔

وہاں سے نکل کر میں ایک اور قریبی کمرے میں پہنچا۔ وہاں مقبول الٰہی اپنے ماموں سے زیادہ ابتر حالت میں تھا۔ بے احتیاطی اور دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے اس کے پرانے زخم بھی خراب ہو رہے تھے۔

وہ شروع ہی سے جارحانہ عزائم کا اظہار کرتا رہا تھا۔ اس وقت بھی اس نے میری موجودگی کا ادراک کرتے ہی اپنے مقدر کو غلیظ گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ مسلح محافظ بھی بوکھلا کر اندر آ گیا۔

اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا مگر میرے لیے اس کا وہ رویہ توہین آمیز تھا۔ دشمن سے ویسے بھی اخلاق و شائستگی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کی زبان بند کرانے کے لیے میں نے مسلح محافظ کو اشارہ کیا اور اس نے مقبول کے چہرے پر چند ہی مکے لگائے تھے کہ اس کا سارا کس بل نکل گیا اور وہ گڑ گڑانے پر اتر آیا۔

اکرم الٰہی نے سارے الزام اس پر عائد کیے تھے۔ مقبول چوہدری نے اپنے ماموں کے خلاف شکایتوں کا دفتر کھول دیا۔

اس کا کہنا تھا کہ اس کا ماموں بلا کا شراب نوش اور عورتوں کا رسیا تھا۔ ان عیبوں کی وجہ سے اس کی شادی ناکام رہی تھی اور پھر وہ شان و شوکت سے تجرد کی آزادانہ زندگی کا عادی ہوتا چلا گیا۔

اس نے اپنے کاموں میں مدد کے لیے مقبول کو اپنے ساتھ شریک کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مقبول کو اپنی آمدنی کے بڑے ذرائع کا علم ہو گیا۔ اس نے اپنی بنیاد فورڈ فاؤنڈیشن کے پیسے سے بنائی پھر اپنے مراسم کے سہارے ہیروئن کی اسمگلنگ کرنے والوں کے ساتھ سرمایہ کاری شروع کر کے لمبی رقمیں بٹورنے لگا۔

کچھ دنوں میں مقبول کو اندازہ ہوا کہ اس کے ماموں کی بیشتر آمدنی اس کی ذاتی محنت کا ثمر ہے۔ وہ خود عیش و عشرت میں پڑا رہتا اور مقبول کو احکام جاری کرتا رہتا۔ اپنے اخراجات کے معاملے میں وہ پوری فیاضی سے کام لیتا لیکن مقبول کو سسکا سسکا کر رقم دیتا تھا۔ اخراجات کی اس تنگی نے مقبول کے دل و دماغ میں بغاوت کا بیج بو دیا۔

پہلے اس نے فورڈ فاؤنڈیشن کے کچھ عہدے داروں سے قریبی مراسم استوار کیے پھر ان سے امریکی شہریت حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے ماموں کو خاموشی سے ٹھکانے لگا کر ساری جمع پونجی سمیت امریکا منتقل ہو جائے گا مگر فورڈ فاؤنڈیشن میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ایجنٹوں کو پاکستان میں اپنے کام کی تکمیل کے لیے اکرم الٰہی کے متبادل کی ضرورت تھی۔ انہوں نے امریکی شہریت کے حصول کے لیے مقبول کی حوصلہ شکنی کی مگر اکرم الٰہی کے خلاف اسے اکساتے رہے۔

مقبول کو اندازہ تھا کہ اس کھیل میں اصل اہمیت اس کی نہیں بلکہ اس کے ماموں کی بنائی ہوئی فائل کی تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن والے مقبول کے ذریعے وہ کاغذات حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

ایک مناسب موقع پر مقبول نے چالاکی سے کام لے کر اکرم الٰہی کو مائیکرو سینٹر کے تہ خانے میں قید کر کے خود فریڈم انٹرنیشنل کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اس سے پہلے اکرم الٰہی نے اسے کوئی رقم دینے سے صاف انکار کر کے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنے اخراجات کے لیے صرف مائیکرو موٹرز سے ہونے والی آمدنی کا چوتھائی حصہ لیتا رہے۔

مائیکرو موٹرز سے ہونے والی یافت کا دوسرا چوتھائی حصہ، اکرم الٰہی اپنی بہن یعنی مقبول چوہدری کی ماں کو لاہور بھجوا دیتا تھا جہاں وہ بیوگی کے عالم میں سات بچوں کے ساتھ رہ رہی تھی۔ مقبول اس کی آٹھ اولادوں میں سب سے بڑا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔

اس نے اپنے ماموں پر ہاتھ ڈالتے ہی یہ مشہور کردیا کہ وہ بیرون ملک چلا گیا ہے اور خود پورے نظم و نسق پر اپنا اختیار مضبوط کرنے میں مصروف ہوگیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس نے ہیروئن کے ان سوداگروں سے بالکل قطع تعلق کرلیا جو اس کے ماموں کے چہیتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ دوسرے ذرائع سے ہونے والی آمدنی ہی اس کے لیے کافی تھی۔

ماموں کو زندہ رکھنا اس کی ایک مجبوری تھی۔ فورڈ فاؤنڈیشن میں موجود افراد مقبول سے کام ضرور لیتے تھے لیکن فاؤنڈیشن کے بھاری فنڈز ان کی دسترس سے باہر تھے۔

ہر سازشی تنظیم کی طرح فورڈ فاؤنڈیشن سے ایشیائی ہمدردوں کے لیے رقوم کی فراہمی کا اختیار صرف اور صرف فاؤنڈیشن کے امریکی نژاد وائس چیئرمین کو تھا۔ جب سے اکرم الٰہی نے اپنے مطالبات کی تکمیل کے لیے اسے آنکھیں دکھائی تھیں، اس نے فنڈز کے اجرا کا روایتی طریقہ اچانک ترک کردیا تھا اور رقوم صرف اکرم الٰہی سے براہِ راست بات کرنے کے بعد جاری کرتا تھا۔

"اکرم الٰہی کی وہ فائل کہاں ہے جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا؟" اس کی کتھا پوری ہوجانے کے بعد میں نے سختی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"فائل؟" اس نے بھڑک کر میری طرف دیکھا پھر ہذیانی لہجے میں بولا "میں کسی فائل سے واقف نہیں۔ مجھے تم بھی ان لوگوں کے گرگے معلوم ہوتے ہو جو کبھی کبھی میرے ماموں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔"

وہ اندیشہ شروع سے اس کے ذہن میں پرورش پا رہا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن والے دوستی اور ہمدردی کی آڑ میں اس سے کاغذات واپس لینے کی کوشش کریں گے۔ میں نے فوری طور پر مقبول چوہدری کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا "شاید تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ جو چیز حاصل کرنے کا ارادہ کرلیں، اس تک پہنچے بغیر دم نہیں لیتے۔ تم نے سیدھی طرح تعاون نہ کیا تو ہم ایک ایک کرکے تمہاری ساری ہڈیاں توڑ دیں گے۔"

"تم جو بھی ہو، پاکستانی ہو۔" میرے ان الفاظ پر اس کا لب ولہجہ ایک دم تبدیل ہوگیا "تمہیں نہیں معلوم کہ تم کن لوگوں کے جال میں پھنس گئے ہو۔ بیچ میں مت آؤ۔ میں ان لوگوں کو خود دیکھ لوں گا۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے اس کے زخمی اور متورم چہرے پر تھپڑ مار کر کہا "تم ایک مدت سے ان کا مال کھا رہے تھے۔ اب ہماری باری آئی ہے تو تمہیں پاکستان یاد آرہا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ فرش پر خون تھوکتے ہوئے بولا "دم خم ہے تو وہ فائل خود ڈھونڈ لو۔"

"ہم نرگس کو بھی یہیں اٹھا لائیں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں اسے دھمکی دی "اس کی ماں کو یہ جان کر افسوس ہوگا کہ تم کوئی کروڑ پتی نہیں، بالکل کنگال آدمی ہو۔"

"تم اسے ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔" وہ تڑپ کر بولا "مرد ہو تو مجھ سے لڑو۔ عورت کو بیچ میں کیوں لاتے ہو؟"

"وہ تمہاری عورت نہیں، محفلوں کی جان ہے۔ تمہارا سوگ منانے کے بجائے وہ آج شام ایک گجراتی سیٹھ کے مجرے میں گئی ہوئی ہے۔ ایسی عورتیں صرف پیسے کی یار ہوتی ہیں۔" میں نے اسے غیرت دلائی۔

"تم مجھے اس کے خلاف نہیں بہکا سکتے۔ وہ گندے ماحول میں ضرور رہتی ہے مگر بہت اچھی لڑکی ہے، کیچڑ میں کھلے ہوئے خوب صورت کنول کی طرح..... خدا کے لیے اس کا ذکر ایسی بے دردی سے نہ کرو۔"

"تم سے یہ ساری پوچھ گچھ رسمی سی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "تم نے زبان نہ کھولی تو بھاری خسارے میں رہو گے۔"

"میں نے تمہیں ہر بات بتا دی ہے۔ وہ فائل میری ہے۔ اس کے بارے میں، میں کسی کو ہوا نہیں لگنے دوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اکرم الٰہی اکیلا نہیں تھا۔ تمہاری آپس کی لڑائیاں دکھاوے کی تھیں ورنہ اس فائل کے بارے میں تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہو۔"

"تم یہ سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو۔ اب اکرم الٰہی مر کر بھی ان کاغذوں تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"مگر میری یہ بات لکھ لو کہ ان کاغذات کے ساتھ تم بھی بے موت مارے جاؤ گے۔"

"مفلسی کی زندگی سے بہتر ہے کہ آدمی اپنے اثاثوں کے لیے جان دے دے۔"

وہ کسی وجہ سے دوبارہ حوصلہ پکڑ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر عمل بھی کر گزرے گا۔ میں نے چوہے اور بلی کا وہ کھیل وہیں ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"اگر تم فائل کے بارے میں زبان نہیں کھول رہے تو پھر یہ بتاؤ کہ نسرین کے پاس رکھوائے ہوئے بریف کیس میں کیا ہے۔ وہ تمہارا شجرۂ نسب تو ہو نہیں سکتا ورنہ تم اسے

Downloaded from https://paksociety.com

ایسے گند خانے میں نہ پہنچاتے۔"

نسرین اور پھر بریف کیس کے ذکر پر اسے شدید ذہنی جھٹکے لگے۔ اس کے زخم خوردہ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"وہ اس بریف کیس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے گی۔ تم اسے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

اس نے سارا پس و پیش ختم کر کے خوش امیدی کا سہارا لینا شروع کر دیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی "تم نے سچ بولنے کا موقع کھو دیا ہے۔ تمہیں یہاں لانے کے بعد ہم سو نہیں گئے تھے۔ تمہارے اور نرگس کے تعلق کے بارے میں مسلسل کام ہوتا رہا ہے۔ وہ بریف کیس کسی بھی وقت ہمارے قبضے میں آجائے گا۔"

وہ انکشاف سن کر مقبول چوہدری کا ذہن پٹڑی سے اتر گیا۔

"نسرین باجی اس بریف کیس کی قدر و قیمت سے اچھی طرح واقف ہے۔ اگر میں نے تین مسلسل راتیں وہاں بسر نہ کیں یا نرگس کو ساتھ نہ لے گیا تو وہ بریف کیس نسرین کا ہو جائے گا۔ اس میں رکھی ہوئی رقم اس کی ہوگی اور وہ فائل والا لفافہ کسی پولیس افسر کو پہنچا دے گی۔" وہ ہذیانی انداز میں زور زور سے چیخ رہا تھا "میں ایک رات یہاں گزار چکا ہوں۔ دوسری شروع ہو چکی ہے اور تیسری گزرتے ہی کھیل ختم ہو جائے گا۔"

"اس سے پہلے وہ بریف کیس ہمارے پاس آچکا ہوگا۔ ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

وہ حلق پھاڑ کے ہنسا "ہاتھ لمبے ہیں تو پھر مجھے کہانیاں کیوں سنا رہے ہو۔۔۔؟ وہ بریف کیس اب تک تمہارے قبضے میں کیوں نہیں آیا۔۔۔؟ نرگس اور نسرین باجی تمہیں اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دیں گی۔"

اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ چل کر نسرین سے اپنا بریف کیس واپس لے کر ہمارے حوالے کر دے گا۔ اس نے میرے اس شبے کی تصدیق کر دی تھی کہ اکرم الٰہی کی فائل اسی بریف کیس میں تھی لیکن میرا یہ خیال باطل ثابت ہوا تھا کہ اس بریف کیس میں صرف فائل ہی تھی۔

اس نے اپنے کسی بُرے انجام کے پیشِ نظر اکرم الٰہی اور فورڈ فاؤنڈیشن کی ساکھ کی تباہی کا پورا پورا بندوبست کیا ہوا تھا۔ نسرین ایک حریص اور بدکردار عورت تھی۔ نیا کے مطابق وہ پہلے ہی مقبول چوہدری کے بریف کیس پر دانت لگائے بیٹھی تھی۔

یہ پتا نہیں تھا کہ مقبول نے رقم اور فائل کے بارے میں نسرین کو زبانی کچھ بتایا تھا یا پھر اس بارے میں بریف کیس ہی میں کوئی ہدایت نامہ رکھا ہوا تھا۔ اس بارے میں اس نے میرے ہر سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔

دونوں میں سے کوئی بھی صورت ہوتی، وہ حریص عورت بریف کیس ضرور کھولتی اور پھر رقم اپنی تحویل میں لے کر شاید وہی کر گزرتی جو مقبول چوہدری چاہتا تھا۔ وہ مرحلہ آنے سے پہلے بریف کیس حاصل کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

○☆○

اکرم الٰہی اور مقبول، دونوں ہی ملک و قوم کے کھلے غدار تھے اور انہیں اس سرزمین پر زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں تھا جس سے وہ نمک حرامی کر رہے تھے۔ میں نے اسٹیشن فورسے روانہ ہونے سے پہلے ہی اول خان اور غزالہ سے اس بارے

محکمۂ راز داری پر کشانی

امریکا سے واپسی پر اقلیم صاحب کا سامان کچھ زیادہ ہو گیا اور انہیں ایک فاضل سوٹ کیس کی ضرورت پڑ گئی۔ بازار جانے کا وقت نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے امریکی میزبان سے ایک سوٹ کیس مستعار لے لیا۔

ائرپورٹ پر چیکنگ کے دوران میں نہ جانے کیوں ایک کسٹم آفیسر کو وہی سوٹ کیس کچھ مشکوک لگا۔ اس نے نہ صرف تفصیلی تلاشی لی بلکہ ایک تربیت یافتہ کتا بھی منگا لیا۔ کتا آتے ہی سیدھا اس سوٹ کیس کی طرف گیا اور پاگلوں کی طرح اس کے گرد چکر کاٹتے ہوئے بری طرح بھونکنے لگا۔ کسٹم والوں نے ایک بار پھر بہت اچھی طرح چیک کیا مگر کوئی قابلِ اعتراض چیز برآمد نہ ہوئی۔

پاکستان پہنچ کر اقلیم صاحب نے اپنے امریکی میزبان کو فون کر کے تمام صورتِ حال بتاتے ہوئے کہا "تمہارے سوٹ کیس نے تو بہت شرمندہ کرایا۔ آخر کتا اسے سونگھ سونگھ کر پاگل کیوں ہوا جا رہا تھا؟"

"اوہ۔۔۔!" امریکی نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "ہم آپ کو بتانا بھول ہی گئے تھے کہ اس سوٹ کیس میں ہماری بلی سوتی تھی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں مشورہ کیا تھا اور وہ دونوں میرے ہم خیال تھے۔

ان دونوں کو جہنم واصل کرنے کا کام ایس ٹی ایف کا کوئی گارڈ بھی آسانی سے انجام دے سکتا تھا۔ وہ ذمے داری اول خان کے سرڈال کر میں غزالہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگیا اور اول خان بھی ہمارے پیچھے پیچھے اپنے گھر کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

میں بریف کیس کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔ مجھے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ نیا ایک جلد باز اور جذباتی لڑکی تھی۔ میں آسانی سے اپنی باتوں کا جادو چلا کر' اس کے ذریعے بریف کیس نکلوا سکتا تھا لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اناڑی لڑکی اپنی ذات کو ہر شک و شبے سے دور رکھنے میں کامیاب ہوجاتی۔

جوں ہی نسرین پر بریف کیس غائب ہونے کا انکشاف ہوتا' اس چار دیواری میں اپنا وقت گزارنے والی لڑکیاں عتاب میں آجاتیں۔ نسرین ایک پورے گروہ کی سربراہ تھی۔ اس کے سامنے نیا زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتی تھی۔ وہ بریف کیس میرے حوالے کرنے کے بعد ان کا سامنا کرتی تو تشدد کے نتیجے میں سب کچھ اگل دیتی اور اگر بریف کیس کے ساتھ خود بھی غائب ہوجاتی تو نسرین کو کسی سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ فوری طور پر نیا کی تلاش شروع کردی جاتی۔

معاملہ صرف نیا کی ذات کا ہوتا تو اسے کوئی معقول رقم دے کر کسی دوسرے شہر کی طرف روانہ کیا جاسکتا تھا جہاں وہ نسرین اور اس کے غنڈوں کی دست برد سے محفوظ رہتی لیکن اس کے ساتھ اس کے ماں' بھائی اور بہنوں کا بھی مسئلہ تھا۔ نیا کا سراغ نہ ملنے کی صورت میں نسرین اپنے آدمیوں یا شناسا افسروں کے ذریعے ان سب کا جینا حرام کردیتی۔

میں سارے راستے اس مسئلے میں الجھا رہا۔ نیا گھر کی بھیدی ہوتے ہوئے بھی میرے لیے کار آمد نہیں تھی۔ اسے استعمال کرنے کے نتیجے میں جو حالات رونما ہوتے' وہ مجھے زندگی بھر ضمیر کی ملامت میں مبتلا رکھنے کے لیے کافی ہوتے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر میں اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ کام ایس ٹی ایف کے جوانوں کے ڈنکے کی چوٹ پر کرنا چاہیے۔

نسرین کے گھر کے بارے میں یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہاں کی تمام تر رونق اور رنگینی اندھیرا ہونے کے بعد پروان چڑھتی ہوگی دن کے اجالے میں وہ سب اپنے بے روپ چہرے چادروں میں لپیٹ کر اپنے اپنے کونوں کھدروں میں پڑی سوتی رہتی ہوں گی۔

نیا نے مجھ سے کسی اور کا ذکر نہیں کیا تھا مگر نسرین اور اس کی دو بیٹیوں کے بارے میں یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ تینوں اسی گھر میں رہتی تھیں۔ اپنے گھروں میں کہیں نہ کہیں ملازمت کا بہانہ کرکے نسرین کے اشاروں پر ناچنے والی دوسری لڑکیاں شام کے مقررہ اوقات میں وہاں آتی تھیں اور وقت گزار کر رات گئے یا منہ اندھیرے گھروں کو لوٹ جاتی تھیں۔

ان کلیدی نکات کی روشنی میں نسرین کے گھر دھاوا بولنے کے لیے صبح کا وقت ہی بہترین تھا۔ نو بجے کے بعد اس علاقے کے بیشتر مرد اپنی ملازمتوں یا کاروبار کے سلسلے میں گھروں سے نکل چکے ہوتے۔ چند اجنبی نسرین کے گھر پہنچتے تو محلے میں کسی کو شبہ نہ ہوتا کیونکہ اس گھر میں اجنبیوں کی آمد و رفت ایک معمول کا درجہ رکھتی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے اراکین ایسی مہمات میں عام طور پر سادہ' شہری لباس ہی استعمال کرتے تھے لیکن ان میں سے بیشتر کی وضع قطع ایسی تھی کہ مسلح حالت میں ان پر فوجیوں کا گمان ہوتا تھا۔

حسن اسکوائر سے ذرا پہلے تک ہمارا اور اول خان کا راستہ ایک ہی تھا۔ میں یونیورسٹی روڈ پر غزالہ سے باتیں کرتا ہوا آگے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اول خان میرے پیچھے آرہا تھا۔ صبح کی کارروائی کے بارے میں ایک نتیجے پر پہنچتے ہی میں نے انڈی کیٹر اور ہاتھ کا اشارہ دے کر اول خان کو اپنے پیچھے' سڑک کے کنارے رکنے کا اشارہ دیا اور بتدریج گاڑی روک دی۔

اول خان کو شبہ ہوا کہ ہماری گاڑی میں کوئی خرابی ہوگئی ہے۔ وہ انجن بند کرتے ہی فکر مندانہ انداز میں ہماری طرف لپکا تھا مگر میں اسی اثنا میں اپنی گاڑی سے اتر چکا تھا۔

"کیا ہوا.... خیریت تو ہے؟" اس نے اسٹریٹ لیمپس کی مدھم روشنی میں میرے لبوں کی مسکراہٹ دیکھے بغیر سوال کیا۔

"سب ٹھیک ہے۔ تم نے میری تھوڑی سی رات کالی کی ہے تو میں نے سوچا کہ میں کیوں نہ تمہارا دن خراب کروں۔ بریف کیس کے لیے ہمیں صبح ہی کارروائی کی تیاری کرنی پڑے گی۔"

"تم جس وقت اور جہاں چاہو' ملاقات ہوسکتی ہے۔" اس نے کسی عذر کے بغیر کہا۔

"یہ کام تمہارے آدمی ہی کرسکتے ہیں۔ میرے یا تمہارے جانے کی ضرورت نہیں پھر بھی میں نے تمہارے

Downloaded from https://paksociety.com

تین آدمیوں کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ سبب یہ ہے کہ وہ گھر کسی حد تک میرا دیکھا بھالا ہے۔ تلاشی میں ذرا سی سہولت رہے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے نیا کے فون کا انتظار کرنے کا ارادہ ترک کردیا ہے۔"

میں نے سرہلا کر اس کے اندازے کی تائید کی اور پھر اختصار سے اسے اپنے فیصلے کی وجوہ سے آگاہ کرنے لگا۔

ایک پروگرام طے کرکے ہم دوبارہ چل پڑے۔ میں نے گاڑی بائیں جانب موڑلی۔ اول خان جمشید روڈ پر واقع اپنے گھر کے لیے یونیورسٹی روڈ پر سیدھا نکلتا چلا گیا۔

گھر پہنچ کر میں نے اس بات پر اطمینان کا سانس لیا کہ فضا خوشگوار تھی۔ ویرا اور سلطان شاہ کے درمیان دور دور تک تکدر کے ذرا بھی آثار نہیں تھے۔ وہ دونوں ٹیلی وژن کھولے، ہمارے انتظار میں پروگرام دیکھ رہے تھے۔

اسٹیشن فور پر جو کچھ ہوا، وہ کسی کے لیے بھی غیر متوقع نہیں تھا۔ میری طرح ان دونوں کو بھی اس بات پر حیرت تھی کہ بے بسی کے احساس میں پوری طرح گھر جانے کے باوجود مقبول چوہدری نے فائل کے بارے میں اپنی زبان کیوں نہیں کھولی۔

ڈھانچے اور ساخت میں بنیادی مماثلت کے باوجود ہر انسان اپنے مزاج اور ذہنی ساخت میں دوسروں سے اتنا مختلف ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں حتمی طور پر کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ وہ کسی بھی لمحے اپنے مقابل کو چونکانے یا متحیر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مقبول چوہدری نے اپنے رویے سے اس اصول کی توثیق کی تھی جبکہ اکرم الٰہی اس کے برعکس ثابت ہوا تھا۔

اگلی صبح نو بجے اول خان کے تین آدمی اس کی لینڈ روور میں ہمارے دروازے پر آپہنچے۔ اس مہم میں وقت کی بہت زیادہ اہمیت نہیں تھی اس لیے میں تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر ان کے ساتھ ہولیا۔

اول خان نے اپنے تینوں آدمیوں کا انتخاب بہت احتیاط سے کیا تھا۔ ان کے جثے اور چہرے مہرے واقعی مرعوب کن تھے۔ ان پر پہلی نگاہ پڑنے کے بعد یہ پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی کہ وہ کس ادارے سے تعلق رکھتے تھے۔

لینڈ روور کی نمبر پلیٹ بھی بدلی ہوئی تھی۔ اصلی نمبر پلیٹ کی جگہ نیا شہری نمبر نظر آرہا تھا۔ نمبر پلیٹ کے اوپری حصے پر غلاف چڑھا ہوا تھا۔ میں نے فوجی نمبر پلیٹ والی گاڑیوں پر ایسے ڈھکے ہوئے حصے دیکھے تھے جن پر شاید ستارے بنے

→→→

بے روپ چہرے اور اڑی اڑی سی رنگت والی ایک ادھیڑ عمر عورت نے دروازہ کھولا۔ ہم چاروں اور ہمارے عقب میں کھڑی ہوئی لینڈ روور پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں اور ہونٹ خشک ہوگئے۔

میں اس گھر میں صرف نیما سے ملا تھا' نسرین سے تعارف نہیں ہوا تھا۔ میں نے نیما کی زبانی اس کا نام سنا تھا۔ میں نے اندازہ لگاتے ہوئے اس سے کہا "ہمیں نسرین سے ملنا ہے۔"

"مم... میں... ہی... نس... نسرین ہوں۔" اپنے چپکتے ہوئے ہونٹوں کی وجہ سے وہ بمشکل کہہ سکی۔

"اندر چلو۔ ہمیں تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔" اس نے اسی طرح ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

"ہمیں معلوم ہے۔" میں نے اطمینان سے کہا "ہمیں شکایتیں ملی ہیں کہ سرشام سے اس گھر میں اجنبی مردوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔"

میری زبان سے وہ دو ٹوک الفاظ سن کر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں راستہ چھوڑ دیا۔

وہ کتنی بھی گئی گزری تھی مگر اسے یہ پسند نہیں تھا کہ اس کے سیاہ کرتوتوں کے بارے میں گلی میں کھڑے ہوکر تبادلہ خیال کیا جائے۔ اپنے گھر کی بات وہ گھر کی حدود میں ہی طے کرنا چاہتی تھی۔

وہ سیدھی اپنے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ میں نے آنکھ کے اشارے سے اپنے تینوں ساتھیوں کو باہر' احاطے میں ہی رکے رہنے کی ہدایت کی اور نسرین کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ محلے والے تم سے کتنے بدظن ہیں" میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہی بات چھیڑی "تھانے میں تمہاری شکایتیں آتی ہیں اور دہائی جاتی ہیں۔ شرفا اپنی عزت کی وجہ سے کھل کر تمہارے سامنے نہیں آتے مگر اب بات بگڑ گئی ہے۔"

"محلے والے بلاوجہ ہمارے دشمن ہیں صاحب!" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر ہکلاتے ہوئے خوشامد پر اتر آئی "کئی بدمعاش میری بیٹیوں پر بری نظر رکھتے ہیں۔ ہم ماں بیٹیوں کو بدنام کرنے کے لیے وہ ایسی گھٹیا حرکتیں کرتے رہتے ہوں گے... آپ تھانے والوں سے پوچھ لیں۔ انہیں ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ہم تو ہر افسر کی عزت اور خدمت کرتے ہیں۔"

میں نے اس کے آخری اور ذومعنی فقرے کی گرفت کرنے کے لیے کہا "مقبول چوہدری نے تمہیں اس سے بھی بڑے چکر میں پھنسا دیا ہے۔ اگر اپنی خیریت چاہتی ہو تو اس کا رکھوایا ہوا بریف کیس لے آؤ۔ ہم خاموشی سے واپس لوٹ جائیں گے۔"

"وہ... وہ تو اس کی امانت ہے" اس نے مزاحمت کی مگر وہ بریف کیس کی موجودگی سے انکار نہیں کرسکی۔

"ٹال مٹول میں مت پڑو" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "بریف کیس میں تھوڑی سی رقم کے ساتھ صرف کاغذ بھرے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی خزانہ نہیں ہے جو تمہاری زندگی بدل سکے۔"

"کاغذ ہیں!" اس کے چہرے پر مایوسی کی لکیریں پھیل گئیں "وہ تو اس بریف کیس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز بتا رہا تھا۔"

"ان کاغذوں کی اہمیت ہمارے لیے ہے یا اس کے لیے تھی۔ وہ غدار اور جاسوس ہے۔ تم نے میرے حکم پر عمل نہیں کیا تو ہم اس گھر کی تلاشی لے کر وہ بریف کیس ڈھونڈ لیں گے اور تم اندر ہوجاؤ گی۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ غداری اور جاسوسی کے الزامات نے اس پر براہِ راست اور گہرا اثر کیا تھا۔

"آپ یہیں بیٹھیں۔ میں بریف کیس لے کر آتی ہوں" اس نے خوف زدہ آواز میں کہا اور اندر چلی گئی۔

مجھے اطمینان تھا کہ میرے ساتھیوں نے اس دوران میں گھر سے نکاسی کا ہر راستہ مسدود کردیا ہوگا۔ اگر نسرین بریف کیس لے کر بھاگنے کی کوشش کرتی تو ایس ٹی ایف والے اسے ناکام بنا دیتے۔

میں نے وقت گزارنے کے لیے سگریٹ سلگالی لیکن نسرین میری توقع سے پہلے ہی لوٹ آئی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں قیمتی برانڈ کا سیاہ بریف کیس جھول رہا تھا۔

نسرین نے بریف کیس کے بارے میں میری باتیں سن لی تھیں پھر بھی اس کی جان اسی میں اٹکی ہوئی تھی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے بریف کیس میرے سامنے رکھ دیا اور بولی۔ "مقبول آیا تو میں اس سے کیا کہوں گی۔"

"وہ اب ہمارا مہمان ہے۔ زندگی بھر تمہارا رخ نہیں کرسکے گا" میں نے اسے یقین دلایا۔

نسرین نے بریف کیس میرے حوالے کردیا تھا مگر حسرت

Downloaded from https://paksociety.com

بھری حریصانہ نظروں سے اسی کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ اس سے محرومی کے بعد وہ ہر ایک سے روتی گاتی رہے گی کہ کچھ افسروں نے اسے ایک بھرے خزانے سے محروم کردیا۔ اس سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن ہماری غیر حقیقی فوجی شناخت کے حوالے سے ایک بے بنیاد کہانی پھیل سکتی تھی۔

میں نے بریف کیس نسرین کے سامنے کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ اس طرح آگے بڑھ آئی کہ بریف کیس کھلتے ہی اس کا اندرونی جائزہ لے سکے۔

بریف کیس مقفل تھا۔ میں نے اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالا تو نسرین سہم گئی۔ میں نے احتیاط سے چیمبر خالی کرکے گولیاں اپنی جیب میں ڈالیں اور خالی ریوالور کے آہنی دستے کی ضربات سے یکے بعد دیگرے دونوں تالے توڑ دیے۔

سب سے اوپر ایک کاغذ پر نسرین کے لیے من وعن وہی ہدایات درج تھیں جو مقبول چوہدری مجھے بتا چکا تھا۔ میں نے جلی حروف میں لکھا ہوا' وہ کھلا ورق تہ کرکے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

اس کے نیچے ہزار روپے کے نئے نوٹوں کی ایک گڈی اور پانچ سو کی دو گڈیاں موجود تھیں۔ اگر ان تینوں گڈیوں میں نوٹ پورے تھے تو وہ کل رقم دو لاکھ روپے بنتی تھی۔

گڈیوں کے نیچے بڑے سائز کا ایک لفافہ تھا جس میں ہماری مطلوبہ فائل موجود تھی۔ فائل میں فورڈ فاؤنڈیشن کے متعدد لیٹر ہیڈز اور ان پر مطبوعہ پیغامات موجود تھے۔ کئی لمبے ٹیلیکس پیغام بھی تھے۔ میں نے فائل دوبارہ لفافے میں رکھ لی۔

"اس میں تو کاغذوں کے ساتھ دو لاکھ روپے بھی ہیں" نسرین نے اپنی ہتھیلیاں ملتے ہوئے کہا "آپ کو کاغذوں کی تلاش تھی۔ مجھے اپنی بچیوں کے لیے رقم کی ضرورت تھی۔ آپ مجھ پر رحم کریں تو ہم دونوں کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔"

میں نے خفگی سے اسے گھورا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ میں نے پانچ سو کے نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف اچھال کر کہا "یہ رکھ لو اور اب بھول جانا کہ مقبول نے تمہیں کوئی بریف کیس دیا تھا۔"

بقیہ دونوں گڈیاں بھی میں نے فائل والے لفافے میں ڈالیں اور شکستہ بریف کیس وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا۔

مفت میں پچاس ہزار روپے ہاتھ آجانے پر نسرین بہت خوش تھی۔ ہماری آمد پر اسے جس خوف اور دہشت سے گزرنا پڑا تھا' وہ سرے سے غائب ہوچکی تھی۔

اس نے دروازے پر ہمیں ایسے تپاک سے رخصت جیسے اپنے قریبی رشتے داروں کو الوداع کہہ رہی ہو۔

○☆○

اس فائل میں کل چھتیس کاغذ تھے جو تاریخوں حساب سے ترتیب وار لگے ہوئے تھے۔ آخری کاغذ کی تا تقریباً چھ ماہ پرانی تھی اور وہ ساری پیغام رسانی کم وبیش سال کے عرصے پر محیط تھی۔

ایس ٹی ایف والوں نے واپسی پر مجھے گھر پر اتارا تو خان کی دوسری گاڑی باہر موجود تھی۔ وہ اپنے دفتر جانے بجائے میری کارگزاری کا جائزہ لینے کے لیے وہاں آگیا تھا ان کاغذوں کو پنسل سے ترتیب وار نمبر ڈال کر ہم آپس میں بانٹ لیا۔

اکرم الٰہی نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے جو مواد اکٹھ تھا۔ وہ ہمارے لیے چشم کشا ثابت ہوا۔ فورڈ فاؤنڈ والے خود پس پردہ رہ کر فریڈم انٹرنیشنل کے ذریعے پاکست کے قومی مسائل میں کھل کر مداخلت کررہے تھے۔ ان بھیجے ہوئے پیغامات میں کام اور موضوعات کی نشان دہی ساتھ ساتھ ان افراد کے نام بھی موجود تھے جن کو مقامی حمایت اور پشت پناہی فراہم کی جاتی تو وہ سنگین مسا کھڑے کرسکتے تھے۔ ان میں سے بعض نام اخباری سرخ کی زینت بن چکے تھے۔

وہ چھتیس ٹیکس اور ٹیلیکس پیغامات یہ ثابت کرنے لیے کافی سے زیادہ تھے کہ عالمی سطح پر انسانی حقوق' آزا اظہار اور باہمی رواداری جیسے دل خوش کن نعرے لگا والی فورڈ فاؤنڈیشن پاکستان میں علاقائی اور لسانی عصبیتو پروان چڑھانے کی سازشیں کررہی تھی۔ بات یہیں پر نہیں ہوجاتی تھی بلکہ تین مختلف پیغامات میں ایک ایسا مشترک تھا جس سے تعاون پر گہرا زور دیا گیا تھا۔

وہ نام مراد ظریف کا تھا۔ اپنی لفظی ترکیب سے وہ مقامی مسلمان کا نام معلوم ہوتا تھا۔ پیغامات میں کہیں اس کوئی پتا یا فون نمبر موجود نہیں تھا۔ بس پہلے پیغام میں یہ تھا کہ باقی تفصیلات فون پر بتادی جائیں گی جب کہ ان چھتیس کاغذوں میں گاہے گاہے نظر آنے والے ناموں کے بار میں ایسی رازداری سے کام نہیں لیا گیا تھا۔

ہر نام کے ساتھ اس سے رابطے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ رابطے کا مقصد بھی درج تھا لیکن مراد ظریف بس ایک تھا۔ سراغ کے علاوہ یہ تذکرہ بھی نہیں تھا کہ وہ فو

Downloaded from https://paksociety.com

فاؤنڈیشن والوں کے لیے کام کیا کررہا تھا۔ تین پیغامات میں اس کے نام کی تکرار سے یہ ضرور ظاہر ہورہا تھا کہ وہ شخص فورڈ فاؤنڈیشن کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا تھا۔ ان تین میں سے آخری پیغام اس فائل کا بھی آخری پیغام تھا جو چھ ماہ پرانا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ جب فورڈ فاؤنڈیشن والوں کو اکرم الٰہی کی نیت پر شبہ ہوا اور اس نے انہیں بلیک میل کرنا شروع کیا تو مراد ظریف' اکرم الٰہی سے سرگرم اور گہرے رابطے میں آچکا تھا۔

خدا خدا کرکے اکرم الٰہی کی فائل کا صبر آزما مسئلہ حل ہوا تو مراد ظریف کا نام ایک بڑا سوالیہ نشان بن کر سامنے آچکا تھا۔

اکرم الٰہی نے جو کچھ کیا' بہت قرینے سے کیا تھا۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی مشتبہ سرگرمیوں پر اچھا خاصا قرطاس ابیض تیار کرکے رکھ دیا تھا۔ اس سے ایک طرف فاؤنڈیشن کے عزائم بے نقاب ہوئے تھے تو دوسری طرف یہ بات سامنے آئی تھی کہ مقامی این جی اوز کس طرح اور کس حد تک غیر ملکی مفادات سے وابستہ ہوکر پاکستان کے خلاف کام کررہے تھے۔

"فورڈ فاؤنڈیشن امریکا میں قائم ایک بین الاقوامی این جی او یا غیر سرکاری ادارہ ہے۔ ہم اس فائل سے اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟" سلطان شاہ نے کافی دیر تک کاغذوں پر مغزماری کے بعد پوچھا۔

"تم دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔ میں ان کاغذوں کی ایک نقل اسلام آباد بھیجوں گا اور پھر یہ دستاویزات مغربی پریس کو جاری کی جائیں گی۔ ان لوگوں کو ذرا سا بھی سراغ مل جائے تو وہ اندر تک نیچے ادھیڑ ڈالتے ہیں" اول خان نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا "تازہ واقعات کے بعد فاؤنڈیشن والوں کا ایکسٹرمل امریکیوں کے لیے مزید شرمندگی کا باعث بنے گا۔"

"انہیں کتنی شرم دلاؤ گے" ویرا نے استہزائیہ لہجے میں کہا "امریکی بہت بے شرم ہوتے ہیں' تمہاری طرح نہیں ہوتے کہ ذرا ذرا سی بات پر شرم سے لال گلابی ہوکر زمین میں گڑ جائیں۔"

"اوہ... میرے خدا؟" اول نے اچانک ہی میز پر سے موبائل فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

"کیا ہوا؟ تم ایک دم کیوں پریشان ہوگئے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اکرم اور مقبول" اول خان نے نمبر ملاتے ہوئے عجلت میں جواب دیا "میں نے حامد کو ان کے ڈسپوزل کے لیے کہہ دیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس نے اپنا کام پورا کرلیا ہو۔"

مختصر مختصر

- اس کی بھویں مصنوعی ہیں' پلکیں مصنوعی ہیں' ناک کا تیکھا پن سرجری کا مرہون منت ہے... صرف جھریاں اس کی اپنی ہیں۔
- ایک امریکی کا مطالبہ۔

"خطرناک سائنسی تجربات میں آئندہ چوہوں کی جگہ سیاست دانوں کو استعمال کیا جائے۔"

- ایک صاحب بیک وقت جانوروں کے ڈاکٹر بھی تھے اور جانوروں کی کھال میں بھس بھر کر انہیں محفوظ کرنے کا کام بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بورڈ پر لکھا ہوا تھا۔

"دونوں صورتوں میں آپ کا جانور آپ کو واپس مل جائے گا۔"

- ایک گاڑی کے پیچھے ایک اسٹکر لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا۔

"اگر آپ یہ پڑھ سکتے ہیں تو پھر آپ یقیناً بس ڈرائیور نہیں ہیں۔"

- فوج میں جاکر مجھے معلوم ہوا کہ "یہ کام ابھی کرنا ہے" کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

○☆○

- "میں فیصلہ نہیں کرپارہی کہ مجھے یہ مضمون لکھنا چاہیے یا نہیں۔ اخبار والے مجھ سے یہ مضمون لکھوانے کے لیے اصرار کررہے ہیں۔"

"مضمون کا عنوان کیا ہے؟"

"اپنی قوت فیصلہ بڑھایئے۔"

○☆○

- مچھلی کا شکار بہت عمدہ مشغلہ ہے... لیکن بس یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مچھلی پکڑی کیسے جائے۔
- "اپنا رپورٹ کارڈ دکھاؤ۔"

"وہ تو میرا دوست مانگ کرلے گیا ہے۔ وہ اپنے ڈیڈی کو ڈرانا چاہتا ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان کو اپنا مطلوبہ نمبر مل گیا۔ اس نے لائن پر آنے والے کو ہدایت کی کہ وہ حامد کو بلا دے۔

"انہیں اوّل و آخر مرنا ہی تھا۔" ویرا نے اس دوران میں حیرت سے کہا "اول خان کو یکایک ان کی زندگی کی فکر کیوں لاحق ہو گئی؟"

"وہ کل رات کا فیصلہ تھا۔ تم بھول رہی ہو کہ اس وقت ایک نئی بات سامنے آئی ہے" غزالہ بولی۔

"ایک نہیں، کئی نئی باتیں سامنے آئی ہیں" ویرا نے سر ہلا کر غزالہ کی تائید کی پھر پوچھا "ان باتوں کا اکرم اور مقبول سے کیا تعلق ہے؟"

دوسری طرف حامد لائن پر آگیا تھا اور اول خان اس سے بات کر رہا تھا۔

غزالہ بولی "اس وقت مراد ظریف کا نام ہمارے سامنے ہے۔ اس پر وہ دونوں ہی مزید روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

میرے کان بیک وقت دونوں طرف لگے ہوئے تھے۔ اول خان کی متاسفانہ آواز سنتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ حامد نے اپنے فرض کی ادائیگی میں تاخیر کیے بغیر اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

"صرف چند منٹ کی دیر ہوئی ہے" اول خان فون بند کر کے افسوس سے بولا "میں نے وہ مسئلہ سامنے آتے ہی فون کر لیا ہوتا تو دونوں بچ سکتے تھے۔ حامد انہیں شوٹ کر کے میری کال سننے آیا تھا۔"

"ان کی زندگی اتنی ہی تھی، اب انہیں بھول جاؤ" ویرا بولی "جب کسی کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی زندگی کو طول نہیں دے سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ ذرا سی مہلت ملنے پر وہ کوئی اور فساد کھڑا کر دیتے۔"

"نام سے کیا اندازہ ہوتا ہے؟" اول خان نے سوچتے ہوئے سوال کیا "مراد ظریف جیسے نام کس علاقے میں پائے جاتے ہیں؟"

"نام سے علاقے کے تعین کی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی" میں نے مایوسی سے کہا "پورے پاکستان کے شہری علاقوں میں نام ایک جیسے ہوتے ہیں۔ صرف سرحد کا معاملہ ذرا مختلف ہو سکتا ہے مگر وہاں بھی ملے جلے نام ہوتے ہیں۔ جھنڈا خان اور تازہ گل کے ساتھ مراد ظریف اور انور کمال بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ معاملہ ذرا محنت طلب نظر آتا ہے۔"

"تم اپنی نگرانی میں احتیاط سے ان کاغذوں کی فوٹو کاپیوں کے دو سیٹ بنوا لاؤ" اول خان نے کاغذوں کا وہ پلندا فائل میں سمیٹ کر سلطان شاہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم نئی پہیلی پر کچھ مغز ماری کرتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے فائل اس کے ہاتھ سے لے لی اور اٹھتے ہوئے کہا "بند کمرے میں اگر دروازہ چھوڑ کر دیواروں پر زور آزمائی کی جائے تو نکاس کی راہ پیدا ہونے کے بجائے آدمی خود ہلکان ہو جاتا ہے۔"

"اوہ...!" ویرا نے اوہ کو طول دے کر حیرت سے آنکھیں پھاڑیں "تم نے تو اچھی خاصی افلاطونی بات کہہ ڈالی۔ حیرت ہے کہ تمہاری یہ صلاحیت ابھی تک کسی خفیہ اور پوشیدہ مرض کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل تھی۔"

"تمہیں اس بند کمرے میں کون سا دروازہ نظر آرہا ہے؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"اگر مراد ظریف کی کوئی اہمیت تھی تو تمہیں مائیکرو سینٹر جانا چاہیے۔"

ویرا نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اچک لی اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولی "ہو سکتا ہے کہ مراد ظریف کسی کونے کھدرے میں دبکا ہوا تمہارا انتظار کر رہا ہو۔"

سلطان شاہ کے چہرے پر جھلاہٹ کی علامات عود کر آئیں۔ میری استفسار طلب نظریں اسی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"اس کا پتا یا کم از کم فون نمبر ان دونوں میں سے کسی نہ کسی کی ڈائری میں درج ہونا چاہیے" آخر کار سلطان شاہ کو اپنا جواب مکمل کرنے کا موقع مل ہی گیا۔

وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ اس نے بالکل صحیح نشان دہی کی تھی۔ یوں ہوتا ہے کہ بعض اوقات آدمی کسی مسئلے میں الجھ کر نہایت پیچیدہ اور دور از کار رخوں میں سوچنا شروع کر دیتا ہے اور بالکل سامنے کی بات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس وقت ہمارے ساتھ یہی ہو رہا تھا مگر سلطان شاہ نے سب کو دوبارہ پٹڑی پر لا ڈالا تھا۔

سلطان شاہ فوٹو کاپیاں کرانے چلا گیا۔ اس کی بات اول خان کے دل کو ایسی لگی کہ وہ اسی وقت مائیکرو سینٹر روانہ ہونے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کا ساتھ دینے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

"کبھی کبھی میں بھیڑ میں بیٹھ کر بات کرتے ہوئے الجھ جاتا ہوں" اپنی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اول خان نے آسودہ لہجے میں "مگر دیکھ لو کہ آپس کے مشورے کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔"

"تم نے یہ بھی نوٹ کیا ہوگا کہ سلطان شاہ سنجیدہ تھا مگر

Downloaded from https://paksociety.com

ویرا اس کی ٹانگ کھینچنے پر تلی ہوئی تھی۔"

"جہاں چار آدمی یک جا ہوں وہاں یہ سب ہوتا رہتا ہے۔ ویرا اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ خوش اور چاق وچوبند رہنے کے لیے اسے اپنے سامنے ہر وقت ایک ٹارگٹ کی ضرورت ہوتی ہے" اس نے ہنس کر جواب دیا۔

مائیکرو سینٹر سے اکرم الٰہی کے خفیہ فرار اور پھر ویرا کے ہاتھوں دوبارہ گرفتاری کے بعد وہ عمارت ویران ہوگئی تھی۔ اس میں باہر سے داخلے کا کوئی راستہ غیر مقفل نہیں تھا لیکن چھت کے راستے اندر اترا جاسکتا تھا۔ حامد نے اسی راستے سے اپنے آدمی اندر اتار کر مائیکرو سینٹر میں بٹھادیے تھے۔ ان کی موجودگی کی وجہ سے ہم آسانی سے عمارت میں داخل ہوسکتے تھے۔

اول خان نے اپنی گاڑی عمارت سے کچھ دور چھوڑ دی۔ ہم دونوں درمیانی فاصلہ طے کرکے عمارت کی پشت پر پہنچے تو بلٹ پروف شیشے کے پیچھے اول خان کا ایک آدمی کرسی پر براجمان تھا مگر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

ہم دونوں کی صورت دیکھتے ہی اس نے وزنی آہنی دروازہ کھول کر اول خان کو تعظیم پیش کی مگر اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی گھبراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"کیا بات ہے دلیر خان!" اول خان نے نرمی سے سوال کرکے اس کا حوصلہ بڑھایا "تم پریشان نظر آرہے ہو؟"

"صاب! بوت پریشانی کا بات ہے" دلیر خان نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ام بیس دفعہ نیچے اوپر گیا مگر اکبر علی غائب ہے۔ آدھے گھنٹے سے ام پریشان ہے۔"

اول خان کے ساتھ میں بھی چکرا کر رہ گیا "چھت کا دروازہ بند ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"سب بالکل بند ہے۔ ام نیچے آیا تو وہ آرام کرنے کا واسطے اوپر گیا پھر غائب ہوگیا" دلیر خان کی بے چارگی قابلِ رحم تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ام نیچے اوپر سب دیکھا' آواز دیا... مالوم نئیں پڑتا وہ کدر گیا؟"

"وہ کہاں جاسکتا ہے؟" اول خان خودکلامی کے انداز میں بڑبڑایا اور خود ہی بول پڑا "اوہ... وہ لفٹ سے آنے کے چکر میں تہ خانے میں نہ پہنچ گیا ہو... مگر آدھے گھنٹے سے وہ وہاں کیا کررہا ہے؟"

اس دوران میں میری بے چین نظریں اپنا جائزہ مکمل کرچکی تھیں۔ لفٹ کی روشنیوں سمیت ہر چیز گل تھی۔ حد یہ تھی کہ قدرے گرمی ہونے کے باوجود پنکھا تک نہیں چل

سوالاً جواباً

✧ "اب جبکہ تم دولت مند ہوچکے ہو... تمہیں غربت کے زمانے کے دوست پریشان تو نہیں کرتے؟"

"جب میں غریب تھا تو میرا کوئی دوست ہی نہیں تھا۔"

✧ "یہ پرانا گراموفون ہمارے گھر میں کہاں سے آگیا؟"

"یہ گراموفون نہیں پاپا! یہ تو ممی نے آپ کی سالگرہ کے لیے کیک تیار کیا ہے۔"

✧ "اس اسامی کے لیے ہمیں ایک مضبوط اور طاقتور آدمی کی ضرورت ہے۔ کیا آپ خود کو مضبوط اور طاقتور سمجھتے ہیں؟"

"سر! باہر دوسرے جو دس امیدوار انٹرویو کے لیے آئے ہوئے تھے انہیں میں نے ہی اٹھا کر باہر پھینکا ہے۔ میرے مضبوط اور طاقتور ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا؟"

○☆○

✯ .... "بیٹا! تم نہانے میں ایک گھنٹا لگادیتے ہو... کھانے میں ایک گھنٹا لگادیتے ہو... اسکول ایک گھنٹے میں پہنچتے ہو۔ کوئی ایسا کام بھی ہے جس میں تمہیں صرف پانچ منٹ لگتے ہوں؟"

☆ .... "جی ہاں... پڑھائی۔"

○☆○

✯ .... "کاہلی کا علاج کیا ہے؟"

☆ .... "بہت آسان... ذرا میری چھڑی پکڑانا..."

○☆○

✯ .... "اگر میرے پاس یہ ساری دولت نہ رہے... کیا تب بھی تم مجھ سے محبت کرتی رہوگی؟"

☆ .... "ہاں... اور میں تمہیں یاد بھی کیا کروں گی۔"

○☆○

Downloaded from https://paksociety.com

رہا تھا۔ میں نے دلیر خان سے پوچھا "بجلی کب سے گئی ہوئی ہے؟"

"یہ پہلے سے گیا ہوا ہے۔ اور گرمی تھا۔ ام اکبر علی سے نسوار لینے اوپر گیا' وہ غائب تھا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے اول خان کو دلاسا دیا "میرا خیال ہے کہ وہ نیچے پھنسا ہوا ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ ادھر وہ نیچے گیا اور ادھر بجلی چلی گئی۔ جنریٹر چلا کر ابھی دیکھے لیتے ہیں۔"

سسٹم میرے لیے اجنبی نہیں تھا مگر اسے سمجھنے میں مجھے ذرا سا وقت صرف ہوا۔ جنریٹر چل جانے کے بعد جوں ہی بجلی بحال ہوئی' چند ثانیوں بعد لفٹ اندھے تہ خانے سے گراؤنڈ فلور پر آگئی۔ دروازہ کھلا اور اکبر علی نے باہر آتے ہی اول خان کو دیکھا اور تپاک سے سیلوٹ پیش کردیا۔ وہ دلیر خان کی طرح زیادہ پریشان نہیں تھا۔

"تم تہ خانے میں کیوں گئے تھے؟" اول خان نے ناراضی سے سوال کیا۔

"صاب! غلطی سے آخری بٹن دبادیا تھا۔ دروازہ کھلا تو وہ نئی جگہ تھی۔ پھر ہر طرف اندھیرا ہوگیا۔ میں نے ایک ایک کرکے سارے بٹن دبائے لیکن لفٹ ٹس سے مس نہ ہوئی" اکبر علی نے معصومیت سے بتایا۔

وہ پہاڑوں اور ویرانوں میں بسیرا کرکے بے جگری سے دشمن کے سرا تار لینے والے بے لوث سپاہی تھے' شہری زندگی کے جھمیلوں سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ اول خان نے اسے مزید کوئی سرزنش نہیں کی کیونکہ وہ سراسر بے قصور تھا۔ دلیر خان اپنے ساتھی کو صحیح سلامت دیکھ کر خوش نظر آنے لگا تھا۔

ہم دونوں لفٹ سے دوسری منزل کی طرف روانہ ہوگئے جہاں اکرم الٰہی کی خواب گاہ تھی۔ اسے معزول کرنے کے بعد مقبول نے بھی اپنا فلور چھوڑ کر اسی کمرے پر اپنا قبضہ جمالیا تھا۔

کمرے میں ٹیلی فون کی دو ڈائریاں تھیں۔ ایک زیادہ پرانی تھی جس میں نمبروں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ دوسری نسبتاً نئی معلوم ہورہی تھی۔ ہمارے پاس ان دونوں کے انداز تحریر کا کوئی موازنہ نہیں تھا جس کی بنا پر ڈائریوں کی ملکیت کا تعین کیا جاسکتا۔ ہم نے مشورے سے فیصلہ کیا کہ پرانی ڈائری اکرم الٰہی کی ہونی چاہیے تھی۔

اس ڈائری میں ہمیں مراد ظریف کے نام کے سامنے چار فون نمبرز مل گئے جو مختلف شہروں کے تھے۔ دوسری ڈائری میں مراد ظریف کے صرف دو نمبر تھے۔ ان میں سے ایک مشترک تھا۔ دوسرا نمبر نیا مگر حیدر آباد کا تھا۔

سلطان شاہ کے مشورے کے نتیجے میں ہمیں کامیابی حاصل ہوچکی تھی۔ مراد ظریف جو ہمارے لیے صرف ایک نام تھا' اس کا ابتدائی سراغ مل چکا تھا۔ میں نے شہروں کے کوڈ سمیت' وہ پانچوں فون نمبرز ایک الگ کاغذ پر نوٹ کرلیے۔

اگلا مرحلہ ٹیلی فون ڈائریکٹری کی تلاش کا تھا کیونکہ حیدر آباد کے سوا باقی شہروں کے کوڈ ہمارے لیے نئے تھے مگر پھر مقبول کی ڈائری کی ابتدا میں ہی ہمیں پاکستان بھر کے شہروں کے کوڈ نمبروں کی فہرست مل گئی۔

دونوں ڈائریوں کا مشترک نمبر نواب شاہ کا تھا۔ بقیہ چاروں نمبر حیدر آباد' شہداد پور' عمرکوٹ اور میرپور خاص کے تھے۔

"مراد ظریف سیلانی آدمی معلوم ہوتا ہے" اول خان نے وہ کام مکمل ہونے پر تبصرہ کیا۔

"غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس کا میرسپاٹا سندھ کے مخصوص علاقے تک محدود ہے۔ عمرکوٹ سے شہداد پور تک کی پوری پٹی تھر کے صحرائی علاقے سے بہت قریب بلکہ متصل ہے اور وہاں رسل و رسائل کی مناسب سہولتیں نہ ہونے کے باوجود بہت سی این جی اوز خاموشی سے کام کررہی ہیں" میں نے اس کی توجہ دلائی۔

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو' ممکن ہے کہ مراد ظریف بھی کسی این جی او کا سربراہ ہو" اس نے اعتماد سے کہا۔

"اب ہم جلد ہی اس کا سراغ لگاکر اس تک پہنچ جائیں گے۔"

میں کام میں تاخیر کا قائل نہیں تھا۔ مائیکرو سینٹر کے تمام ٹیلی فون کاٹے جاچکے تھے لیکن اس کمرے میں اکرم الٰہی کے زیر استعمال ایک نمبر ہم نے دانستہ کھلا رکھا تھا۔ اس نمبر پر اکرم الٰہی سے بات کرنے کے بعد ہی بوب رافیل ہمارے ہتھے چڑھا تھا۔

میں نے چند ثانیوں تک غور کرنے کے بعد سب سے پہلے نواب شاہ کا نمبر ملانے کا فیصلہ کیا کیونکہ وہ نمبر دونوں ڈائریوں میں مندرج تھا اور اس پر مراد ظریف کے ملنے کے زیادہ امکانات تھے۔

دوسری گھنٹی پر کسی مرد نے نرمی سے ہیلو کہا تھا۔ جوں ہی میں نے مراد ظریف سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی' اس کا لب ولہجہ ایک دم تبدیل ہوگیا۔ اس نے غراتی ہوئی آواز

Downloaded from https://paksociety.com

میں کہا "یہاں کوئی مراد' نامراد نہیں رہتا۔ آئندہ تم نے اس کے لیے یہاں فون کیا تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا" یہ کہہ کر میری مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کردیا گیا۔

میری مایوسی پر اول خان نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے تسلی دی "بہت اچھی ابتدا ہے۔ نواب شاہ والے کے غصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسے جانتا ہے اور کسی وجہ سے اس کا دشمن ہے۔ ایسے معاملوں میں دوستوں سے زیادہ اچھی مخبری دشمن کرتے ہیں۔"

اس کی بات معقول تھی۔ اگر کہیں اور سے اس کا کوئی پتا نہ ملتا تو نواب شاہ والوں پر محنت کی جاسکتی تھی۔

میں نے بقیہ نمبروں پر قسمت آزمائی شروع کردی۔ میری دلی خواہش تھی کہ ہم مائیکرو سینٹر سے نکلنے سے پہلے اپنے نئے حریف کا کوئی پتا یا ٹھکانا دریافت کرلیں تاکہ اگلی کارروائی کا فیصلہ کیا جاسکے۔

شہداد پور اور میرپور خاص کے نمبر ایسے ہوٹلوں کے تھے جہاں قرب وجوار کے دیہات اور منڈیوں سے آنے والے بیوپاری ایک دو روز کے لیے چھوٹے چھوٹے کمروں میں قیام کرتے اور چلے جاتے تھے۔ ایسے چھوٹے ہوٹلوں میں سب کچھ مالکان کی یادداشت اور صوابدید پر چلتا ہے اس لیے آنے جانے والوں کا کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ مراد ظریف کے بارے میں ان ہوٹلوں سے کوئی مدد نہیں ملی۔

عمرکوٹ کے فون نمبر میں کوئی خرابی تھی کہ وقفے وقفے سے کی جانے والی کئی کوششوں کے باوجود وہ نمبر مصروف ملتا رہا۔ آخر کار میں نے حیدر آباد کا نمبر ملا ڈالا۔ پہلی بار وہ نمبر بھی مصروف تھا مگر دوسری کوشش میں مل گیا۔

نواب شاہ والوں کی طرح وہ شخص مراد ظریف کا بدخواہ نہیں تھا۔ اس کا نام سن کر وہ بولا "بابا' ذرا صبر کرو۔ نیچے بات کراتے ہیں" یہ کہہ کر فون کا ریسیور نیچے رکھ دیا گیا۔ پس منظر میں بچوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

صبر کا وہ سلسلہ خاصا طویل ثابت ہوا پھر کسی نے دوسرا ریسیور اٹھالیا۔

"کون ہے؟ کس سے بات کرنا چاہتے ہو؟" مجھ سے محتاط لب ولہجے میں پوچھا گیا۔

"میں اللہ بخش بول رہا ہوں۔ مراد سے میری بات کرادو" میں نے نرمی سے التجا کی۔

"کون اللہ بخش؟ تم کہاں سے بول رہے ہو؟" اس نے مراد کے بارے میں میری بات سنی ان سنی کردی۔ اس دوران میں بچوں کی آوازیں غائب ہوچکی تھیں۔ شاید اوپر کا ریسیور رکھ دیا گیا تھا۔

"میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کون اللہ بخش ہوں؟" میں نے بے بسی سے کہا "مراد ہوتا تو وہ میری آواز سے پہچان لیتا کہ میں میرپور خاص والا اللہ بخش ہوں۔ آلو اور پیاز کا بیوپاری۔"

"وہ تو ادھر ایک مہینے سے نہیں آیا۔ کوئی کام ہو تو بتادو۔ اسے پیغام پہنچادیں گے۔"

"مجھے اس سے ملنا ہے۔ وہ کہاں ملے گا؟" میں نے زور دے کر کہا "تمہارے پاس اب کب آئے گا؟"

"بابا! مراد سائیں میرا یا تمہارا نوکر نہیں ہے۔ وہ ہر جگہ اپنی مرضی سے آتا جاتا ہے۔ مجھے کیا پتا کہ وہ کدھر ہوگا" میرا مخاطب میرے اصرار پر چڑ کر بولا "میں کوئی اس کا اردلی یا چپڑاسی نہیں ہوں۔"

"وہ ملے تو اسے میرا پیغام ضرور پہنچادینا" میں نے تاکید کی اور فون بند کردیا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن جیسے شہرہ آفاق ادارے کی نظروں میں آیا ہوا کوئی شخص اتنا غیر معروف اور خانہ بدوش بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے پانچ فون نمبروں میں سے ایک پر بھی نہ ملے۔

وہ جو کوئی بھی تھا' اتنا غیر معروف نہیں تھا۔ بس اپنی نقل وحرکت کے بارے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔ کسی مخصوص حوالے یا شناخت کے بغیر اس سے براہِ راست رابطہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

ہم نے وہ دونوں ٹیلی فون ڈائریاں اپنے ساتھ لیں' اول خان نے نیچے آکر اپنے دونوں آدمیوں کو مائیکرو سینٹر کے گورکھ دھندوں کے بارے میں بریفنگ دی' میں نے جنریٹر بند کیا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

راستے میں اول خان کو یاد آیا کہ وہ حیدر آباد میں ایک ایسے شخص سے واقف تھا۔ جو کچھ عرصے پہلے خفیہ ایجنسیوں کے انفارمر کے طور پر خاصا نام کما چکا تھا "خود شہر در شہر بھٹکنے سے بہتر ہوگا کہ تمام فون نمبر دے کر ہم جی آر کو اس کام پر مامور کردیں" وہ خیال آنے پر اول خان نے کہا "وہ ایک دو روز میں خود ہی مراد ظریف کی پوری ہسٹری کھود نکالے گا۔"

"جی آر؟" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا یہ اس کا کوئی خفیہ پاس ورڈ ہے؟"

اول خان نے دھیمی سی ہنسی کے ساتھ کہا "پاس ورڈ نہیں' اس کا خبط ہے۔ پورا نام غلام رسول بھمرو ہے مگر وہ خود کو جی آر بھمرو لکھتا ہے تاکہ لوگ مخفف کو چھوڑ کر اسے

Downloaded from https://paksociety.com

صرف بھمر وصاحب کہا کریں۔"

"یہ ھنھمور کا کوئی باسی معلوم ہوتا ہے" میں نے ازراہِ مذاق کہا "ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے نام کے بجائے اپنے گاؤں کی تشہیر کا رسیا ہو۔ بعض لوگوں کو اپنی مٹی سے اسی قدر پیار ہوتا ہے۔"

"مجھے یا تمہیں اس کی کارکردگی سے دلچسپی ہوسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے لیے کارآمد ثابت ہوگا۔"

اول خان کو اس کا فون نمبر زبانی یاد نہیں تھا۔ وہ نمبر اس کے دفتر سے مل سکتا تھا۔ اس کے ایما پر میں نے اسٹیشن فور کا نمبر ملا کر موبائل فون اسے تھمادیا۔ اس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے جی آر کا نمبر پوچھا اور چند ثانیوں بعد موبائل فون میری طرف بڑھاتے ہوئے جی آر کا نمبر دہرایا جو میں نے اس کی ہدایت کے مطابق موبائل فون کی میموری پر محفوظ کرلیا۔

گھر پہنچتے ہی اول خان نے موبائل کی اسکرین سے دیکھ کر جی آر کا نمبر ملالیا۔ اول خان اور جی آر کے درمیان بے تکلفانہ اور گہرے مراسم کا اظہار اول خان کے یکطرفہ مکالموں سے ہورہا تھا۔ اِدھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد اول خان نے مراد ظریف کے پانچوں فون نمبر اسے دے دیے تاکہ وہ اس کا کھوج لگاسکے۔

جی آر کے لیے مراد ظریف کا نام اجنبی نہیں تھا لیکن وہ فوری طور پر یہ یاد کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کہ اس نے مراد کا نام کہاں سنا تھا۔ بہرحال اس نے وعدہ کرلیا کہ وہ جلد از جلد اپنی معلومات سے آگاہ کردے گا۔

اول خان ہمارے گھر سے اکرم الٰہی کی تیار کی ہوئی فائل کی دو نقلیں لے کر چلا گیا۔

مراد کا معاملہ اس وقت بالکل ٹھپ ہوکر رہ گیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اول خان ان نقلوں کے ذریعے کس کس کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس وقت کوئی ہدف سامنے نہیں رہا تھا اور ہمارے پاس انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

رات کو موبائل پر نیا کا فون آیا تو وہ اپنی ہی دھن میں مگن تھی۔ میرے لیے پسندیدگی کے اظہار کے ساتھ وہ نسرین کی الماری سے مقبول کا بریف کیس اڑانے پر تلی بیٹھی ہوئی تھی۔

نیا کی بے خبری سے مترشح ہورہا تھا کہ مقبول چوہدری کے بریف کیس سے دیے ہوئے پچاس ہزار روپے نسرین کے لبوں کا قفل بن گئے تھے۔ اس نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کسی کو بریف کیس کے سامان سے محرومی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔

نیا نے مجھے مقبول چوہدری کے بریف کیس کے بارے میں اشارہ دے کر بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ نیا کی اس خدمت کے صلے میں، میں نے اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہیں کیا۔ اس سے پہلے اسی نے نسرین کے گھر میں مقبول کی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ کر اس کی مکمل تباہی کی بنیاد رکھی تھی اور میرے دل میں اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔

اس کی خدمات کی وہ پسندیدگی اس قسم کی نہیں تھی جس کا وہ اظہار کررہی تھی۔ میں نرمی سے اسے ٹالتا اور سمجھاتا رہا۔ میری ہر دلیل کا محور ایک ہی نکتہ تھا کہ میری بیوی بہت حاسد اور زبان دراز عورت تھی۔ اسے شک بھی ہوجاتا کہ نیا میری ذات میں دلچسپی لے رہی تھی تو وہ نسرین کے گھر پہنچ کر نیا کو لہولہان کردیتی۔

کبھی کبھی فون پر مجھ سے بات کرنے اور پھر ملنے جلنے کی اجازت لے کر اس نے میری جان چھوڑی۔

اگلے دن کے اخبارات بہت صاف ستھرے تھے۔ بوب رائفل کے اسکینڈل کے بارے میں ایک لفظ بھی پریس میں نہیں آیا تھا۔ دوسری طرف امریکیوں نے فریڈم انٹرنیشنل، اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کی حمایت میں اپنے یومیہ بیان سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ وہ دونوں مارے جاچکے تھے لیکن ان کے انجام کے بارے میں بھی کہیں کوئی ذکر نہیں تھا۔

راوی ہر طرف چین ہی چین لکھتا تھا مگر مجھے اس خاموشی سے سخت وحشت ہورہی تھی۔

رات کو ذرا دیر سے اول خان نے اطلاع دی کہ جی آر نے کافی محنت کے بعد مراد کا کھوج نکال لیا تھا۔ ان دنوں اس نے میرپور خاص کو اپنا گڑھ بنایا ہوا تھا۔ وہاں سے وہ حیدرآباد اور کبھی کبھی کراچی کے چکر بھی لگارہا تھا۔

"یہ اندازے تو ہم بھی لگاسکتے تھے کہ وہ ان ہی شہروں میں منڈلا رہا ہوگا۔ جی آر نے کیا کھوج نکالا ہے؟" میں نے کہا۔

"وہ ہیرآباد کے علاقے میں تین سو روپے ماہوار کرائے کی ایک پھٹیچر سی کوٹھری میں اپنا دفتر چلایا کرتا تھا جہاں فون تک نہیں تھا۔ تم نے اسی پتے پر اس کے لیے فون کیا تھا۔ وہ فون مالکِ جائیداد کے پاس ہے۔ وہ چاہتا ہے تو مراد کے دفتر والوں کو لائن دے دیتا ہے ورنہ وہاں رکھا ہوا نمائشی فون ہر وقت بے جان رہتا ہے" اول خان نے بات آگے بڑھائی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم نے ہر جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ آج کل کی صورت کیا ہے؟"

"اب وہ پجیرو جیپ میں گھومتا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں موبائل فون اور دوسرے میں گولڈ لیف کا پیکٹ دبا ہوا ہوتا ہے۔ سب حیران ہیں کہ برسوں کے بعد اس کی یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی ہے۔"

"جی آر بھی اس کے حالات میں تبدیلی کا سبب معلوم نہیں کرسکا؟"

"اسے وقت ہی کتنا ہوا ہے۔ اس کے بتائے بغیر بھی تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ سب فورڈ فاؤنڈیشن کی عنایات کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ جس پر مہربان ہوں' اس کے دن پھر جاتے ہیں۔"

"اگر اس پر بڑی سرمایہ کاری کی گئی ہے تو وہ کوئی بڑا کام ہی کررہا ہوگا" میں نے کہا" پجیرو' میں گھومتے ہوئے وہ خود کو میرپور خاص کا شہنشاہ ضرور سمجھتا ہوگا۔"

"میرپور خاص چھوٹا سا زرعی شہر ہے مگر تم اسے بے مایہ نہ سمجھو۔ فصل کٹنے کے بعد دھول اور کیچڑ سے اٹے ہوئے کچے راستوں پر زمینداروں کے بچے نئے ماڈل کی پجیرو اور دوسری گاڑیاں دوڑاتے پھرتے ہیں۔"

"اور پھر اگلی فصل کی تیاری اور کٹائی سے پہلے ہی قلاش ہوکر ان گاڑیوں کو اونے پونے میں بیچ ڈالتے ہیں" میں نے اس کی بات کاٹ کر ایک سنی سنائی حقیقت بیان کردی۔

"زراعت کے شعبے میں ہاری سے زمیندار تک کا یہی حال ہے۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سب ہر سال اس گردش سے گزرتے ہیں۔ بُرے دنوں میں بنائے ہوئے اچھے منصوبے اور نیک ارادے نئی فصل کے ریلے میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جاتے ہیں" اول خان دردمندی سے بتارہا تھا۔ "یہ ہماری معیشت کی سب سے زیادہ سفاک حقیقتیں ہیں۔"

"ہم مصلح نہیں ہیں" میں نے اسے ٹوکا "اس وقت ہمارا مسئلہ مراد ظریف ہے۔"

"مراد کا ہیر آباد کا دفتر ابھی تک برقرار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے ابھی سے سوچ لیا ہو کہ بھلے دن خواب کی طرح گزر گئے اور دوبارہ غربت نے ڈیرے ڈالے تو وہ اپنے ہیر آباد والے دفتر میں تو بیٹھ سکے گا۔"

"اس دفتر میں وہ کرتا کیا ہے؟" میں نے الجھ کر سوال کیا۔

"اس کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟"

"بدمعاشی!" اول خان کی طرف سے بے ساختہ جواب آیا "اس نے صحرا کے نام سے ایک کاغذی این جی او بنائی ہوئی ہے جو رجسٹرڈ ہے۔ وہ سرکاری گرانٹ پر ہی گزارہ کرتا تھا جو صحرا میں پہنچنے سے پہلے اس کے مصرف میں آجاتی تھی۔"

"جی آر نے خاصے کم وقت میں بہت سی کار آمد باتیں معلوم کرلی ہیں" میں نے اعتراف کیا۔

"سب سے زیادہ کار آمد بات یہ ہے کہ اس نے مراد کی کار یعنی پجیرو کا نمبر بھی بتادیا ہے۔ وہ حیدر آباد کے رجسٹریشن پر چل رہی ہے۔ میں نے کراچی میں داخلے کے ناکوں پر یہ نمبر بھجوانے کا بندوبست کرلیا ہے۔ جوں ہی وہ کراچی کی حدود کے آس پاس نظر آیا' ہمیں اطلاع مل جائے گی اور اس کا ہانکا شروع ہوجائے گا۔"

"اس کا موبائل نمبر مل جاتا تو اس سے براہِ راست کچھ چھیڑ چھاڑ کی جاسکتی تھی۔"

"وہ خود ہر ایک کو فون کرتا رہتا ہے لیکن اس کا نمبر بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ جی آر نے اس سلسلے میں کوشش کی تھی مگر اسے کامیابی نصیب نہیں ہوسکی۔ وہ اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔"

"جی آر' ایک کامیاب مخبر ہے تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مراد کو اس کے گھر میں پکڑوا دے؟"

"مگر کس جرم میں...؟" اول خان نے پوچھا "ابھی تک اس کے خلاف کوئی شہادت نہیں ہے۔"

"وہ اپنے وسائل سے کہیں اونچا معیار زندگی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ پیسا کہاں سے آرہا ہے۔"

اول خان تلخ انداز میں ہنس پڑا "ہمارے یہاں وسائل سے بڑھ کر رہنا سہنا روایت بن چکا ہے۔ چنگی کلرک لاکھوں کی ذاتی جائیداد میں رہتے ہیں اور ہر ایک ان کی عزت کرتا ہے' ان سے ڈرتا ہے۔ ہمارا قانون وسائل سے باہر' شاہانہ زندگی گزارنے والوں سے ڈرتا ہے۔ جی آر کی شکایت پر کوئی مراد کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔"

"مگر اس کا تو کوئی باقاعدہ روزگار ہی نہیں ہے" میں نے اصرار کیا۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ تم اسی ملک میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے ہو" اول خان کی آواز میں ہلکی سی خفگی عود کر آئی "ہمارے یہاں یہ ساری خرابیاں نہ ہوتیں تو تمہیں میدان میں اترنا پڑتا' نہ ایس ٹی ایف کی ضرورت پیش آتی۔"

ٹیلی فون بند ہوگیا مگر میرا ذہن اول خان کی کہی ہوئی باتوں میں الجھا رہا۔ مراد ایک پاکستانی تھا لیکن اس نے آسودہ

Downloaded from https://paksociety.com

زندگی گزارنے کے لیے کسی خلش کے بغیر خود کو فورڈ فاؤنڈیشن والوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا۔

اکرم الٰہی کے یک جا کیے ہوئے کاغذات کی بنا پر یہ فرض کیا جاسکتا تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن والے اس معاملے میں کھل کر مراد کے سامنے نہ آئے ہوں۔ اسے جال میں پھانسنے کا فریضہ فریڈم انٹرنیشنل اور اکرم الٰہی نے انجام دیا ہو۔ پھر بھی مراد کو یہ ضرور سوچنا چاہیے تھا کہ اسے کس کام کے لیے خطیر معاوضہ دیا جارہا تھا۔

مجھے کامل یقین تھا کہ فورڈ فاؤنڈیشن کے ایما پر دیا جانے والا کام نیک نہیں ہوسکتا تھا اور اگر مراد نے جانتے بوجھتے ہوئے ایک غلط کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے ذمّے داری قبول کی تھی تو اس کی گردن ماردی جانی چاہیے تھی۔

فورڈ فاؤنڈیشن، فریڈم انٹرنیشنل اور صحرا..... یہ ایک بے تکی مثلث کے تین اضلاع تھے جن میں آپس کی کوئی نسبت نہیں تھی۔ بس ایک بات مشترک تھی کہ تینوں این جی اوز تھیں۔ ایک بہت بڑی بین الاقوامی تنظیم تھی، دوسری پاکستان کی حدود میں انسانی حقوق پر کام کرنے والی مقامی یک نفری تحریک تھی اور تیسری محض ایک علاقائی انجمن تھی جو تین سو روپے ماہانہ کرائے والے ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک آدمی نے اپنی آتشِ شکم سرد کرنے کے لیے بنائی ہوئی تھی۔

ان تینوں کا باہمی گٹھ جوڑ بالکل غیر منطقی اور غیر حقیقی تھا۔ مجھے شبہ سا ہوا کہ کہیں نام کی یکسانیت کی وجہ سے ہم مراد ظریف نام کے کسی غلط آدمی کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔

مجھے فوراً ہی اپنی اس بدگمانی کو ذہن سے جھٹک دینا پڑا۔ مراد، صحرا کا بلا شرکت غیرے مالک تھا اور اس کے مالی حالات میں اچانک ہی حیران کن بہتری پیدا ہوئی تھی جو کسی دریا دل اَن داتا کی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

اگلی صبح مراد کے موبائل فون کا نمبر اول خان کو مل چکا تھا۔ جی آر کو جو کام دیا گیا تھا، وہ دل وجان سے اس کی تکمیل میں لگا ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے مراد کی بحیرہ حیدر آباد میں قاسم آباد کے علاقے میں دیکھی گئی تھی۔

اول خان کے لیے سہولت یہ تھی کہ ہماری جائے پناہ اس کے گھر اور اسٹیشن فور کے درمیان ایسی جگہ پر واقع تھی کہ وہ اپنے راستے سے چند منٹ کے لیے ہٹ کر ہم تک پہنچ سکتا تھا۔ اسے جی آر کی طرف سے دیا ہوا فون نمبر گھر پر ملا تھا۔ نمبر ملنے کے بعد وہ جوش میں سیدھا ہماری طرف چلا آیا۔

"گاڑی کے بعد اب فون نمبر بھی مل گیا۔ تم اس سے کیا چھیڑ چھاڑ کرنا چاہتے ہو؟" اس نے آتے ہی مراد کے فون نمبر والا رقعہ میرے حوالے کرکے سوال کیا "جی آر ہماری اس سے زیادہ مدد نہیں کرسکے گا۔"

"ہمیں اس کے دوسرے روابط کا کوئی علم نہیں..... بس اتنا معلوم ہے کہ وہ اکرم الٰہی اور مقبول چوہدری کے رابطے میں تھا۔ اس سے اسی حوالے سے بات شروع کی جاسکتی ہے" میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"لیکن تم کیا بات کروگے؟" اول خان ڈسپلن کا آدمی تھا، پہلے سے سب کچھ جاننا چاہتا تھا۔

"اس کا تعین اس کا ردِعمل جاننے کے بعد ہی ہوسکے گا۔ دیکھنا ہوگا کہ وہ مجھے فریڈم انٹرنیشنل والوں کا آدمی سمجھتا ہے یا اس دعوے پر اعتبار کرنے سے انکار کردیتا ہے؟"

"فرض کرو کہ وہ تمہاری بات تسلیم نہیں کرتا پھر تم کیا کروگے؟" ویرا نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اس کا کوئی سبب بتائے گا اور اسی سبب سے کوئی راہ نکلے گی۔"

"پھر بھی تمہارے ذہن میں پہلے سے کوئی نہ کوئی خاکہ تو موجود ہونا چاہیے۔"

"تم میرے ساتھ کسی وکیل کی سی جرح کررہی ہو" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "ایسے موقعوں پر سوچی سمجھی باتیں دھری رہ جاتی ہیں۔ جو وقت پر سوجھ جائے، وہی بات سب سے بہتر رہتی ہے۔"

"اپنے معاملات کو تم بہتر سمجھتے ہو" سلطان شاہ نے گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا "سب جانتے ہیں کہ آڑا وقت آنے پر تم فوری فیصلے کرتے ہو جو اکثر درست ثابت ہوتے ہیں۔ یہ پھر بھی تم سے کچھ اگلوانے کی کوششیں کررہے ہیں۔"

"ڈینی کوئی سازش نہیں کررہا جو میں اس سے کچھ اگلوانے کی کوشش کروں" ویرا چیخ کر بولی "ہوسکتا ہے کہ ہم مل جل کر کوئی بہتر فیصلہ کرسکیں۔ مراد کو شبہ ہوگیا تو ہمارا کام بہت لمبا ہوجائے گا۔"

"یہ خطرہ موجود ہے اور ہمیں مول لینا پڑے گا" میں نے اقرار کیا۔

بات طے ہوگئی اور میں نے گھر کے سی ایس ڈی والے فون پر مراد کا نمبر ملالیا تاکہ اس سے بے خوف وخطر ہوکر ہر موضوع پر کھلی کھلی گفتگو کی جاسکے۔

دوسری گھنٹی پر موبائل فون آن ہوا اور ایک مضبوط

Downloaded from https://paksociety.com

مردانہ ہیلو سنائی دی۔

"مجھے مراد ظریف سے بات کرنی ہے" میں نے پورے سکون سے کہا "میں کراچی سے بول رہا ہوں۔"

"تم کون ہو؟ کیا مراد تم کو جانتا ہے؟" سرد لہجے میں سوال کیا گیا۔

"جانتا ہے" میں نے قدرے ناگواری اور تحکم سے جواب دیا "اسے بتاؤ کہ میں مقبول چوہدری کا آدمی ہوں۔"

"مقبول چوہدری خود کہاں غائب ہے؟" اس بار بولنے والے کی آواز میں خفیف سا تجسس تھا۔

"جرح مت کرو" اس بار میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ' درشت لہجے میں کہا "فون مراد کو دو ورنہ میں لائن بند کردوں گا۔ میرے پاس تمہارے سوال جواب کے لیے فالتو وقت نہیں ہے۔"

"میں مراد ہی بول رہا ہوں۔ میرا یہ نمبر تمہیں کس نے دیا؟" وہ جواب سن کر میرے وجود میں سکون کی لہر سرایت کر گئی۔

"مقبول چوہدری نے نمبر دیا ہے۔ وہ آج شام تم سے ملنا چاہتا ہے" میں نے روانی سے کہہ ڈالا۔

"میں نے یہ کنکشن تین چار دن پہلے لیا ہے۔ اسے یہ نمبر معلوم ہی نہیں تھا تو اس نے تمہیں کیسے دے دیا؟"

"یہ وہی بتائے گا۔ وہ فریڈم انٹرنیشنل چلا رہا ہے۔ اس کے اپنے بھی ذرائع ہیں۔"

"وہ خود کہاں ہے؟ میں کئی روز سے اس کی تلاش میں ہوں۔ اس کے سب فون بند پڑے ہیں۔"

مجھے یاد آیا کہ مشتعل مظاہرین کے ہاتھوں مقبول کے زخمی ہونے کی خبر اخباروں میں چھپ چکی تھی۔ میں نے فوری فیصلے کے تحت کہا "وہ زخمی ہو گیا تھا' اسپتال میں ہے مگر آج شام اسے چھٹی مل جائے گی۔ وہ وقت ضائع کیے بغیر تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ اسے کچھ لوگوں نے دفتر میں گھس کر مارا تھا اور توڑ پھوڑ بھی کی تھی۔"

"پڑھ چکے تھے تو کیا میرا امتحان لے رہے تھے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔ اس کے دبے دبے رویے کی وجہ سے میرا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ میرے جال سے نہیں نکل سکے گا۔"

"تم کہاں سے فون کر رہے ہو؟" مراد کی متجسس آواز ابھری۔ وہ چاروں سانس روکے حیرت اور دلچسپی کے ساتھ اسپیکر فون کے ذریعے ہونے والی وہ دو طرفہ گفتگو سن رہے تھے۔

"میں اسپتال کے قریب ایک بوتھ سے بول رہا ہوں۔ کیا تمہیں اب بھی مجھ پر شبہ ہے؟"

"شبہ نہیں ہے۔ مگر بوتھ محفوظ نہیں ہوتا..... تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے سب فون کیوں بند ہیں۔"

"فسادی' آدمی کو چھوڑتے ہیں نہ تاروں کو دیکھتے ہیں۔ ہمارا صرف ایک نمبر کام کر رہا ہے۔"

"فون بند کر کے میں تھوڑی دیر بعد اسی نمبر پر رنگ کروں گا۔ مجھے نمبر دے دو۔ اس وقت میں ٹریفک کی بھیڑ میں ہوں۔ مجھے ڈرائیونگ میں مشکل ہو رہی ہے۔"

سب کچھ قابو میں تھا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے فون نمبر پر مجھ سے بات کر کے اس کا اطمینان ہو جاتا کہ وہ غلط آدمی کے چکر میں نہیں پھنس رہا۔ شاید وہ خود ہی مجھ پر کسی شبے کا اظہار کیے بغیر وہی اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے فریڈم انٹرنیشنل کے اکلوتے فون کا نمبر بتا دیا اور کہا۔ "مجھے بیس منٹ بعد فون کرنا تاکہ میں وہاں پہنچ سکوں۔"

"یہ نمبر میرے پاس تھا مگر یہ مقبول کے گھر کا ہے۔" میرا پھینکا ہوا ہر پانسا سیدھا پڑ رہا تھا۔ "اس نے مجھے تاکید کی ہوئی ہے کہ ایمرجنسی کے سوا اسے اس نمبر پر فون نہ کروں۔"

"اب ایمرجنسی ہی ہے۔ وہ گھر پر نہیں ہے۔ تمہاری کال میں وصول کروں گا۔"

"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔ تم فریڈم انٹرنیشنل میں کیا کرتے ہو؟"

"اکاؤنٹنٹ ہوں اور میرا نام اسلم ہے۔ باقی سوال بعد میں کر لینا" یہ کہہ کر میں نے کسی سلام دعا کے بغیر فون بند کر دیا۔ اپنی اس بے اعتنائی سے میں اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اس سے زیادہ اہم اور بالا تر تھا۔

"ویری گڈ!" ویرا نے میری پشت پر زور سے ہاتھ رسید کر کے کہا "وہ تمہارے لہجے اور تیوروں سے ہی مرعوب ہو گیا۔ تم جھوٹ اتنے اعتماد سے بولتے ہو کہ وہ سچ محسوس ہونے لگتا ہے۔"

"اس نے کم از کم دو مرتبہ ڈینی کو پھانسنے کی کوشش کی تھی" سلطان شاہ نے اپنے مشاہدے کا اظہار ضروری سمجھا "لیکن ڈینی اپنے صحیح ترین جوابات کی وجہ سے صاف بچ نکلا۔"

"وہ اب بھی سو فیصد مطمئن نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اس نے دفتر کا نمبر لیا ہے۔ وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔ فون پر ٹریفک کے غیر معمولی شور کا نام و نشان تک نہیں تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"چلو! پھر جلدی کرو" اول خان عجلت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہمیں وہاں تک پہنچنے میں بیس منٹ سے زیادہ ہی لگ جائیں گے۔"

"مجید والے جذبے سے ڈرائیونگ کروگے تو بروقت پہنچادوگے!" میں نے ہنس کر کہا۔

مراد کا خشک اور مایوس کن معاملہ یکایک بہت دلچسپ مرحلے میں داخل ہوگیا تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس مرحلے میں شریک رہے۔ میں نے کسی کی مخالفت نہیں کی۔ مراد سے اتنی گفتگو ہونے کے بعد میں نے جو نقشہ بنایا تھا' اس کے مطابق ہمیں مراد کی آمد تک مائیکرو سینٹر میں ہی رکنا تھا تاکہ اسے آسانی سے جوہے دان میں بند کیا جاسکے۔

اول خان سمیت ہم پانچ نفوس تھے۔ ایس ٹی ایف کے دو آدمی مائیکرو سینٹر پر قابض تھے۔ میری دانست میں مراد کو بے دست وپا کرنے کے لیے ہمیں مزید نفری کی ضرورت نہیں تھی۔

"سنا ہے کہ سانپ اپنی زد میں آئے ہوئے شکار کو اپنی آنکھوں کی مقناطیسی قوت سے بے بس کرکے مارلیتا ہے" ویرا نے گھر سے نکلتے ہوئے کہا "ڈینی' یہ کام اپنی زبان کی قوت سے لیتا ہے۔ تابڑتوڑ جھوٹ اور سچ ملاکر ایسی کہانی بناتا ہے کہ سامنے والے کو سوچنے یا سنبھلنے کی مہلت نہیں ملتی۔ وہ بے موت مارا جاتا ہے۔"

"ہری اَپ!" اول خان نے ہانک لگائی "ہم تین منٹ یہیں گنوا چکے ہیں۔"

گھر کا بیرونی دروازہ مقفل کرکے ہم پانچوں تیزی سے مائیکرو سینٹر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سلطان شاہ کے حوالے کردی تھی اور خود موبائل فون لے کر اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

مجھے پہلے سے علم تھا کہ مائیکرو سینٹر میں دلیر خان اور اکبر علی کو ضرورت کے تحت یکجا رکھا گیا تھا۔ ان میں سے ایک نیچے بیٹھ کر چوکیداری کرتا تھا' دوسرا اکرم الٰہی کی خواب گاہ میں فون کے قریب موجود رہتا تھا تاکہ اسٹیشن فور کو کسی بھی وقت ان دونوں سے رابطے میں دشواری نہ ہو۔ اپنی سہولت کے مطابق وہ ڈیوٹیاں بدلنے کے مجاز تھے۔

اول خان نے راستے سے وہاں کا نمبر ملایا تو دلیر خان سیکنڈ فلور کی خواب گاہ میں ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ اول خان نے اسے بھی نیچے پہنچنے کی ہدایت کی تاکہ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے مراد کی متوقع فون کال وصول کرنے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس سے بجلی اور دوسرے معاملات کے بارے میں رپورٹ لے کر اول خان نے فون بند کردیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم ڈینی سے دوستی کرنے سے پہلے شہر میں منی بس چلاتے رہے ہو" ٹریفک کے بہاؤ میں سلطان شاہ کی رف اور تیز رفتار ڈرائیونگ دیکھ کر ویرا بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"میں ٹرانسپورٹ لائن سے ہی وابستہ تھا" سلطان شاہ نے کسی شرمندگی کے بغیر اعتراف کیا "اس چکر میں کئی بار بیسیوں ڈرائیوروں کی جگہ ٹرک اور بسیں بھی چلانی پڑیں مگر اس وقت وہ تجربہ نہیں' تمہارے ٹیکسی ڈرائیور مجید کا جذبہ کام آرہا ہے۔ ڈینی نے اس کا حوالہ دے کر وقت کو میرے لیے چیلنج بنادیا ہے۔"

"ڈینی کی بات اپنے دل پر نہ لو۔ سڑک سے براہ راست عالم بالا کی طرف روانگی سے بہتر ہے کہ ہم چند منٹ کی تاخیر سے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ تم کئی جگہ حادثوں سے بال بال بچ چکے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ گاڑی کے بریک عمدہ ہوں تو حادثے خود بہ خود ٹلتے چلے جاتے ہیں۔"

سلطان شاہ نے ہمیں مقررہ وقت کے اندر اندر منزل پر پہنچادیا اور کار مائیکر آٹوز کی دیوار کے سائے میں پارک کردی۔ ہم پانچوں کار سے نکل کر تیزی سے عمارت کے پچھلے حصے کی طرف چل دیے۔

گراؤنڈ فلور پر دونوں محافظ موجود تھے۔ لفٹ بھی وہیں تھی۔ عمارت میں گھستے ہی ہم پانچوں لفٹ میں سوار ہوگئے۔ دوسری منزل پر میں لفٹ کے دروازے سے نکلا تو اندر سے فون کی گھنٹی بجنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں دبیز فرشی قالین پر تقریباً دوڑتا ہوا اندر پہنچا اور ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو! کیا یہ فریڈم انٹرنیشنل کا دفتر ہے؟" دوسری طرف سے مراد کی شناسا آواز آئی۔

"ہاں۔ وہی ہے اور میں اسلم بول رہا ہوں" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"خدا کا شکر ہے" مراد کی بے ساختہ آواز میرے کان میں آئی "اب مجھے اطمینان ہوا کہ تم صحیح آدمی ہو۔ اس وقت تمہاری طرف سے میرا دل مطمئن نہیں تھا۔"

"میں عقل سے عاری نہیں ہوں۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ تم بلاوجہ ڈرائیونگ میں پریشانی کی بات کررہے تھے۔ فون پر تمہاری گاڑی کے انجن کے شور کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔"

"تم مقبول جیسے گریٹ آدمی کے لیے کام کرتے ہو۔

Downloaded from https://paksociety.com

تمہیں اتنا چالاک ہونا چاہیے۔"

"یہ بتاؤ کہ تم آج شام کس وقت یہاں آرہے ہو۔ مجھے مقبول کو تمہارے جواب سے آگاہ کرنا ہے۔"

"مجھے مقبول کے بارے میں تشویش ہے۔ پچھلے دنوں اس کے بارے میں اخبارات میں زیادہ خبریں نہیں آئیں لیکن اس کے گیراج سے چوری ہونے والی ایک اکارڈ کے ائرپورٹ سے ملنے کی خبر چھپی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ کراچی میں کچھ گڑبڑ ہورہی ہے۔ پھر فون بھی کٹے ہوئے تھے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ مقبول کسی خطرے کی وجہ سے زیر زمین چلا گیا ہے۔"

میں نے زیادہ شدت سے اس کی بات کی تردید کرنے میں خطرہ محسوس کیا اور کہا "تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے۔ مقبول اس حد تک انڈر گراؤنڈ ہے کہ ایک نجی اسپتال میں خاموشی سے علاج کرا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں تک وہ منظرعام پر آنے سے گریز کرتا رہے۔ اسی لیے وہ آج تم سے مل کر کچھ اہم معاملات طے کرنا چاہتا ہے۔"

"شاید تم کو علم نہ ہو مگر میں نے آج تک اکرم یا مقبول سے ملاقات نہیں کی۔ یہ احتیاط عام حالات میں بھی ہمیشہ ضروری سمجھی گئی۔ اب حالات مخدوش ہیں تو مقبول مجھ سے ملنے پر کیوں مصر ہے؟"

"دیکھو مراد! میں اس کا ماتحت ہوں۔ وہ ہمیں ہمارے کام کی بات بتاتا ہے۔ تمہارے سوال کا تفصیلی جواب وہی دے سکتا ہے۔ مجھے تم صرف اتنا بتادو کہ تم آنا چاہتے ہو یا نہیں اور آؤ گے تو کس وقت آؤ گے۔"

"تم نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ تمہارا کیا مشورہ ہے؟" اس کی آواز پُرتشویش تھی۔

"تم ہر طرح اپنا اطمینان کرچکے ہو کہ تمہارا رابطہ غلط آدمی سے نہیں ہوا۔ پھر بھی تم ڈر رہے ہو تو ہرگز مت آؤ۔ میں مقبول کو بتادوں گا" میں نے سرد اور روکھے لہجے میں جواب دیا "تم نہ آئے تو مجھے جلد چھٹی مل جائے گی۔"

"میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ مقبول کو میرا موبائل نمبر کیسے ملا۔ ابھی تک میں نے اپنے چند دوستوں کے سوا کسی کو یہ نمبر نہیں دیا" وہ میری بے رخی کو نظرانداز کرکے اپنی تشویش کا اظہار کرتا رہا۔

"تمہارے دل ودماغ میں شکوک وشبہات کے زہریلے بچھو رینگ رہے ہیں۔ میں مقبول سے کہے دیتا ہوں کہ تم آج نہیں آرہے۔ تمہارے پاس یہ فون نمبر موجود ہے۔ جب کوئی فیصلہ کرلو تو فون کرلینا۔ میں موجود ہوا تو بات کرلوں گا۔"

"نہیں... اتنی جلدی کوئی فیصلہ مت کرو۔ مجھے بھ
مقبول کی تلاش تھی۔ میں بھی مسائل کا شکار ہوں۔ ان
حل صرف مقبول کے پاس ہے۔ میں آج آؤں گا۔ میر
کوشش ہوگی کہ سات بجے وہاں پہنچ جاؤں۔"

"سات بجے!" میں نے تائید طلب لہجے میں کہا۔ میر
کوشش تھی کہ میں اپنی لاتعلقی برقرار رکھ سکوں۔

"ہاں... میں سات بجے مائیکرو سینٹر پہنچوں گا۔ میں پہ
بار وہاں آرہا ہوں۔ تم باہر میرا انتظار کرسکو تو بہت مہربا
ہوگی۔"

"پہلی بار آرہے ہو تو پہنچنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوگی
میں تمہیں باہر مل جاؤں گا۔"

"میں اندر نہیں آیا لیکن باہر سے مائیکرو سینٹر دیکھ چ
ہوں۔ شاندار عمارت ہے۔ اسی سے میری روزی وابس
ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری پہچان کیا ہوگی۔ میں کسی دھوکے سے
ہر قیمت پر بچنا چاہتا ہوں۔"

"سات بجے اندھیرا پھیل رہا ہوگا۔ کہو تو سر پر ایک آد
بلب جلالوں" میں نے جل کر کہا۔

اس کی خفت آمیز ہنسی کے بعد آواز آئی "تم ناراض
ہوگئے۔ دراصل تمہیں میری پوزیشن کا اندازہ نہیں ہے۔"

"بس اب بار بار ایک ہی ریکارڈ نہ سناؤ" میں نے اس ک
بات کاٹ دی "میرے بدن پر سفید لباس ہوگا۔"

"میں سات بجے تم سے آملوں گا" اس کا جواب سنتے ہ
میں نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات تھی؟ اس سے بہت اکھڑی اکھڑی باتیں
کررہے تھے" ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی چھٹی حس کام کررہی ہے۔ وہ آنا چاہتا ہے مگ
خوف زدہ ہے۔ بھانت بھانت کے اندیشے اسے ستا رہے
ہیں" میں نے انہیں بتایا "مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ آخری لمحات
پر اپنا ارادہ نہ بدل دے۔"

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ ہمیں آخری نتیجے
انتظار تو کرنا ہی ہوگا" سلطان شاہ بولا "ہم صرف دعا کرسکتے
ہیں کہ وہ اپنا ارادہ نہ بدلے اور مقررہ وقت پر یہاں پہنچ
جائے۔"

میں خاموشی سے اپنی سوچ میں کھویا رہا۔ میری توقعات
اور دعائیں ان سے مختلف نہیں تھیں مگر میں نے براہِ راست
اس سے مذاکرات کیے تھے۔ اس کے لب ولہجے میں پوشیدہ
بے اطمینانی نے مجھے فکر و تشویش میں ڈال دیا تھا۔

مائیکرو سینٹر کا اقامتی حصہ ہر طرح کی رہائشی سہولتوں

Downloaded from https://paksociety.com

سے آراستہ تھا۔ دوسری منزل کا ریفریجریٹر تازہ اور جمی ہوئی اشیائے خورونوش سے اتنا بھرا ہوا تھا کہ ہم پانچوں باہر سے کچھ خریدے بغیر کئی دن تک اس رسد پر آسانی سے گزارہ کرسکتے تھے۔ اول خان کی فرمائش پر غزالہ ہم سب کے لیے چائے بنانے کچن میں چلی گئی۔

ہم لوگ کافی دیر تک مراد سے ہونے والی گفتگو پر مغز سوزی کرتے رہے لیکن کوئی نیا نتیجہ اخذ نہیں کرسکے۔ ہر شخص میری قائم کی ہوئی رائے سے متفق تھا۔

"اس کے بارے میں اتنی بے یقینی کی صورت حال ہے تو پھر تمہیں سات بجے باہر نہیں نکلنا چاہیے" اول خان نے کچھ دیر کے بعد رائے دی "اگر اس کی نیت میں کوئی فتور ہے تو کھلی فضا تمہارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔ اندھیرے میں کہیں سے بھی آنے والی ایک گولی تمہارے لیے مہلک بن سکتی ہے۔"

"وہ بنیادی طور پر کسی دیہی علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ کراچی کے اس بارونق بازار میں اتنی دیدہ دلیری نہیں دکھاسکے گا" ویرا نے اس سے اختلاف رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ وہ مقررہ وقت پر آئے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ نہیں آئے گا۔ مجھے کسی تیسری صورت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔"

"ہم سات نفوس مائیکرو سینٹر کے اندر ہیں۔ کیوں نہ ایس ٹی ایف کی کچھ نفری باہر بھی مامور کردی جائے" سلطان شاہ نے تجویز پیش کی "وہ پوشیدہ ٹھکانوں میں رہ کر مراد کی کسی امکانی شرارت کا سدباب کرسکیں گے۔ انہیں متحرک ہونے کی ضرورت پیش نہ آئی تو وہ ہمارے اشارے پر واپس لوٹ جائیں گے۔"

"تم گیدڑ کے شکار کے لیے وہ بندوبست تجویز کررہے ہو جو کسی آدم خور شیر کے شکار کے لیے ضروری ہوتا ہے" ویرا نے منہ بنا کر اس کی تجویز پر اعتراض کیا "جو چاہو کرلو' بعد میں تم کو نادم ہونا پڑے گا۔"

"احتیاط اچھی چیز ہے۔" اول خان نے سلطان شاہ کی رائے سے اتفاق کیا "ہمارے پاس افرادی قوت کی کمی نہیں ہے۔ اس سے فائدہ نہ اٹھانا دانش مندی کے منافی ہوگا۔"

اس بندوبست میں عملی طور پر کوئی اضافی خطرہ پنہاں نہیں تھا بلکہ امکانی خطرے کے سدباب کی صورت ہی پیدا ہورہی تھی۔ ویرا سے، تھوڑی سی بحث کے بعد یہ طے ہوگیا کہ اول خان کے چار آدمی حامد کی معیت میں توحید کمرشل کے ایسے مقامات پر مامور رہیں گے کہ مائیکرو سینٹر کی طرف آنے والی ہر گاڑی ان کی نظروں میں رہے۔

"سات بجے والی تجویز کے بارے میں میری بات ادھوری رہ گئی تھی" چائے پیتے ہوئے اول خان کو خیال آگیا۔

"اگر وہ آجاتا ہے تو مائیکرو سینٹر کے باہر کسی سفید پوش کی تلاش میں بھٹکتا رہے گا" میں نے اسے یاد دلایا "یہ خطرہ ہمیں مول لینا ہی پڑے گا۔"

"وہ تمہیں نہیں پہچانتا۔ تمہاری جگہ اکبر علی یا دلیر خان یہاں کی کسی وارڈ روب سے سفید قمیص شلوار پہن کر باہر چلے جائیں گے۔ ان دونوں میں اتنی صلاحیت ہے کہ اسے اندر لے آئیں۔"

"یہ سراسر خود غرضی ہوگی۔" میں نے احتجاج کیا "میں اپنی جگہ اکبر علی کو قربانی کا بکرا نہیں بنا سکتا۔"

"اسے قربانی کا بکرا نہیں کہتے۔ یہ جنگی حکمتِ عملی کا بنیادی اصول ہے' اہم تر آدمی کو خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے دوسروں کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو ہراگلے محاذ پر فوجی جرنیلوں کو جانا پڑے اور دوسرا ہر کام ادھورا رہ جائے۔ کامیاب لڑائی کے لیے منصوبہ بندی کرنے والوں کی پیچھے موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔"

اس بار تینوں اول خان کے ہم خیال تھے۔ طے ہوگیا کہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خوفناک ہومیوپیتھک کلینک

ڈاکٹر آصف شاکر ◆ ڈاکٹر نگہت فضل

تعطیل بروز ——— جمعۃ المبارک

[redacted]

اوقاتِ ملاقات: دوپہر ۱۲ تا ۳ بجے

گلشن اقبال برانچ

۶/۱ سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ صفائی پارک گلشن اقبال کراچی

اوقاتِ ملاقات: شام ۶ تا ۹ بجے رات

شاکر ہومیو آل ہیلتھ ہے

مزید معلومات کیلئے فون: 4966698

Downloaded from https://paksociety.com

میری جگہ اکبر علی سفید کپڑے پہن کر مراد کا انتظار کرے گا۔ دلیر خان کو اس کی بگڑی ہوئی اردو کی وجہ سے زیر غور نہیں لایا گیا۔

"یہ سب تیاریاں کرلو لیکن مجھے شبہ ہورہا ہے کہ تم لوگ مراد کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے رہے ہو۔" سب کچھ طے ہوجانے کے بعد ویرا نے ہلکی سی اکتاہٹ کے ساتھ کہا "اول خان نے اس کی پجیرو کا نمبر شہر کے ناکوں کو دیا ہوا ہے۔ وہ شہر میں داخل ہوگا اور اول خان کو علم ہوجائے گا۔ ایک بار وہ نظروں میں آگیا تو اس کے گرد جال مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔ وہ کوئی بڑی کارروائی کیے بغیر بے بس کرلیا جائے گا۔"

مائیکرو سینٹر کی وہ منزل اتنی کشادہ تھی کہ ویرا نے سلطان شاہ اور غزالہ کو ساتھ لے کر برج کی بازی جمالی۔ میں اول خان کے ساتھ درازوں اور الماریوں کی تلاشی لینے میں مصروف ہوگیا۔ اکرم الٰہی کی تجوری میں نقد رقوم اور تمسکات کی بڑی مالیت موجود تھی۔ حامد نے اس کی دیکھ بھال کے بعد تجوری کی چابی دفتر میں محفوظ کردی تھی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد اول خان نے فون پر حامد سے رابطہ کیا اور اسے مائیکرو سینٹر کی طرف آنے والے راستوں کی نگرانی اور حفاظت کے بارے میں ہدایات دینے لگا۔

پانچ بجے تک ہم سب پُرسکون رہے۔ کھانے کے بعد سب ہی کچھ دیر سستا بھی لیے تھے لیکن اس کے بعد میرے اعصاب پر ہلکا سا اضطراب سا طاری ہونے لگا۔

اگر مراد میری طرف سے شبہات میں مبتلا تھا تو اسے قبل از وقت کراچی پہنچ جانا چاہیے تھا مگر اس کے بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ مجھے بے چینی سے ایسی کسی اطلاع کا انتظار تھا جس سے پتا چل سکے کہ مراد کی پجیرو کسی مخصوص راستے سے کراچی کی حدود میں داخل ہوچکی ہے۔

میرے ایما پر اول خان نے پولیس ہیڈ کوارٹرز کے سینٹرل کنٹرول سے رابطہ کیا۔ وہاں سے تصدیق کی گئی کہ مطلوبہ پجیرو کا نمبر ہر داخلی چیک پوسٹ پر پہنچا دیا گیا تھا مگر اس وقت تک پجیرو کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ دن کے اجالے کو شام کا دھندلکا نگلتا جارہا تھا۔ فلیٹ کے اندرونی حصوں میں روشنیاں جلا دی گئی تھیں پھر سورج غروب ہوگیا۔ ہم نے خواب گاہ بھی روشن کرلی۔ میں نے ایک کھڑکی کا پٹ سرکا کر باہر جھانکا تو عمارت کے بیرونی حصے پر لگی ہوئی گلیزنگ کے اس پار اسٹریٹ لیمپس بھی جل اٹھے تھے۔

ساڑھے چھ بجے تک مراد کی پجیرو کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں آئی۔ وقت سر پر چلا آرہا تھا۔ اول خان ہتھیار بند ہو کر نیچے چل دیا تاکہ اکبر علی کو سات بجے باہر جانے کے لیے تیار کرسکے۔

"اوپر اب کتوں کا خطرہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم ویرا کو ساتھ لے کر چھت پر چلے جاؤ۔" میں نے سلطان شاہ کو مشورہ دیا۔ وہاں سے تم دور تک نگاہ رکھ سکو گے۔"

"غزالہ کے ساتھ تخلیہ چاہ رہے ہو تو سیدھی بات کرو۔" ویرا بولی اور پھر میرا جواب سنے بغیر' اٹھتے ہوئے سلطان شاہ سے بولی "ان دونوں کو یہاں چھوڑ دو۔ ہم آسمان کے نیچے' تاروں کی چھاؤں میں باتیں کریں گے۔ آجائے گا تو یہ لوگ ہمیں خود ہی اوپر سے بلالیں گے۔"

"ہم دونوں بھی نیچے جارہے ہیں۔" میں نے اونچی آواز میں اسے آگاہ کیا "اسے آنا ہے تو وہ گلیزنگ توڑ کر سیکنڈ فلور نہیں آئے گا۔ اس سے گراؤنڈ فلور پر ہی سامنا ہوگا۔"

"ویرا ہر وقت کچھ نہ کچھ بولتی رہتی ہے۔" غزالہ ہنستے ہوئے بولی "یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نے کچھ دیر خاموش رکھی تو وہ بیمار ہوجائے گی۔"

معاً فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے حامد بول رہا تھا۔

"ہم پانچ بجے سے اس علاقے میں موجود ہیں۔" رپورٹ دے رہا تھا "ابھی تک اس علاقے میں حیدر آباد رجسٹریشن پلیٹ والی کوئی پجیرو نہیں نظر آئی مگر ابھی ایک سفید کرولا دوسری بار نظر آئی ہے۔"

"اس پر نظر رکھو۔ اس میں کتنے آدمی سوار ہیں؟" میں نے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

"بھری ہوئی ہے۔" "پورے پانچ آدمی سوار ہیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ یہاں بے مقصد گھوم رہے ہوں۔"

"پجیرو کا کچھ پتا نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے گاڑی تبدیل کرلی ہو۔ مشتبہ گاڑی کا پیچھا کرو کہ وہ اس علاقے میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔

"اوکے سر! میں ایک آدمی کو فوراً گاڑی میں روانہ کرتا ہوں۔ وہ کار ابھی داہنی طرف گئی ہے۔"

"اب ضرورت پیش آئے تو موبائل پر رابطہ کرنا۔ میں نیچے جارہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

میں لفٹ کی طرف جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ فون کی

Downloaded from https://paksociety.com

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خود نوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار اقلیم علیم کے قلم سے

موت کے سوداگر

کتابی شکل میں 4 حصے شائع ہو چکے ہیں

قیمت فی حصہ 50 روپے ڈاک خرچ 16 روپے

چار حصے ایک ساتھ منگوانے پر ڈاک خرچ معاف

نوٹ: وی پی ارسال نہیں کیا جاتا۔ رقم پیشگی بذریعے منی آرڈر روانہ کریں کسی قسم کی نقد رقم خط میں ہرگز نہ بھیجیں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر 23 رمضان چیمبرز بلوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

فون: 2628517 فیکس: 2637960

15-10-98

Downloaded from https://paksociety.com

گھنٹی دوبارہ بجنے لگی۔

میں نے بیزاری اور بے دلی کے ساتھ ریسیور اٹھایا اور مراد کی آواز سن کر چونک پڑا۔

"میں نے تیسری بار کوشش کی ہے۔ تمہارا فون مصروف تھا۔" اس کی پُرسکون آواز میں شکوہ تھا۔

"تم کہاں ہو؟ تمہارا کیا پروگرام ہے۔" میں نے اس کی شکایت کو نظر انداز کر کے پوچھا۔ اس کی آواز نے مجھے ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں بمشکل اس جھٹکے پر قابو پا سکا تھا۔

"بس میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔" اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔ وہ فکر و تشویش ذرا بھی نہیں تھی جو صبح اس کے لہجے پر بری طرح حاوی تھی۔

"آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے روانی میں کہا۔

"تم کیوں انتظار کر رہے ہو؟ اس وقت تو مقبول چوہدری کو میرا انتظار کرنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں ہلکی سی کاٹ پیدا ہو گئی "وہ کہاں ہے؟ ذرا اس سے میری بات کرا دو۔"

"وہ باتھ روم میں ہے... میرا مطلب تھا کہ میں سات بجے مائیکرو سینٹر کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔"

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرے جواب سے محظوظ ہو کر دھیرے سے ہنسا ہو پھر اس کی آواز آئی "تم نے سفید کپڑے پہن لیے ہوں گے۔ خیال رکھنا کہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے ورنہ میں باہر سے ہی لوٹ جاؤں گا۔"

"تم بے خوف و خطر ہو کر چلے آؤ۔ یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

فون بند ہو گیا۔ میں نے کریڈل کئی مرتبہ دبانے کے بعد ریسیور کریڈل کے بجائے تپائی پر رکھ دیا۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ مقبول کی تلاش میں دوبارہ فون کرے گا۔ گھنٹیاں مسلسل بجتی رہتیں تو وہ شک میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ فون مسلسل مصروف ملنے پر اس کا جھنجلانا فطری ہوتا لیکن اسے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

میری رسٹ واچ کی سوئیاں دھیرے دھیرے سات بجے کی طرف سرک رہی تھیں۔ میں غزالہ کے ساتھ لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچ گیا۔

دلیر خان کسی فرض شناس محافظ کی طرح بند دروازے کے پاس تنا ہوا کھڑا تھا۔ اکبر علی موجود نہیں تھا۔ شاید اول خان اسے میری جگہ باہر بھیج چکا تھا اور خود کرسی پر بیٹھا ایک خودکار رائفل کا جائزہ لے رہا تھا۔

وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ میں نے جلدی جلدی اسے حامد اور پھر مراد سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

"پیجرو کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی اور گاڑی میں حیدر آباد سے کراچی آیا ہے" اول خان پُرتشویش لہجے میں بولا "حامد تجربے کار افسر ہے۔ اس کی نگاہیں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ سفید کرولا میں مراد ہی اپنے ساتھیوں سمیت ہمارے آس پاس منڈلا رہا ہے۔"

"اس کے فون کا مطلب ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی فیصلہ کر کے آیا ہے اور چھیڑ چھاڑ کے موڈ میں ہے۔"

"آنے دو۔ اسے آنے دو۔ اس نے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کی تو حامد اور اس کے آدمی اسے باڑھ پر رکھ لیں گے۔"

"لیکن ہم اندر پھنسے ہوئے ہیں۔ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے" میں نے بے چینی سے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں نتیجے پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ وہ نتیجہ کون حاصل کرتا ہے' اس وقت یہ بات قطعی غیر ضروری ہے۔ تم پُرسکون رہنے کی کوشش کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ضرورت سے زیادہ ہیجان میں مبتلا ہو۔"

گھڑی کی سوئیاں سات پر پہنچیں اور پھر وہیں اٹک کر رہ گئیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر طرف مہیب سناٹا چھا گیا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں خود بہ خود تیز ہونے لگیں۔

اچانک باہر کی فضا ایک فائر کے ہولناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ اسی دھماکے کے جلو میں ایک بھیانک انسانی چیخ سنائی دی۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور پیشانی پر تیزی سے پسینے کی ٹھنڈک پھیلنے لگی۔ میرے کانوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا تو وہ چیخ اکبر علی کی تھی جو میری جگہ مراد کا استقبال کرنے کے لیے باہر کھڑا ہوا تھا۔

اکلوتے فائر کے بعد بس لمحہ بھر کے لیے خاموشی ہوئی اور پھر باہر کی فضا زبردست فائرنگ کے شور سے لرزنے لگی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی بڑے گروہ نے بہ یک وقت اپنے خودکار آتشیں ہتھیاروں کے دہانے کھول دیے ہوں۔

اول خان نے دروازہ کھولا اور رائفل لے کر دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں بھی ریوالور تان کر اس کے پیچھے ہو لیا۔

اس وقت میں مراد کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا۔ میرے لیے اکبر علی کی جان دنیا کی ہر شے پر مقدم تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://pksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے مراد شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو چاچا جمشید، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مقبوضہ سامراجی کو ہیونن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی۔ ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گردی کی کارروائیوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اولی خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا سالار سربراہ تھا۔ جسے ایشیاٹک ٹائیگر فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بپی ویرا ہنی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست بھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ فونامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں راس المیڈا نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد راس المیڈا اس غلط بات کو بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا۔ ہم بھی اسی کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیڈ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے پے در پے انکشافات کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کو کامیابی کے ساتھ ہم پاکستان واپس پہنچے، یہاں مدن موہن کے نیپل انفارمیشن سیل کے دو ممبران سے تفتیش کے نتیجے میں کھنول راجوانی کا نام سامنے آیا، اپنی سیاسی حیثیت کے باعث وہ ہمارے لیے آسان شکار ثابت نہیں ہوا اور ہمارے ہاتھوں سے پھسلی مچھلی کی طرح پھسلنے کے بعد اسلام آباد پہنچا مگر اس کے ستارے گردش میں آ چکے تھے اور واپس کراچی لایا گیا اور وہ میری مخبری کے نتیجے میں امریکی ایجنٹوں سمیت جہنم واصل ہوا۔ اب ہمارے سامنے امریکی قونصلیٹ کا ملازم ادریان ڈی ہنٹ تھا۔ میں اس سے امریکن گرین کارڈ کے لالچی کرتل جمال دستی کے روپ میں ایس ٹی ایف کے عذاب کی حیثیت سے ملا اور اسے تین دن کی ڈیڈ لائن دی کہ وہ ڈیڈ کی تلاش کر کے اس کے حوالے کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہوں۔ وہ دوسرے امریکیوں کے مقابلے میں قدرے مشکل ثابت ہو رہا تھا، اس نے میرے اور اولی خان کے تعاقب پر ٹس بھی حاصل کر لیے۔ اس کی جدوجہد ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اولی خان نے حکام سے بات کی اور انہوں نے فیصلہ ہماری صوابدید پر چھوڑ دیا۔ میں نے ادریان سے رابطہ کیا مگر وہ محتاط ہو چکا تھا، اس نے مجھے اغوا کرنے کی ناکام کوشش بھی کی۔ بہر حال میں نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور رستم نے خود کشی کر لی۔ پنڈت منوہر لال کو وہاں سے بازیاب کرا لیا گیا۔ پنڈت نے بتایا کہ رستم نے اسے مسوہا میں شامل کرایا تھا۔ رستم کی خودکشی پر ایک نام نہاد بین الاقوامی این جی او فریڈم انٹرنیشنل پاکستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے واویلا پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکبر الٰہی تھا جو کچھ عرصے سے ملک سے باہر تھا تاہم اس کی غیر موجودگی میں اس کا ہمنوا مقبول چوہدری رستم کی خودکشی پر شور مچا رہا تھا۔ ہم نے فریڈم انٹرنیشنل کی عمارت پر کامیاب کارروائی کی۔ مقبول چوہدری وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا اور اپنی منظور نظر طوائف کے گھر جا پہنچا۔ فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعینہ اکرم الٰہی ہمیں مل گیا۔ اس نے بتایا کہ اسے مقبول چوہدری نے اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لیے قید کیا ہوا تھا۔ اس کی ذات بھی شک و شبے سے بالاتر نہیں تھی اس لیے اس کے ٹیلی فون پر آبزرویشن لگا کر اسے فی الحال آزاد چھوڑ دیا گیا۔ میں نایاب ایک لڑکی کی مدد سے مقبول الٰہی کو اس کی کمین گاہ سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اسٹیشن فور پہنچا دیا گیا۔ اکرم الٰہی کے فون پر لگائی گئی آبزرویشن کے نتیجے میں ہمیں علم ہوا کہ یوسف رائیل نامی ایک امریکی سفارت کار اس ملاقات کے لیے کراچی آ رہا ہے۔ اکرم الٰہی کی سخت نگرانی کی جاری تھی ہم اسے یوسف رائیل سمیت گرفتار کرنا چاہتے تھے وہ اپنی نگرانی کرنے والوں کو جل دے کر یوسف رائیل سے ملنے ہوٹل پہنچا۔ ہم بھی اس کے پیچھے تھے۔ اکرم الٰہی نے ہمیں دیکھتے ہی ہوٹل سے راہ فرار اختیار کی مگر ہدایت کے مطابق ہم نے اپنی حاضر دماغی اور اسے ملنے والے محب وطن شہری ذرا سر مجید کی معاونت سے اکرم الٰہی کو قابو میں کر لیا۔ ہوٹل میں یوسف رائیل نے سفارتی حیثیت کا حوالہ دے کر جان چھڑانا چاہی مگر ناکام ہوا۔ ہم نے آئی ایل والوں سے رابطہ کیا، اسلام آباد میں ان کی کارروائیوں کے باعث امریکیوں کو اس معاملے میں خفت سے دوچار ہونا پڑا اور یوسف رائیل صدر امریکا کے ایک حکم کے تحت اپنے عہدے سے برطرف ہو کر امریکا عازم سفر ہوا۔ اکرم الٰہی سے پوچھ گچھ کے دوران میں اس نے بتایا کہ وہ بطور انسداد دہشت گردی کے لیے قائم کی گئی امریکی ایجنسی فورڈ فاؤنڈیشن کو ان کی خفیہ سرگرمیوں کے حوالے سے بلیک میل کر کے خطیر رقوم حاصل کرتا رہا ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن کی ان سرگرمیوں کی فائل اس کے قبضے میں تھی جسے مقبول چوہدری نے اس سے حاصل کر لیا تھا۔ ہمارے لیے اس فائل کا حصول بہت ضروری تھا۔

مجھے ننانے فون پر بتایا کہ مقبول چوہدری نے اپنی منظور نظر طوائف کے گھر میں ایک بریف کیس حفاظت کی تاکید کے ساتھ رکھوایا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ وہی ہمارا مطلوبہ بریف کیس ہے۔ مجھے اس بریف کیس کے حصول میں کوئی دشواری نہیں ہوئی اور میں نرگس سے تعاون کے نام پر وہ بریف کیس لے آیا۔ مقبول چوہدری اور اکرم الٰہی ہمارے لیے زیادہ سود مند ثابت نہیں ہوئے اس لیے ان سے چھٹکارے کا فیصلہ کر لیا گیا اور وہ دونوں اپنے انجام کو پہنچے۔ مقبول الٰہی کے بریف کیس سے ملنے والے انکشافات کی چھان بین سے مراد ظریف کا نام سامنے آیا۔ اس نے غیر معمولی طور پر بہت کم عرصے میں ترقی کا سفر طے کیا تھا اور اندرون سندھ ... ایک این جی او چلا رہا تھا۔ وہ مقبول اور اکرام الٰہی سے غائبانہ واقف تھا۔ میں نے اسے مقبول چوہدری کا حوالہ دے کر ملاقات کے لیے مائیکرو سینٹر بلایا۔ وہ مائیکرو سینٹر کے اطراف میں تھا جب وہاں کی فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس کے استقبال کے لیے بھیجے گئے ایسن ٹی ایف کے کارکن اکبر علی کی تیغ فضا میں بلند ہوئی ہو۔ میں دیوانہ وار باہر کی طرف دوڑا۔ اس وقت میں مراد کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا، میرے لیے اکبر علی کی جان دنیا کی ہر شے پر مقدم تھی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

ہم سب مائیکرو سینٹر میں محصور تھے۔ ہمیں کوئی اندازہ نہیں تھے۔ میں جوں ہی مائیکرو سینٹر سے نکلا، ایک گولی میرے چہرے سے تھا کہ مراد ظریف اور اس کے حواری کس سمت سے نمودار ہوئے اتنے قریب سے گزری کہ اس کی حرارت مجھے اپنے بائیں رخسار پر

Downloaded from https://paksociety.com

محسوس ہوئی اور میں اپنے تحفظ کی حیوانی جبلت کے تحت بے اختیار دیوار سے چپک گیا۔

اس دن علاقے میں گھور اندھیرا نہیں تھا' شام کے محض سات ہی بجے تھے لیکن دفاتر اور دکانوں وغیرہ کی متعدد روشنیوں کے ساتھ اسٹریٹ لیمپس بھی جل اٹھے تھے اور قرب وجوار کے مناظر صاف نظر آرہے تھے۔

باہر خاصے تواتر سے فائرنگ ہورہی تھی۔ یہ ایک یقینی بات تھی کہ اس تصادم کی ابتدا' مراد ظریف یا اس کے کسی آدمی نے اکبر علی پر گولی چلا کر کی تھی۔ حامد اور اس کے ساتھیوں کے لیے اس واقعے پر خاموش رہنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا۔ فضا میں اکبر کی چیخ بلند ہوتے ہی ان لوگوں کا پوری قوت سے حرکت میں آنا قطعی فطری تھا۔

پھر فائرنگ کے شور میں مختلف ساخت کے ہتھیاروں کی ملی جلی آوازوں سے یہ اندازہ بھی ہورہا تھا کہ وہ فائرنگ یک طرفہ نہیں تھی۔ دونوں طرف سے باقاعدہ جم کر فائرنگ کی جارہی تھی۔ اگر حامد اپنے مجرموں کو زیر کرنے کے لیے کوشاں تھا تو مراد ظریف کے آدمی انہیں دہشت زدہ کرکے بھاگ نکلنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

مائیکرو سینٹر کی عقبی گلی میں' میرے چہرے سے ذرا سے فاصلے سے گزرنے والی گولی اس امر کی غمازی کررہی تھی کہ وہ گلی..... مخدوش تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ کون کس رخ پر تھا اور میں کس کی گولی سے بچا تھا۔ ایک بار بال بال بچ جانے کے بعد میں دوبارہ وہ خطرہ مول لینے کی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔

اول خان رائفل سنبھال کر مجھ سے پہلے مائیکرو سینٹر کے عقبی دروازے سے نکلا تھا۔ اس کی پوزیشن بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ خطرہ بھانپتے ہی وہ سینے کے بل سخت اور کھردری زمین پر لیٹ گیا تھا اور پیٹ کے بل رینگ کر عمارت کے کونے تک پہنچنے کی کوشش کررہا تھا تاکہ وہاں سے بہتر طور پر حالات کا جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرسکے۔

میرے لیے سب سے زیادہ اطمینان کی بات یہ تھی کہ پہلے فائر کے ساتھ گونجنے والی' اکبر علی کی بے ساختہ چیخ کے بعد اس کی کوئی دوسری درد آمیز آواز نہیں سنائی دی تھی اور وہ مجھے کوڑے کے ایک ڈرم کی اوٹ میں بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا۔

مراد ظریف سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مجھے سات بجے' سفید کپڑوں میں ملبوس ہوکر اس کا انتظار کرنا تھا۔ اول خان نے اپنے طور پر میری جگہ اکبر علی کو وہ کام سونپ دیا تھا۔ اپنے مکمل سفید لباس کی وجہ سے وہ دور ہی سے نمایاں نظر آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول موجود تھا مگر اس کی شلوار کا داہنا پائنچا خون سے سرخ ہورہا تھا۔

شاید مراد ظریف نشانے کا کچا تھا۔ اس کی چلائی ہوئی گولی اکبر علی کے سینے میں پیوست ہونے کے بجائے اس کی پنڈلی کو زخمی کرگئی تھی۔ میرے دل اور ضمیر کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ اکبر علی زندہ تھا اور بادی النظر میں اس کا زخم مہلک نظر نہیں آرہا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی اصل جگہ چھوڑ کر کوڑے کے ڈرم کی اوٹ میں پہنچنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوپاتا۔ اپنے سفید کپڑوں اور کم رینج کے ہتھیار کی وجہ سے وہ خطرے کی زد سے باہر نہیں تھا۔

جس طرح اکبر علی کوئی زیادہ مہلک ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لے جاسکا تھا۔ اسی طرح میں بھی عجلت میں محض ایک ریوالور لے کر باہر نکل کھڑا ہوا تھا۔ ہم دونوں کے ہتھیار کسی بھی قابل ذکر فاصلے پر موجود حریف کو نشانہ بنانے کے لیے ناکافی تھے جبکہ اول خان کو یہ برتری حاصل تھی کہ اس کے پاس لمبی رینج کی جدید اور خود کار رائفل موجود تھی۔ اسے دوسرا فائدہ یہ تھا کہ وہ اپنے عملے کے ہر فرد کو اچھی طرح پہچانتا تھا اور محض ایک جھلک دیکھ کر دوست اور دشمن میں تمیز کرسکتا تھا۔ اس نے خود کو خطرے سے بچاتے ہی ان مثبت نکات سے فائدہ اٹھانا شروع کردیا تھا۔

اس نے کافی فاصلے پر بھاگتے ہوئے ایک شخص پر یکے بعد دیگرے دو فائر کیے پھر لمحہ بھر کے توقف کے بعد رائفل کے میکانزم کو تبدیل کرتے ہی اس پر برسٹ کھول دیا۔

اس کا شکار دوڑتے دوڑتے فضا میں یوں اچھلا جیسے اس کے جوتوں کے نیچے اسپرنگ نکل آئے ہوں پھر وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ منہ کے بل زمین پر جا رہا۔

یکایک فائرنگ کا زور ٹوٹنے لگا۔ ذرا سی دیر میں صرف ایک جیسے ہتھیاروں کی آوازیں فضا میں گونجتی رہ گئیں۔ اس وقت تک اول خان مائیکرو سینٹر کے کونے تک پہنچ کر دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہوچکا تھا۔

"الفا! زمین پر رینگتے ہوئے واپس لوٹ آؤ!" فضا میں اول خان کی اضطراری آواز گونجی۔

اس کا وہ حکم واضح طور پر اکبر علی کے لیے تھا جس کے نام کا پہلا حرف اے تھا اور ہنگامی ضروریات میں اے کے واضح اظہار کے لیے الفا اور بی کے لیے برادو استعمال کیا جاتا تھا۔

اکبر علی نے زمین پر لیٹ کر کہنیوں کے بل تیزی سے ہماری طرف رینگنا شروع کیا تو میں دیوار کے ساتھ ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا' اول خان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اسی وقت میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے بٹن دبا کر ایئر پس فوراً کان سے لگالیا۔

"سر! وہ لوگ شاید گاڑی چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں..." میرے

Downloaded from https://paksociety.com

کان میں حامد کی شناسا آواز گونجی۔

"پھر یہ اتنی فائرنگ کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"یہ صرف میرے آدمیوں کا فائر ہے' سر!" دوسری طرف سے جواب آیا۔

"بلاوجہ اپنا میگزین برباد مت کرو۔ شاید اول خان نے ان کا ایک آدمی مار لیا ہے۔"

"میں نے دیکھا ہے سر! وہ بھاگتے ہوئے گولیوں کی زد میں آیا تھا" حامد کی آواز آئی پھر وہ شاید ٹرانسمیٹر پر اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو گیا "فائر بند کردو!" اس کی وہ آواز فون پر بھی سنائی دی تھی۔

یک لخت فضا میں گونجتا ہوا فائرنگ کا شور تھم گیا۔ دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہ سناٹا بہت غیر فطری اور مہیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

حامد نے اپنے آدمیوں کو فائرنگ روکنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں فضا پر جو سکوت طاری ہوا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ مراد ظریف اپنے آدمیوں سمیت میدان چھوڑ کر پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔

"وہ بھاگ گئے!" میں نے اونچی آواز میں اکبر علی سے کہا "اگر تم اپنے قدموں پر چل سکتے ہو تو اب پیٹ کے بل زمین پر رینگنے کی ضرورت نہیں۔"

یہ دیکھ کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوئی کہ اکبر علی زخمی ہونے کے باوجود اپنے قدموں پر چلنے کے قابل تھا۔ وہ زمین سے اٹھا اور لنگڑاتا ہوا ہماری طرف آنے لگا۔

میدان صاف ہونے کا یقین ہونے کے بعد حامد اپنی مختصر سی نفری کے ساتھ ہم سے آملا۔

اس سے پتا چلا کہ اکبر علی کے اوپر وار ہوتے ہی ان لوگوں کی جوابی فائرنگ سے مجرموں کی سفید کرولا کا پچھلا حصہ بری طرح چھلنی ہو گیا تھا۔ دونوں ٹائر ناکارہ ہونے کی وجہ سے ان کی گاڑی چلنے کے قابل نہیں رہی تھی لہٰذا انہوں نے زبردست فائرنگ کرتے ہوئے گاڑی سڑک پر ہی چھوڑ دی تھی۔

وہ کچھ دیر تک رکاوٹوں کی آڑ لے کر فائرنگ کرتے رہے مگر جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ اپنے حریفوں سے مقابلے میں گھر کر وہ مارے یا پکڑے جائیں گے' فرار کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ اس کا احساس ہوتے ہی وہ فائرنگ کی آڑ لے کر یکے بعد دیگرے وہاں سے غائب ہوتے چلے گئے۔

سفید کرولا میں سوار ہو کر توحید کمرشل کے علاقے میں چکر لگانے والوں کو' ان میں سے کسی نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا کہ دوبارہ سامنا ہونے پر انہیں پہچان سکیں لیکن پھر بھی حامد نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اپنے چاروں آدمیوں کو دو گاڑیوں میں پورے علاقے کی چھان بین کے لیے روانہ کر دیا۔

بھاگنے والوں کے حق میں دو نکات سخت نقصان دہ تھے۔ اول یہ کہ وہ شہر کے اس صاف ستھرے کاروباری علاقے میں اجنبی تھے۔ دوئم یہ کہ وہ حالت فرار میں تھے۔ ان کا حد سے بڑھا ہوا اضطراب اور چوکنا پن ان کے لیے کہیں بھی عذاب بن سکتا تھا اور حامد شاید ان ہی امکانات کی طرف سے پرامید تھا۔

وہ سب بہت تیزی کے ساتھ ہوتا چلا گیا۔ حامد کے آدمی علاقے کی ریکی پر روانہ ہوئے اور میں اول خان کے ساتھ دور پڑے ہوئے اس شخص کی طرف بڑھ گیا جو اول خان کی رائفل کی گولیاں کھا کر ڈھیر ہوا تھا۔ دلیر خان نے باہر آکر اکبر علی کو سنبھال لیا تھا۔ غزالہ اکیلی اس تباہ حال کرولا کی طرف بڑھ گئی تھی جو مجرم چھوڑ کر بھاگے تھے۔

وہ گرے رنگ کی قمیص اور شلوار میں ملبوس ایک درشت رو نوجوان تھا جس کے چہرے پر گھنے اور سخت بال بے ترتیبی سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس کی پیشانی پر کسی پرانے زخم کا ایک لمبا سا نشان اس امر کی چغلی کھا رہا تھا کہ اس کا ماضی بے داغ نہیں رہا ہوگا۔ اپنے چہرے مہرے سے ہی وہ لڑنے مرنے والا نظر آرہا تھا۔

مراد ظریف کسی مذموم منصوبے کے تحت اسے چھوٹے سے آہنی دستے والی خودکار رائفل سے لیس کر کے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کی وہ رائفل دھول میں پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا میگزین چیک کیا تو وہ نصف سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔ قضا کے سفاک ہاتھوں نے اسے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ وہ اپنا میگزین خالی کر سکے۔

اس کی پشت پر تین گولیاں لگی تھیں۔ دو اس کے جسم میں پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔ تیسری سینہ چیر کر پار نکل گئی تھی اور شاید وہی اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی تھی۔

اچانک ہونے والی فائرنگ کی وجہ سے پورے علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ جو دکانیں وغیرہ کھلی ہوئی تھیں وہ بھی تیزی سے بند ہونے لگی تھیں۔ ہر شخص اس واقعے کی گواہی میں ملوث ہونے سے جان بچانے کی فکر میں مبتلا تھا۔ وہ لوگ چند روز پہلے وہاں ہونے والے واقعات کو نہیں بھولے تھے جن میں کوئی ہلاک نہیں ہوا تھا مگر زبردست افراتفری دیکھنے میں آئی تھی۔

حامد کے آدمیوں کی واپسی تک ہم وہیں رکے رہے۔ قریب آئے بغیر لوگ جان چکے تھے کہ اس مقابلے میں کم از کم ایک شخص مارا گیا تھا اور دو سر زخمی ہوا تھا۔

ہم میں سے کسی کے جسم پر کوئی وردی تھی نہ کسی گاڑی پر کوئی سرکاری نشان تھا پھر بھی ہمارے حد سے بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے لوگوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہم قانون کے محافظوں میں سے تھے۔ وہ ہمارے قریب آنے سے گریزاں تھے اس لیے ان کی طرف سے کسی بھی تعرض کا اندیشہ خارج از امکان تھا۔

اول خان وہاں سے ہٹنے سے پہلے حامد کو بریفنگ دے رہا تھا

Downloaded from https://paksociety.com

کہ سائرن بجاتی ہوئی دو پولیس موبائلیں تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئیں اور ہمارے قریب رک گئیں۔

ان دونوں گاڑیوں کے پچھلے حصوں سے باوردی سپاہی اپنے ہتھیار سیدھے کرتے ہوئے بہت تیزی سے نیچے آئے۔ اگلی پولیس موبائل میں ڈرائیور کے برابر والی نشست سے انسپکٹر کے عہدے کا ایک صحت مند افسر نیچے اترا۔ تمام سپاہی مشینی انداز میں اس کے پیچھے صف آرا ہوگئے۔ ان کے ہتھیار ہماری طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"آرمز ڈاؤن!" اول خان نے سرد اور تحکم آمیز آواز میں کہا "ہم دشمن نہیں' دوست ہیں۔ ہمارا آپریشن ختم ہوچکا ہے۔ یہ لاش تم ہی کو لے جانی ہے۔"

انسپکٹر نے مڑے بغیر اپنے بائیں ہاتھ کا اشارہ کیا اور پولیس والوں کے ہتھیاروں کی نالیں جھکتی چلی گئیں۔ انسپکٹر کا داہنا ہاتھ بھی جھک گیا جس میں سروس پسٹل دبا ہوا تھا۔

"ہمیں اس علاقے میں کسی آپریشن کی کوئی اطلاع نہیں ہے" انسپکٹر نے ہماری طرف پیش قدمی کرتے ہوئے مہذب اور دبے لہجے میں احتجاج کیا "ہم ایک گمنام فون پر یہاں آئے ہیں۔"

"ہر شخص ہر بات سے باخبر نہیں ہوتا" اول خان نے سنجیدگی سے جواب دے کر حامد کو اشارہ کیا اور وہ اپنی جیب سے کچھ نکالتا ہوا انسپکٹر کی طرف بڑھ گیا۔

حامد کی پشت میری جانب تھی۔ میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ اس نے اپنی جیب سے کیا چیز نکال کر پولیس انسپکٹر کو دکھائی تھی مگر اس کا نتیجہ اسی لمحے سامنے آگیا۔ انسپکٹر نے فوراً ہی سیلوٹ کیا تھا۔

وہ سیلوٹ واضح طور پر حامد کے لیے نہیں تھا بلکہ اس بیج یا شناخت نامے کے لیے تھا جو حامد نے انسپکٹر کو دکھایا تھا۔ مجھے بے اختیار جمی لائیڈ کے زمانے میں شی کے بڑوں کی باہمی شناخت کے لیے استعمال ہونے والی طلسماتی سلور آئی یاد آگئی جس نے متعدد اہم مواقع پر مجھے مہلک خطرات سے بچایا تھا۔

وہ شی کے عروج کے زمانے کی کہانی تھی جب ہر طرف جمی لائیڈ کے نام کا طوطی بولتا تھا اور میں صرف ایک آئی مین کو ہلاک کرکے اس کی سلور آئی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا تھا لیکن جب پے در پے کئی سلور آئیز ان لوگوں کی تحویل سے نکل گئیں تو سنگین دھوکوں سے بچنے کے لیے باہمی شناخت کے ان ذرائع کو یکسر ختم کردیا گیا۔

گاڑی سے اترتے وقت انسپکٹر کا انداز قدرے تحکمانہ تھا لیکن وہ فضا چند لمحوں سے زیادہ برقرار نہیں رہ سکی۔ اس نے پروقار انداز میں آگے بڑھ کر ہم سب سے ہاتھ ملایا اور اول خان حامد کو وہاں چھوڑ کر واپس چل دیا۔

میرے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ راستے میں غزالہ ہم دونوں کے ساتھ شامل ہوگئی۔ پولیس پارٹی کی آمد پر اس نے خود پر قابو پائے رکھا تھا اور ان تک پہنچنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"کچھ بھی نہیں ہوا" تیزی سے رونما ہوتے ہوئے واقعات کے گرداب سے باہر نکلتے ہی میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا "اپنی دانست میں وہ مجھے مار کر یا زخمی کرکے نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔"

"یہ ان کی کامیابی نہیں' بدترین ناکامی ہے" اول خان نے زور دے کر کہا "تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوا' اکبر علی کو معمولی سا زخم آیا ہے جو چند روز میں مندمل ہوجائے گا۔ ان کا ایک ساتھی کتے کی سی موت مارا گیا ہے۔ مراد ظریف اپنی اس احمقانہ مہم جوئی پر مدتوں پچھتاتا رہے گا۔ یہ اس کا..."

"اوہ! تو کیا وہ مرگیا؟" غزالہ نے چونک کر پوچھا "زندہ ہمارے ہاتھ آجاتا تو اس سے بہت کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔"

"میرے نزدیک یہ ہماری ناکامی ہے" میں نے بدمزگی سے کہا "ہماری ساری تیاریاں دھری کی دھری رہ گئیں' وہ آئے اور گولیوں کی برسات کے سائے میں بھاگ گئے۔ مرنے والا ہمارے کس کام آئے گا؟"

اول خان نے میری بددلی بھانپ لی اور خاموش ہوگیا۔ چند ثانیوں بعد ہم دوبارہ مائیکرو سینٹر پہنچ چکے تھے۔

دلیر خان پورے حوصلے کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ ویرا نیچے آئی تھی اور اکبر علی کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اسے ڈریسنگ کے لیے اوپر لے گئی تھی۔

لفٹ میں اوپر جاتے ہوئے بھی یہ خیال مجھے پریشان کرتا رہا کہ مراد ظریف میرے جال میں کیوں نہ پھنس سکا۔

اوپر اطلاع ملی کہ اکبر علی کا زخم واقعی معمولی تھا۔ اس کی پنڈلی کی ہڈی محفوظ تھی۔ گولی اس کی جلد اور گوشت کا کچھ حصہ پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ چند روز کی مرہم پٹی اور آرام کے نتیجے میں زخم بھرنے کی امید تھی۔

جب تک ویرا کسی پیشہ ور نرس کے انداز میں اکبر علی کی مرہم پٹی کرتی رہی' سب اپنی اپنی جگہ خاموش اور غور و فکر میں غلطاں رہے۔ ویرا' اکبر علی کو دوسرے کمرے میں پہنچا کر واپس آئی تو اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں "معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ہاتھ نہیں آسکا؟"

"ایک ہاتھ آیا ہے مگر وہ مارا جاچکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے" مجھ سے پہلے ہی غزالہ بول پڑی۔

"گڑبڑ کچھ نہیں ہوئی" سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر اپنی رائے دی "ویرا کا بڑا بول سامنے آیا ہے۔ ابھی کا خیال تھا کہ ہم گیدڑ کے لیے آدم خور شیر کے شکار جیسی تیاریاں کررہے ہیں۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہی تھی" ویرا چڑچڑے لہجے میں بولی "تم لوگوں کی تیاریاں فول پروف تھیں۔ شرم کی بات ہے کہ پھر بھی ان میں سے کوئی زندہ تمہارے ہاتھ نہ آسکا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"لڑنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا "اصل غلطی یہ ہوئی کہ ہم میں سے کوئی بھی مراد کی چالاکی اور ذہنی سطح کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس کے بارے میں ہمارا ہر اندازہ غلط ثابت ہوا۔"

"تم نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا؟" میری توقع کے برعکس' ویرا نے سنجیدگی اور دلچسپی سے پوچھا۔

ویرا کی سنجیدگی نے ماحول ہی بدل ڈالا۔ اول خان کہہ رہا تھا "ہمارا خیال تھا کہ وہ قلاش آدمی تھا۔ اچانک مال ہاتھ آجانے کے بعد اس کا دماغ عرش پر پہنچا ہوا ہوگا مگر تجربے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہ اپنے ذہن سے پوری طرح کام لے رہا ہے اور متوقع خطرات سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کررہا ہے۔"

"یہ سب تم اپنے کس تجربے کی بنا پر کہہ رہے ہو۔ ابھی تو اس سے ہمارا سامنا ہی نہیں ہوا۔ اس نے یہاں آکر مار دھاڑ کی اور کسی چور کی طرح بھاگ گیا" ویرا کی آواز سے ہلکی سی الجھن مترشح ہونے لگی۔

"ہمارا اندازہ تھا کہ وہ شان وشوکت کے ساتھ پجیرو میں سوار ہوکر حیدرآباد سے کراچی کے لیے روانہ ہوگا تاکہ مقبول چوہدری سے برابری کی سطح پر ملاقات کرسکے۔ اس نے اپنی پجیرو کے بجائے ایک عام سی گاڑی کو ترجیح دی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اسے ابتدا سے ہی ڈینی کی کہانی پر شبہ ہوگیا تھا؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"بالکل!" اول خان نے پرزور انداز میں اس کی تائید کی "اسے حیرت تھی کہ اس نے محض چند روز پہلے موبائل فون کا کنکشن لیا ہے اور اپنے چند مخصوص دوستوں کے سوا کسی کو اس کا نمبر نہیں دیا پھر مقبول چوہدری یا اس کے کسی معتمد کو اس کا فون نمبر کیسے مل گیا۔ ہم نے مراد کے اس سوال کو نظرانداز کرکے غلطی کی تھی۔"

"ڈینی نے اسے مطمئن کردیا تھا۔ اس نے اپنے سوال پر زیادہ زور نہیں دیا تھا" ویرا بولی۔

"یہ تمہاری رائے ہے۔ اس کے ذہن میں ایک شبہ سرابھار چکا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے منصوبے کے ہر مرحلے پر احتیاط سے کام لیا۔ پجیرو کے بجائے کرولا میں کراچی آنا اسی احتیاط کا ایک حصہ تھا" اول خان نے کہا۔

"اس کی چھٹی حس اسے خطرے کا احساس دلا رہی تھی اس لیے وہ اکیلا کراچی نہیں آیا' اپنے ساتھ چار مسلح محافظوں کو بھی لیتا آیا تاکہ برے وقت میں وہ اس کا ساتھ دے سکیں" غزالہ نے تائید طلب لہجے میں پوچھا۔

"تم صحیح سمت میں سوچ رہی ہو۔ اس کے اور مقبول چوہدری کے درمیان اس قدر گہرا اور پراسرار تعلق تھا کہ وہ ڈینی کے پیغام کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔ اول خان نے [illegible] تک پتا نہیں تھا کہ اسے حال میں یہ دیکھنا تھا کہ مقبول چوہدری کے نام کی آڑ لے کر کون اس کے پیچھے لگا ہے۔ اس کی مقبول سے ملاقات ہوجاتی تو وہ مطمئن ہوکر لوٹ جاتا ورنہ تصادم ناگزیر تھا جو ہوکر رہا۔"

"اس نے وہ مرحلہ آنے سے پہلے ہی ہتھیار اٹھالیے" ویرا بولی "اسے سفید کپڑوں میں ملبوس شخص تک پہنچ کر یہ دیکھنا چاہیے تھا کہ وہ کیا کہتا ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے؟"

"آرام دہ کرسی میں بیٹھ کر یہ سب کہنا بہت آسان ہے" میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "خود کو اس کی جگہ رکھ کر سوچو گی تو ہر سوال کا جواب ملتا چلا جائے گا۔"

"اگر میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں تو تم ہی میرے سوال کا جواب دو" ویرا نے مطالبہ کیا۔

"حامد کے آدمیوں نے سات بجے کے مقررہ وقت سے پہلے ان کی مشتبہ گاڑی کو اس علاقے میں گھومتے دیکھ لیا تھا۔ نہ جانے وہ کب سے توحید کمرشل میں موجود تھے۔ انہوں نے مائیکرو سینٹر کا رخ کرنے سے پہلے فریڈم انٹرنیشنل پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں چھان بین کی ہوگی۔ پچھلے چند روز میں یہاں جو کچھ ہوا' وہ پوری تفصیل سے اخباروں میں نہیں چھاپا گیا لیکن علاقے کے مکینوں کو بہت کچھ معلوم ہے کہ مقبول چوہدری روپوش ہوگیا۔ اکرم الٰہی بحال ہوا اور پھر غائب ہوگیا..."

"اور اسی بنیاد پر اس نے بھڑجانے کا فیصلہ کرلیا؟" ویرا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"مراد کا دماغ الجھ گیا ہوگا۔ یہ نہ بھولو کہ امریکا کی فورڈ فاؤنڈیشن کی ہدایت پر فریڈم انٹرنیشنل والے مراد کی پشت پناہی کررہے تھے۔ یہ بہت اونچا کھیل ہے۔ اس کے سارے مہرے مضبوط تھے۔ مراد کو اپنی سلامتی اور خوش حالی داؤ پر لگی ہوئی نظر آرہی تھی۔ اس نے سات بجنے سے چند منٹ پہلے فریڈم انٹرنیشنل کے نمبر پر فون کیا اور مجھ سے بات کی۔ وہ مقبول چوہدری سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ اگر پروگرام میں کہیں گڑبڑ نہیں تھی تو مقبول چوہدری کو اس وقت موجود ہونا چاہیے تھا..."

"بس' یہی فیصلہ کن موڑ تھا۔" ہیجان کے باعث اول خان میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا "ڈینی نے مقبول چوہدری کے ہاتھ روم میں ہونے کا عذر پیش کیا اور فون بند ہونے کے بعد ریسیور کریڈل سے نیچے رکھ کر فون لائن کو مصروف کردیا۔ مراد نے یقیناً آخری لمحے تک فون پر مقبول چوہدری سے بات کرنے کی کوشش کی ہوگی پھر اس نے اکبر علی سے ملنے کے بجائے اس پر فائر کردیا... ہوسکتا ہے کہ اس کے اس فیصلے میں ارادے سے زیادہ اضطرار اور بے چینی کا دخل رہا ہو۔"

"بات سمجھ میں آرہی ہے" سلطان شاہ نے سرہلا کر اعتراف کیا "وہ منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کرتا تو اتنی آسانی سے اس کے [illegible]

Downloaded from https://paksociety.com

کیا کرنا ہے۔"

"وقت سر پر آچکا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کی ملاقات مقبول سے ہوگی یا کوئی اور اس پر ہتھیار تان لے گا" ویرا تفہیمی انداز میں بولی "اس کا سب کچھ داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اس کے اعصاب چیخ رہے ہوں گے۔"

"اس وقت دونوں فریقوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے" غزالہ نے سکوت توڑتے ہوئے کہا "ہم اسے کھو کر پشیمان ہیں اور اسے کچھ نہیں معلوم کہ کون اس کی راہ پر لگا ہوا ہے۔"

"تم لوگ بڑی بڑی باتوں کے چکر میں چھوٹے نکتوں کو نظرانداز کررہے ہو" اول خان نے پہلو بدل کر قدرے درشتی سے کہا "اس کے نکل جانے کے باوجود ہم ناکام نہیں ہوئے۔ ہماری کامیابی کا تمغا ہمارے پاس موجود ہے۔"

ویرا دھیمے سے ہنس کر بولی "اکبر علی کی پنڈلی کا زخم واقعی تمغا ہے مگر چند روز میں ہم اس سے محروم ہوجائیں گے۔ کوشش کی جانی چاہیے کہ ایسی ہی کسی اور کامیابی تک اس کا زخم ہرا رہے۔"

"ویرا!" اول خان نے برہم نظروں سے اسے گھورا "بعض اوقات تم حد سے تجاوز کرجاتی ہو۔ مراد کے ساتھی کی لاش کو تم کیوں بھول رہی ہو۔ اس کی ہسٹری سے پتا چلے گا کہ فریڈم انٹرنیشنل والے مراد سے کیا کام لے رہے تھے؟"

ویرا کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ زبان سے معذرت طلبی اس کے مسلک سے باہر تھی۔ شرمندہ ہو کر وہ بس خاموشی سے اپنی پسپائی تسلیم کرلیتی تھی اور ہم لوگ اسی کو کافی تصور کرتے تھے۔

"لاش کو مقامی پولیس کے حوالے کردینے کے بعد ہم اس کیس سے دستبردار نہیں ہوگئے؟" سلطان شاہ نے اول خان سے پوچھا "وہ اپنے روایتی انداز میں کئی روز بعد کسی نتیجے تک پہنچیں گے۔"

"پولیس کی کارکردگی کے بارے میں تم تعصب کا شکار معلوم ہوتے ہو" اول خان نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "وہ لوگ بھی ہمارے معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں' ان سے بھی کوتاہیاں ہوتی ہوں گی لیکن انہیں بڑھاچڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ قتل اور ڈکیتی کی وارداتوں سے لے کر ٹریفک کی معمولی خلاف ورزیوں تک' ہر روز ہزاروں افراد کا ہر سطح کے پولیس افسروں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہر شخص کا تجربہ مختلف ہوتا ہے۔ اچھے تجربات فرائض منصبی قرار دے کر بھلادیے جاتے ہیں۔ لوگ اپنے تلخ تجربات کی کہانیاں بنالیتے ہیں جو سینہ بہ سینہ پروان چڑھتی رہتی ہیں۔ ہماری پولیس اتنی خراب نہیں ہے۔"

"تم نے پولیس والوں کی حمایت میں اچھی خاصی تقریر کرڈالی" سلطان شاہ کے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ تیرنے لگی "میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ [illegible] دیکھنا میں تمہارا کیا حشر معلومات کون حاصل کرے گا؟"

"مقامی پولیس!" اول خان نے کسی تاخیر کے بغیر جواب دیا "کوئی نتیجہ سامنے آنے تک حامدان کے ساتھ رہے گا۔"

"تم نے بھی ان پر ایک چوکیدار مسلط کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟" سلطان شاہ کھل کر ہنس پڑا۔

اول خان جھنجلا گیا "حامد چوکیداری نہیں کرے گا۔ وہاں پہنچنے والی اطلاعات کو بلا تاخیر مجھ تک پہنچاتا رہے گا۔ علاقے کا تھانے دار اپنے ڈی ایس پی اور ایس پی کو جواب دہ ہوتا ہے۔ باقاعدہ چینل سے معلومات حاصل کرنے میں تاخیر ہوسکتی ہے۔"

"ابھی تک ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مرنے والے کا تعلق حیدر آباد سے ہے یا میرپور خاص سے!" ویرا نے لب کشائی کی "ہم نے اپنے طور پر فرض کرلیا ہے کہ مراد حیدر آباد سے کراچی آیا ہوگا۔"

"وہ دونوں چھوٹے اور قریبی شہر ہیں۔ میرپور خاص سے سڑک کے ذریعے کراچی پہنچنے کے لیے وہ حیدر آباد سے ضرور گزرا ہوگا" اول خان بڑھتی ہوئی جرح سے بے زار ہونے لگا تھا۔

"ابھی وہ کراچی کی ہی حدود میں ہوگا" میں نے چونکتے ہوئے کہا "موبائل فون پر اسے چھیڑ کر دیکھا جائے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس وقت اس کا ردعمل ہمارے لیے راہ نما ثابت ہوسکتا ہے۔"

"مگر اس کا موبائل فون تو حیدر آباد یا میرپور خاص کے لیے ہوگا۔" سلطان شاہ نے اعتراض کیا۔

وہ موبائل فون کی آمد کا ابتدائی دور تھا۔ اسے ایک حیرت انگیز ایجاد اور فیشن کا درجہ حاصل تھا مگر عام لوگ اس کی کارکردگی اور دائرہ کار کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتے تھے۔

"موبائل فون کے لیے کراچی سے حیدر آباد اور اس کے مضافات تک کے لیے ایک ہی زون ہے" اول خان نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "تم اسے فون کرو۔ کام کی کوئی نہ کوئی بات مل ہی جائے گی۔"

مراد ظریف کا موبائل فون کنکشن دوسری کمپنی کا تھا۔ میں نے اپنے موبائل پر اس کا کوڈ اور نمبر ملایا تو دوسری گھنٹی پر ہی سلسلہ مل گیا۔ "ہیلو! کون بول رہا ہے؟" مراد کی آواز سے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔

"مقبول چوہدری کا خاص آدمی بول رہا ہوں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اپنا ایک آدمی مفت میں چھوڑ دیا۔ اس کی لاش حیدر آباد پہنچانے کا کرایہ کون دے گا؟"

دوسری طرف سے سندھی زبان میں بے ساختہ جو کچھ کہا گیا وہ صوتی اعتبار سے میرے لیے ناقابل فہم تھا مگر میرے لیے یہ جاننا مشکل نہیں تھا کہ مراد کے جواب کا وہ حصہ غلیظ ترین گالیوں پر مشتمل رہا ہوگا۔ اپنے غیر ارادی ردعمل کے اظہار کے بعد وہ بولا

Downloaded from https://paksociety.com

کرتا ہوں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے مراد؟" میں نے غضب ناک غراہٹ کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی "مقبول تم پر بہت برہم ہے۔ وہ تمہیں کوڑی کوڑی کو محتاج کرکے دوبارہ فٹ پاتھ پر پہنچادے گا۔"

"وہ میرا سائیں اور میں اس کا غلام ہوں" مراد ظریف کا لب ولہجہ یکایک تبدیل ہوگیا "تم سچے ہو تو اب بھی سائیں مقبول چوہدری سے میری بات کرادو۔ میں اس کے قدموں میں گر کر اس سے معافی مانگ لوں گا" میری پراعتماد دھمکی نے مراد کو تذبذب میں ڈال دیا تھا مگر اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مفاہمت کے لیے ایک کڑی شرط رکھ دی تھی۔

میں نے بس لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر کہا "چند سیکنڈ توقف کرو۔ میں مقبول چوہدری سے تمہاری بات کراتا ہوں۔"

ان چاروں کی متجسس نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میرے پاس مشق کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ میں نے قدرے توقف کے بعد فون اپنے کان سے لگایا اور اپنی دانست میں مقبول چوہدری کی آواز کی نقل کرتے ہوئے مجروح آواز میں کہا "مراد۔ آج تم نے میرا مان توڑدیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم یہاں آکر گولیاں برساؤ گے۔"

مجھے پتا نہیں تھا کہ میری وہ کوشش کہاں تک کامیاب تھی۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنے مخاطب کے ردعمل کا منتظر تھا۔ اس نے کسی سکوت یا وقفے کے بغیر سپاٹ آواز میں کہا "اگر تم سائیں مقبول چوہدری ہی ہو تو میں ہاتھ جوڑ کر اور تمہارے پاؤں چھو کر معافی چاہتا ہوں۔ میں تم سے ملنے آیا تھا لیکن تمہارے آدمی نے مجھے شک و شبے میں ڈال دیا۔"

"تم اب بھی شک و شبے والی بات کررہے ہو" میں نے ہلکی سی خفگی کا مظاہرہ کیا "کیا مجھ سے براہ راست بات کرنے کے باوجود تمہیں میرے اوپر یقین نہیں ہے؟" مجھے خوشی ہوئی کہ اسے میری بدلی ہوئی آواز پر شبہ نہیں ہوا تھا۔

"سائیں!" فون پر اس کی لجلجائی ہوئی آواز ابھری "تم خود بتاؤ کہ اندھے وسوسوں میں گھرا ہوا آدمی کسی پر کیسے بھروسا کرسکتا ہے؟ آج تک تم نے مجھے ملنے کی عزت نہیں دی۔ میں گولی چلانے سے پہلے تک تم کو فون کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن تمہارا فون انگیج تھا۔ میں کیا کرتا؟ اب تم نے مجھ سے بات کی ہے تو میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا ہے..... بھلا میں شبے میں کیوں نہ پڑوں؟ تم تو اتنے محتاط آدمی ہو کہ مجھے فون پر ہمیشہ مجھے میرے کوڈ سے پکارتے ہو۔"

میرے ذہن پر لمحہ بھر کے لیے سناٹا سا چھاگیا پھر مجھے یاد آیا کہ نسرین کے گھر سے برآمد ہونے والی فورڈ فاؤنڈیشن کی فائل میں جہاں جہاں مراد ظریف کا نام آیا تھا وہیں ہر پیکٹ میں ایم زیڈ کے الفاظ بھی لکھے ہوئے تھے۔ روایتی تلفظ کے مطابق وہ ایم زیڈ ہی تھے' جدید رجحان کے تحت اسے ایم زی بھی پڑھا جاسکتا تھا۔

وہ ایک سخت مرحلہ تھا' میرے پاس سوچنے کے لیے ذرا بھی مہلت نہیں تھی۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر بے پروایانہ انداز میں کہا "وہ سب عام حالات کی احتیاطیں تھیں' انہیں بھول جاؤ۔ ایم زیڈ' ایم زی یا مراد ظریف سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا اسی لیے میں نے تم کو بلایا تھا مگر تم نے میرے سارے منصوبے پر پانی پھیردیا۔"

میں نے بات چالاکی سے گھمائی تھی۔ ان الفاظ میں مراد ظریف کا صحیح کوڈ بھی شامل تھا کیونکہ اس نے اس بارے میں کوئی نیا سوال کیے بغیر تشویش آمیز آواز میں پوچھا "تو کیا اب حالات بدل گئے ہیں؟"

"بہت زیادہ بدل گئے ہیں۔ ہمارے دشمن ہماری سن گن حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں" میں نے دھیمی اور ڈرامائی آواز میں رک رک کر کہا "ان سے بچنے کے لیے ہمارا مل بیٹھنا ضروری ہوگیا ہے۔"

"مگر کیوں؟" میرے انکشاف پر اس کی آواز میں گہرا خوف سمٹ آیا تھا "دشمن پیچھے لگا ہوا ہو تو سب کو الگ الگ راستوں پر بھاگنا چاہیے تاکہ دشمن کی طاقت بھی بکھر جائے۔ تم مجھے کیوں بلا رہے ہو.....؟ تم ان کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ تمہیں مارا پیٹا گیا ہے۔ میں تمہاری طرف آیا تو خود بھی ان کی نظروں میں آجاؤں گا۔"

"یہ سب باتیں فون پر نہیں بتائی جاسکتیں۔ تم فوراً لوٹ آؤ!" میں نے سختی سے کہا۔ مقبول چوہدری کی آواز کی کامیاب نقل پر میرے اعتماد میں بہت زیادہ اضافہ ہوچکا تھا۔

"یہ عام فون نہیں' موبائل فون ہے۔ اس کی بات کہیں نہیں سنی جاسکتی۔ تم مجھے کچھ تو بتاؤ کہ کیا چکر ہے۔"

"تم دس منٹ میں لوٹ آؤ' میں تمہیں ہر بات بتادوں گا" میرے اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔

"نہیں سائیں' مجھے ایسا حکم مت دو" اس کی آواز سے عاجزی کے ساتھ مزاحمت بھی جھلک رہی تھی "ابھی وہاں سیکڑوں گولیاں چلی ہیں۔ میرے آدمیوں نے میگزین خالی کیے ہیں' تمہارے آدمیوں نے بے حساب راؤنڈز فائر کیے ہیں۔ میری گاڑی کھڑی ہے' دھنی رام کی لاش وہاں پڑی ہوئی ہے۔ تم تک پہنچنے سے پہلے پولیس مجھے دھرلے گی۔"

دھنی رام..... وہ نام میرے ذہن کے کمپیوٹر میں فوراً ہی محفوظ ہوگیا۔ باتوں کے جال بیچ میں مجھے پہلی کارآمد بات معلوم ہوچکی تھی کہ مراد کے مرنے والے ساتھی کا نام دھنی رام تھا۔ وہ نام میرے لیے بالکل ہی نامانوس نہیں تھا لیکن اس وقت مجھے فوری طور پر یاد نہیں آسکا کہ میں نے وہ نام کہاں اور کس حوالے سے سنا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے مراد سے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "تم احمق ہو.... ان خطرات سے میں خود بھی واقف ہوں۔ میں تمہیں مائنگرو سینٹر نہیں بلا رہا۔ تم مجھے اپنی لوکیشن بتاؤ' میں ملاقات کے لیے کوئی محفوظ جگہ تجویز کروں گا دس منٹ کے اندر اندر ہم دونوں وہاں مل سکیں گے۔"

دوسری طرف چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھا گئی پھر مراد کی آواز ابھری "نہیں سائیں' تمہارا ایم زی اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ اپنی گردن خود کٹوالے۔ خطرہ تم کو ہے۔ وہ تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہوں گے۔ اس وقت ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے درشت آواز میں کہا "تمہیں اپنے انکار کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

"سائیں ایسا ظلم مت کرو" اس کی التجا آمیز آواز ابھری "یہ ساری عقل اور احتیاط تم نے ہی مجھے سکھائی ہے کہ ماں کے دامن کو آگ لگی ہوئی ہو تو سگی اولاد کو بھی اس سے دور رہنا چاہیے ورنہ وہ بھی ماں کے ساتھ جل مرے گی۔"

"میرا سکھایا ہوا سبق مجھے نہ سناؤ" میں نے غراکر اسے ڈانٹ دیا "جو کہہ رہا ہوں' اس پر عمل کرو۔"

"یہ مشکل ہے" وہ اپنی بات پر اڑا رہا "ابھی میں نے دھنی رام کو تمہارے حکم پر قربان کیا ہے۔ مجھ میں اپنی گردن کٹوانے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں تم نے مجھے ہی اپنے راستے سے ہٹانے کا ارادہ نہ کرلیا ہو۔"

"اب تم میری نیت پر بھی شبہ کررہے ہو! میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں؟"

"نہیں سائیں۔ میں تمہارا غلام ہوں" وہ گھگھیانے لگا۔ عدم تحفظ کے احساس نے اس کی ذہنی حالت ابتر کی ہوئی تھی "میں خود کئی دن سے تمہاری تلاش میں تھا۔ ایک بڑے آدمی کو خریدنے کے لیے مجھے بہت دور کار تھی۔ اس کی دعوتوں کے لیے تین چار لاکھ روپے مل جائیں تو ہمارا کام بہت تیز ہو جائے گا۔ وہ ولایتی شراب اور دیسی لڑکیوں کا رسیا ہے..."

"اسے جہنم میں ڈالو۔ مجھے تمہاری باتوں سے بغاوت اور رالچ کی بو آرہی ہے۔ میں اپنے قریب ایسے کسی سازشی آدمی کا سایہ بھی برداشت نہیں کرسکتا" میں نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ابھی تم غصے میں ہو۔ باہر کے حالات بھی خراب ہیں۔ میں کل تم کو فون کروں گا" ایک گہرے سانس کے بعد آواز آئی۔

میں نے جواب میں مزید کچھ کہے بغیر فون بند کردیا۔ وہ اپنی راگنی الاپے جارہا تھا۔ اسے فوری طور پر گھیرنا ناممکن نظر آرہا تھا۔ اصولی طور پر مجھے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے اسے ہر قسم کے رابطے سے روک دینا چاہیے تھا مگر میں وہ راستہ مسدود نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اپنی دانست میں بہتر راہ اختیار کی تھی۔ کچھ نہ کہہ کر میں نے اپنا بھرم رکھ لیا تھا۔

"تم بلا کے ■ داکار تو ہو ہی' آج تمہاری صداکاری بھی سن لی" گفتگو کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ویرا نے کہا "تمہاری بدلی ہوئی آواز نے مجھے چونکا دیا تھا۔"

"معلوم ہو رہا تھا کہ مقبول چوہدری دوبارہ زندہ ہوگیا ہے" اول خان نے ہنس کر کہا۔

"اس وقت وہ بری طرح دہشت زدہ ہے۔ یہ داؤ چل گیا تو وہ جلد ہی ہماری گرفت میں آجائے گا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کی زبانی مرنے والے کا نام معلوم ہوگیا ہے۔ اسے دھنی رام کہتے تھے۔"

"دھنی رام!" سلطان شاہ نے بے ساختہ حیرت سے دہرایا "وہ تو بدنام سندھی دہشت گرد تھا۔"

"شاید اس نے چند ماہ پہلے نواب شاہ کے ایک وڈیرے کے گھر میں گھس کر خاندان کے سات افراد کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا" اول خان نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا "اور گھر سے ہر قیمتی شے لوٹ کر لے گیا تھا۔"

"دھنی رام کو سندھی مت کہو" میں نے ملامت سے سلطان شاہ کو سمجھایا "ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کی کوئی زبان ہوتی ہے نہ کلچر۔ وہ صرف ڈاکو اور دہشت گرد ہوتے ہیں اور کسی سے رورعایت نہیں کرتے۔"

"مگر وہ سندھی ہی تھا" سلطان شاہ نے اپنی بات پر اصرار کیا "اخبارات نے یہی لکھا تھا۔"

"بعض اخبارات ناقابل اعتبار' دو پیسے کے چٹخارے ہوتے ہیں۔ اخبار بیچنے کے لیے لوگوں میں سنسنی' ہیجان اور تعصبات کو ابھارتے ہیں۔ دھنی رام کو تم صرف اس وقت سندھی دہشت گرد کہہ سکتے تھے جب وہ سندھیوں کے سوا دوسروں کو مارتا۔ اس نے تو ایک ہی واردات میں نواب شاہ کے ایک گھرانے کے سات چراغ گل کردیے۔ دوسرے واقعات میں اس نے نہ جانے کتنے سندھی مارے ہوں گے۔ اس جیسے قابل نفرت آدمی کو اس کی قومیت کے حوالے سے پکارنا گھناؤنا فعل ہے جو شرانگیزی کے زمرے میں آتا ہے" میں نے اپنی سوچی سمجھی اور نپی تلی رائے ان چاروں کے سامنے پیش کردی۔

"سوال یہ ہے کہ دھنی رام جیسا مجرم مراد اور اس کی این جی او کے لیے کیا کارخیر سرانجام دے رہا تھا۔" ویرا نے اس تضحیکی موضوع کو فوراً ہی صحیح رخ پر ڈال دیا۔

"اکرام الٰہی اور مقبول چوہدری کے کیفرکردار کو پہنچنے کے بعد یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بہت سی این جی اوز غیرملکی سرمائے کے بل بوتے پر یہاں شورش' افراتفری اور عدم استحکام پھیلانے کے لیے کام کررہی ہیں" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "مراد کی بنائی ہوئی صحرا نامی تنظیم بھی کسی بھاری غیرملکی امداد کی آس میں اپنا

Downloaded from https://paksociety.com